سنہرے اپنے
ادا نور زینب

السلام علیکم!

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔ تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک، انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842

سُنہرے پنے

ازقلم ادا نورزینب

باب نمبر ایک

"اپنے"

دُنیا کی بھیڑ میں

جب ہم چاہتے ہیں

کہ کوئی چھوٹی سی خوشی، جو حاصل ہو

مدھم سی مُسکراہٹ، جو زیرِلب جھلملاتی ہو

کھنکتا ہوا قہقہ اِک، جو کھوکھلا نہ ہو

اور بہت کچھ !

جو سچا ہو، یاقوت جیسا

جیون سے بھرپور، حقیقتوں سا اٹل !

تو اُس پل میں

ہم پلٹ جائیں

اپنے بچھڑے ہوئے دَر کو،

اپنی دہلیز کو، اپنے گھر کو،

جہاں خوشی آئے تو سب ہنستے ہیں

جہاں ہمارے "اپنے" بستے ہیں۔

(ازخود)

سردیوں کی میٹھی دھوپ ہر طرف پھیلی تھی، ایسے میں بجّو امّاں اپنے تخت پر بیٹھیں، آنکھوں پر موٹے شیشوں کی عینک لگائے، مالٹے چھیلنے میں مصروف تھیں۔ سردیوں کی دھوپ میں مالٹے چھیل چھیل کر اپنی اولادوں کو کھلانا تو جیسے اُنکا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ اتنے سارے لوگوں میں بھی اُنہیں یاد رہتا تھا کہ کس نے ایک قاش کھائی ہے، کس نے دو یا تین اور کون اُن کے پاس بیٹھ کر چالاکی سے کھاتا ہی چلا جا رہا ہے۔

www.novelsclubb.com

''ارے منّو جاؤ دیکھو اسماعیل کی آنکھ کھُلی کہ نہیں''اُنہوں نے پاس بیٹھی مناہل کو کہا جو کانوں میں ائیر پودز لگائے نا جانے انسٹا گرام کے کونسے کونے میں پہنچی ہوئی تھی۔

وہ ایک بار کہہ کر دوبارہ مالٹے چھیلنے میں مشغول ہو گئیں، تھوڑی دیر تک انتظار کے بعد بھی جب مناہل کے وجود میں کوئی حرکت نہ ہوئی تو اُنہوں نے پلیٹ میں پڑا مالٹا اُٹھا کر اُسے دے مارا، اب کی بار حرکت کے ساتھ ساتھ مناہل کی چیخ کی آواز بھی آئی جس پر بجّو اماں خود بھی بوکھلا گئیں۔

''کیا ہو گیا بجو اماں!''ائیر پوڈز نکال کر وہ اپنی کمر سہلانے لگی،

''''اور کیا ضرورت تھی سب سے بڑا والا مالٹا مارنے کی۔۔۔آہ میری کمر''بُرا سا منہ بناتی کمر پر ہاتھ رکھے وہ کھڑی ہو گئی۔

''جاؤ اسماعیل کو اُٹھاؤ، سورج سوا نیزے پر پہنچ گیا ہے اور اُسکی نیند ہی نہیں پوری ہو رہی، جاؤ''اُنہوں نے اُسکا واویلا نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

وہ جو اندر کی طرف قدم بڑھانے لگی تھی،اسماعیل کے نام پر رُکی اور واپس بجّو اماں کے ساتھ تخت پر ہی بیٹھ گئی۔

’’خود اُٹھ جائے گا ناوہ، میں جاؤں گی تو مجھے ڈانٹے گا‘‘

’’نہیں ڈانٹتا جاؤ،اور یہ ’’ڈانٹے گا‘‘ کیا ہوتا ہے؟ بڑا ہے وہ تم سے عزت کیا کرو‘‘اُنوں نے عینک کے پیچھے سے اُسے غور سے دیکھا۔

’’اسفند کہاں ہے؟‘‘بجّو اماں نے یاد آنے پر پوچھا۔

’’بھائی تو صبح ہی چلے گئے تھے فرم، پاپا کے ساتھ‘‘اُس نے کندھے اُچکا کر کہا اور ایک کان میں ائیر پوڈ ٹھونسا۔

’’ہونہہ میرے چھوٹے سے بچے پر پوری فرم ڈال رہا ہے تمہارا باپ، گدھا کہیں کا،اور یہ کیا تم سارا دن اِس بلا کو پکڑے بیٹھی رہتی ہو،ماں کو آواز دو چائے کا کہا تھا میں نے دو گھنٹے پہلے‘‘اُنہوں نے سُہیل کا سارا غصہ مناہل پر نکالا۔

’’اچھا نااّاں‘‘مناہل نے مزید ڈھیر ہوتے ہوئے اُنکی ڈانٹ کا اثر نہ لیتے ہوئے کہا۔

’’ہیلو بِجو اماں‘‘عدیل نے باہر آتے ہی دور سے نعرہ لگایا۔

’’آمیرا بچہ۔۔۔اِدھر آ میں تیرا ہیلو نکالوں‘‘اُنہوں نے وہیں بیٹھے اونچی آواز میں کہا،عدیل ہنستے ہوئے آگے آیا۔

’’یار بجّو اماں السلام علیکم بولتے بولتے منہ ٹیڑھا ہو جاتا ہے میرا۔۔۔دیکھیں‘‘اُسنے منہ کے زاویے بگاڑ کر دِکھائے جس پر بجّو اماں کھلکھلا کر ہنس دیں،مناہل نے موقع دیکھتے ہی اکھٹی دو تین قاشیں اٹھا کر منہ میں رکھیں اور دوسرے کان میں بھی ائیر پوڈز لگائے۔

’’سلام کرنا سُنت ہے لڑکے،اور میں تیری یار لگتی ہوں ہیں؟بد تمیز‘‘ہنسی روک کر مصنوعی ناراضگی سے کہا۔

عدیل سامنے پڑی کُرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گیا۔

’’آگئی آپکی چائے‘‘ مناہل نے آصفہ کی طرف اشارہ کیا جو چائے کی ٹرالی لارہی تجیں۔

’’شُکر ہے آج کی ہی تاریخ میں چائے لے آئیں تم‘‘ بجوّاماں نے ناک سِکوڑی۔

’’امّاں آپ نے اکیلی چائے پینی تھی بھلا؟میں چائے لے کر آتی تو آپ نے کہنا تھا کھانے کے لئے کچھ نہیں لائیں اِسی لئے میں پہلے ہی لے آئی‘‘

آصفہ بیگم ٹرے اُٹھا کر میز پر ترتیب دینے لگیں،عدیل بھی اُنکے ساتھ کپ نکالنے لگا۔

''مناہل ابھی تک یہیں ہو؟ جاؤ اُٹھاؤ اُسے''بجّو اماں نے اُسکا کندھا جھنجوڑا تو وہ اُسی طرح سر فون پر گرائے اندر جانے لگی۔

※※※

عائشہ نے ایک دو بار دروازہ بجا کر، انتظار کیے بغیر، اپنی جاسوسی کی تمام تر صلاحیتوں کو استعمال میں لانا شروع کیا، جو اُس نے اج تک دیکھی ہوئی ایکشن اور جاسوسی موویز سے سیکھی تھیں۔

پینٹ کی جیب میں سے چھوٹے چھوٹے تین چار آلات نکالے اور دروازے کے لاک میں گھُسانے شروع کیے۔

تقریباً ایک منٹ کے بعد کلِک کی آواز آئی اور اُسنے مُسکرا کر سر جھٹکا، جیسے پتا نہیں کونسا کے۔ٹو سَر کر لیا ہو۔

دروازہ کھولتے ہی پنکھے کی بدنُما آواز نے اُسکا استقبال کیا، ملگجی سی روشنی میں بھی وہ کمرے میں موجود ہر چیز کا سلیقہ دیکھ سکتی تھی، ایک لمحے کے لئے عائشہ جیسی بے ربط لڑکی کو کوفت ہوئی۔

سب سے پہلے اُس نے زیرو کی سپیڈ سے چلتے پنکھے کی گوں گوں کو بند کیا اور پھر اگلے ہی جھٹکے سے ساری بتیاں جلادیں۔

بیڈ پر لیٹے وجود میں حرکت ہوئی اور اُس نے کمبل منہ تک اوپر کرلیا۔

''اُٹھ جاؤ!''اُسنے دونوں ہاتھوں کا پیالہ بنا کر منہ پر رکھا اور اُونچی آواز میں کہا۔

''شَٹ اَپ''،کمبل کے اندر سے آواز آئی۔

''دن گزر گیا سارا، دوبارہ سے رات ہونے والی ہے، دیکھو باہر''اُس نے بلائینڈرز ہٹاتے ہوئے کہا، وہ مڑی تو وہ اُٹھ کر بیٹھ چکی تھی۔

''ارے واہ اُٹھ گئیں''ایک ہاتھ پہلو پر رکھے دوسرے سے اشارے کرتے ہوئے کہا،

''ورنہ مجھے تو لگا تھا کہ ابھی مجھے اُس جگ کو بھی خالی کرنے کی زحمت دینی پڑے گی''

''احمر بھائی کی کال آئی تھی رات کو''اُسنے اپنی پھٹی ہوئی آواز میں، سامنے گھورتے ہوئے کہا، وہ ابھی بھی نیند میں لگتی تھی۔

''یار تمہیں کتنی بار کہا ہے کہ اُٹھنے کے تقریباً آدھے گھنٹے تک کچھ بھی نہ بولا کرو، ڈر لگنے لگتا ہے تم سے۔''اُس نے ہنستے ہوئے کہا، پھر جیسے کچھ یاد آیا، اُچھل کر بیڈ پر بیٹھی۔

''کیا کہہ رہے تھے احمر بھائی؟

آ رہے ہیں کیا؟''اُسکی آنکھیں چمکیں۔

''شش۔۔۔''اُسنے منہ پر اُنگلی رکھ کر کہا اور ایک ابرو اٹھائی، جیسے ابھی کہی ہوئی بات یاد دلائی اور اُٹھ کر ڈریسنگ روم میں چلی گئی۔

''پاگل'' عائشہ منہ میں بڑبڑائی اور باہر جانے کے لئے اُٹھ کھڑی ہوئی، وہ جانتی تھی کہ کم از کم آج کی تاریخ میں تو وہ اِس ٹاپک پر بات نہیں کریگی۔

※ ※ ※

یونیورسٹی کوریڈور میں مخصوص ہیلز کی ٹِک ٹِک گونج رہی تھی، ایک ہاتھ میں بیگ پکڑے اور ایک ہاتھ سے فون کان کو لگائے، وہ مُسکرا کر کسی سے بات کرتیں، سر کے خَم سے سٹوڈینٹس کے سلام کا جواب دیتیں اپنے آفس کی طرف بڑھ رہی تھیں۔

کندھوں سے اوپر تک آتے بالوں کو بڑی محنت سے سیٹ کیا گیا تھا جو اُن کے تیز چلنے کی وجہ سے پیچھے کی طرف اُڑ رہے تھے، سن گلاسز آنکھوں کی بجائے سر پر ٹِکا رکھی تھیں۔

الوداعی کلمات کہہ کر فون بند کیا اور بیگ میں ڈالا، گلاسز سر سے اُتاریں اور آفس کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئیں۔ آفس گورنمنٹ کے ازلی سفید اور نیلے رنگ سے مزّین تھا۔ ایک پاور سیٹ،

سامنے بڑی میز، میز کے آگے دو آرامدہ کُرسیاں جو آمنے سامنے تھیں اور اُنکے درمیان میں ایک چھوٹی میز، پاور سیٹ کے دائیں طرف پول پر لگا پاکستان کا بڑا جھنڈا اور پیچھے دیوار پر قائدِ اعظم کی بڑی تصویر۔

دونوں کھڑکیوں کے آگے ٹو سیٹر صوفے تھے اور سامنے والی دیوار پر رعناء کی ہی ایک تصویر لگی تھی، یہ تصویر تب کی تھی جب وہ اکیس سال کی تھیں اور اِسی یونیورسٹی کے پرنسپل سے اپنی ڈگری لے رہی تھیں، نیچے ہی ایک لمبا میز تھا جس پر رعناء کے ہی نام کے مزید انعامات اور ٹرافیاں رکھی گئی تھیں۔

بظاہر تو یہ انعامات تھے لیکن وہاں رعناء کی ساری زندگی رقم تھی۔

''میں اندر آجاؤں؟''حِنا نے دروازے میں سے منہ نکالا۔

''آجاؤ، آجاؤ''اُنہوں نے خوشدلی سے کہا۔

"تمہیں کیسے پتہ چل جاتا ہے کہ رعناء اپنے آفس میں پہنچ گئی ہے؟" اب وہ دراز میں سے فائلیں نکال رہی تھیں۔

"ارے یار مجھے پتا ہوتا ہے کہ میری سلامی کے بغیر رعناء کا دن شروع نہیں ہو گا اس لئے میں نے تمہارے پیچھے مخبر لگائے ہوئے ہیں" آخری جملہ سرگوشی میں کہا جس پر رعناء ہلکا سا ہنس دیں۔

"یہ سب ڈرامے ہیں تمہارے، میں روز اِسی وقت آتی ہوں، نہ ایک منٹ آگے اور نہ ہی ایک منٹ پیچھے" وہ اب دونوں کُہنیاں میز پر ٹِکائے، ہاتھ ہلا ہلا کر باتیں کر رہی تھیں۔

"پھر بھی رعناء، مجھے داد دو، اتنی بڑی یونی میں اتنے سالوں کی دوستی قابلِ رشک ہے اور اس میں میرا کردار بہت زیادہ ہے" صوفے پر بیٹھے حنا نے بال جھٹک کر کہا۔

حِنا سہی کہہ رہی تھی، رعناء ایک چالیس سالہ خاتون تھیں جو کہ اب یونی کے دو سے تین ڈپارٹمنٹس کی پرنسپل تھیں، ڈائیٹ پلانز فالو کر کے اور روز کی ایکسر سائیز نامی مشقت کر کے اُنہوں نے خود کو

بہت سی لڑکیوں سے زیادہ فٹ رکھا ہوا تھا، رہی سہی کسر اُنکے پر فیکشن کے شوق نے پوری کر دی تھی۔

وہ آج بھی اپنی عمر سے دس سال چھوٹی ہی لگتی تھیں۔

اُن کے بر عکس حِنا بمشکل پچیس سال کی تھی اور اسٹوڈینٹ ہونے کے دور سے ہی اپنی پروفیسر رعناء کی دوست تھی اور اب یونی میں ہی پڑھا رہی تھی۔جب کبھی رعناء ناراض ہو جاتیں تو حِنا انہیں منانے کے لئے اُنکے گھر کے چکر لگانے سے بھی گریز نہ کرتی تھی۔

"بات تو تمہاری بالکل ٹھیک ہے"رعناء نے مُسکرا کر کہا۔

"احمر کیسا ہے؟"حِنا نے فکر مندی سے پوچھا۔

"ہاں ٹھیک ہے، چار پانچ مہینے تک واپس آ جائے گا، کہتا ہے اب وہیں رہے گا، He can't adjust in Pakistan"

اُنہوں نے خو بخواپنے بیٹے کی نقل اُتاری اور کندھے اُچکائے، جس پر حِنا کا قہقہہ گونجا۔

"واپس آئے گا نا دو جوتے تم سے کھائے گا اور دو نبیل بھائی سے، پھر دیکھنا کیسے ایڈجسٹ کرتا ہے" حِنا نے ہنس کر کہا۔

البتہ رعناء فکر مند تھیں۔

"اکلوتے بیٹوں کا باغی ہو جانا ماں باپ کو زندہ لاش بنا دیتا ہے۔"

※ ※ ※

شہرِ فیصل آباد میں اتوار کو پورے زور و شور سے منایا جاتا ہو یا نہ ہو لیکن بجّو اماں کے آنگن میں تو اتوار کو عید جیسی ہی عزت دی جاتی ہے۔اور اتوار والے دن سب سے زیادہ خوش بجو اماں ہی ہوتی ہیں کیونکہ اُنکے بچے خاص طور پر اُنکے بچوں کے بچے گھر پر ہی پائے جاتے ہیں۔شاید ماؤں کو اپنے جگر کے ٹکروں کو اکٹھا کر کے سکون ملتا ہے یا شاید وہ اُنہیں مکمل کر دیتے ہیں۔

لیکن یہ اتوار سردیوں کی سوغاتوں کے نام!

جی ہاں، آج بجو اماں نے سب لڑکوں کو گھیر کر اپنے لان میں لگائے درختوں سے پھل اُتارنے کے کام پر لگایا ہوا تھا، جبکہ خواتین سکون سے بیٹھیں پھلوں کے مزے لے رہی تھیں۔

''عدیل دیکھ کر اُتارنا، ایک بھی انگور گچھے سے علیحدہ نہ ہو!'' وہ مسلسل ہدایات دے رہی تھیں۔

''یہاں آ ذرا بیٹا اسماعیل، یہ ٹوکری مجھے پکڑا اور بھائی کے ساتھ اوپر جا، اکیلا لگا ہوا ہے وہ'' اسماعیل جو ٹوکری میں سے انگور اُٹھا اُٹھا کر کھا رہا تھا، چلتے ہوئے منہ کو بریک لگا۔

''بجو اماں اوپر کیڑے ہیں'' اُس نے جھرجھری لے کر کہا۔

''تو کیا عدیل کی چمڑی لوہے کی بنی ہے؟ چلو اوپر ڈرامے باز!'' آصفہ بیگم نے اپنا حصہ ڈالا۔

''آصفہ چچی یہ آپ ہی ہیں نا۔۔۔'' اسماعیل نے آنکھیں گھمائیں، گھر میں بس وہی تھا جس کے لئے آصفہ بیگم کی زبان سے شیرینی ٹپکتی تھی، ورنہ وہ اور کسی کی تعریف؟ ہرگز نہیں!

''ہاں بھئی انگوروں کے معاملے میں نو کمپرومائیز''اُنھوں نے ہنس کر کہا۔

''ہاجرہ زرا چاول تو دیکھ آ،دَم پر رکھے تھے''بجو اماں کو اپنی پکوائی ہوئی بریانی یاد آئی۔

ہاجرہ''اوہ ہاں''کرتی اندر کو بھاگی۔

''السلام علیکم!''ہاتھ میں کافی کا مگ پکڑے،گیلے بال ماتھے پر گرائے،سفید شلوار قمیض میں ملبوس

ہمیشہ کی طرح ہشاش بشاش سا اسفند۔

''آگیا بجّو اماں کا چہیتا''آصفہ بڑبڑائیں۔

''آپکو بڑی جلن ہو رہی ہے ماما''مناہل نے اُن کے کان کے قریب سرگوشی کی اور مُسکرائی،تپانے

والی مُسکراہٹ۔

''ارے ہٹو،بیٹا ہے میرا میں کیوں جلنے لگی''اُنھوں نے مناہل کو کندھے سے پرے دھکیلا،وہ کھلکھلا

کر ہنس دی۔

''وعلیکم السلام میرا بچہ''بجو اماں نے اُسکے سر پر ہاتھ پھیرا،''کتنے دنوں بعد میں نے تیری شکل دیکھی ہے ورنہ تیرے باپ نے تو قسم کھالی بچے کو آرام نہیں کرنے دیگا''

''نہیں بجو اماں،ابھی کام سیکھ رہاہوں نااِسی لئے زیادہ وقت دے رہاہوں''

اسفند نے اپنی گہری آواز میں بتایا،وہ اپنے قد کاٹھ اور خاص طور پر اپنی آواز کی وجہ سے سب سے بڑا لگتا تھا،جبکہ لڑکوں میں سب سی بڑا عدیل تھا۔

''اسفند میاں،ماں بھی یہیں بیٹھی ہے تمہاری''آصفہ بیگم نے گلہ آمیز لہجے میں کہا۔

''جل ککڑیں!''مناہل نے پھر سرگوشی کی۔

''اُوہو پیاری ماما،آپ کی ہی تو دُعائیں ہیں جو یہاں تک لائی ہیں''اسفند نے جلدی سے پارٹی بدلی اور ماں کے ساتھ آکر بیٹھ گیا۔

بس بجّو اماں اب میں نیچے آرہاہوں،باقی اگلے ہفتے!''عدیل نی ہانپتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے میرا بچہ آجا، کل اسماعیل اُتارے گا باقی''اسماعیل جواوپر جاکر بھی سمٹ کر ایک ہی جگہ بیٹھا تھا چونک کر گردن اُٹھائی۔

''کیوں بجّو اماں؟''

''کیونکہ سارے انگور عدیل نے اُتارے ہیں تُو نے صرف لومڑی کا کردار ادا کیا ہے''اُنہوں نے آنکھیں دِکھائیں۔

''اور لومڑی بھی وہ جو کھٹے انگور بھی کھا جاتی ہے!''اب بولنے والی مناہل تھی،اُس کی بات پر سب ہنس دیئے جبکہ اسماعیل نے اُسے زیرِلب القابات سے نوازا۔

''شائستہ کہاں ہے؟''بجّو اماں نے یاد آنے پر پوچھا۔

''شائستہ تائی اور افضل تایا شاپنگ کرنے گئے ہیں۔''آمنہ جو نیچے گھاس پر اپنے سکول کی کتابیں پھیلائے بیٹھی تھی،روانی سے جواب دیا۔

اچانے کی ئے گی ئے سوال کا اچانک جواب اُسکے منہ سے نکل گیا، فوراً ہی زبان دانتوں تلے دبائی۔

"اللہ اکبر" بجّو اماں نے اپنا سر پیٹا، "بیٹی کا رشتہ پکا ہونے والا ہے اور اِن کے اپنے ہی ششکے ختم نہیں ہورہے"

آصفہ بیگم نے آمنہ کو گھورا، اُس نے بِنا آواز نکالے "سوری ماما" کہا اور چیزیں سمیٹنے لگی۔

"وہ لوگ ہاجرہ کے لئے ہی شاپنگ کرنے گئے ہیں، مجھے بتا کر گئے تھے" آصفہ نے معاملہ سنبھالنا چاہا۔

"رہنے دو تم، ہاجرہ کے لئے گئے ہیں، ہاجرہ کیلیئے گئے ہوتے تو اُسے ساتھ لے کر جاتے نا" وہ سخت تپ گئی تھیں۔

"چھوڑیں اماں، آجائینگے شام تک" اسفند نے اُنہیں نارمل کرنا چاہا وہ جانتا تھا اُن کی طبیعت بگڑتے دیر نہیں لگنی تھی۔

※ ※ ※

ٹھرتی شاموں کے اُداس چہرے

سر سراتے پتوں کی گُنگناہٹ

ٹھنڈی ہواؤں کا نرم لمس

کالی گھٹاؤں کی گڑگڑاہٹ

برستی بارش کی یہ بوندیں

نم مٹی کی بھنبناہٹ

غرض جہانِ ادا کی ہر اِک چیز

جو سُنو تو تمہیں پُکارے

موسم کو مدِ نظر رکھتے ہوئے سب کی فرمائش پوری کرنے کی غرض سے ہاجرہ اور شائستہ تائی آج کچن میں ہی نظر آرہی تھیں۔نچلے پورشن میں اِس وقت پکوڑوں کی خوشبو کے علاوہ کھلی کھڑکیوں سے آتی بارش کی پھوار اور مٹی کی خوشبو بھی شامل تھی۔بجّواماں ٹی وی لاؤنج میں ہی بیٹھی آصفہ کے ساتھ باتوں میں مصروف تھیں۔

سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آؤ تو منظر بالکل بدلہ ہوا تھا، کھڑکیوں کے پردے گرے ہوئے تھے اور ساری لائٹس آف تھیں۔ایسے میں باہر سے بیگانہ ہوئے مناہل اپنے کمرے میں بیٹھی پوری توجہ سے کوئی ناول پڑھنے میں مصروف تھی۔

دروازے پر ہونے والی دستک نے اُسکا تسلسل توڑا۔

“Yess“

مصروف سے انداز میں کہتے اُس نے نامحسوس طریقے سے پاس پڑا دوپٹہ اُٹھا کر گلے میں ڈال لیا۔

''کیا کر رہی ہو یہاں بیٹھی؟اُٹھو،دیکھو باہر موسم کتنا اچھا ہو رہا ہے۔''اسفند کی آواز پر وہ چونکی۔

''بھائی آپ؟خیریت؟۔۔۔میرا مطلب۔۔۔اچھا موسم کب بدلہ مجھے تو پتہ ہی نہیں چلا۔''اٹکتے ہوئے کہا۔

''اتنا پریشان کیوں ہو رہی ہو؟''اسفند نے ہنس کر کہا،وہ کبھی اِس طرح منہ اُٹھا کر بہنوں کے کمروں میں نہیں چلا جاتا تھا شاید اِسی لئے مناہل حیرت زدہ تھی۔

''نہیں میں تو پریشان نہیں ہو رہی،چلیں؟''وہ بیڈ سے اُٹھ کر دروازے تک آ گئی۔

''ہاں چلو''اسفند نے راستہ دیا۔

مناہل کے باہر آتے ہی اسفند نے کمرے کا دروازہ بند کر دیا،واحد روشنی کا راستہ بھی رُک گیا۔

دو تین قدم آگے بڑھانے کے بعد اُسے احساس ہوا کہ اسفند اب وہاں نہیں تھا،اُس نے مڑ کر دیکھا،وہاں واقعی کوئی نہیں تھا،ہال میں گھُپ اندھیرا تھا۔

''اسفند بھائی؟''اُس نے آواز دی، جواب ندارد۔

اوپر والا پورشن اِس طریقے سے بنا تھا کہ سیڑھیاں چڑھتے ہی بڑا سا ہال، چاروں طرف کمرے تھے، ایک کونے میں سلائڈنگ ڈور جو ٹیرس میں کھُلتا تھا، ایک کونے میں آتشدان تھا جس کے آگے دو بڑی کُرسیوں کے ساتھ کافی سارے چھوٹے سٹولز رکھے تھے اور درمیان میں ٹی وی لاؤنج۔ ہال میں سب سے زیادہ تعداد شیشوں کی تھی جو زیادہ تر مناہل کی ضد پر ہی لگائے گئے تھے، لیکن اب وہی شیشے اُسے بُری طرح ہاؤنٹ کر رہے تھے۔

''اسفند بھائی؟''اُس نے کانپتی ہوئی آواز نکالی۔

''ہاجرہ آپی؟''اُس نے پھر آواز دی، ایک دو منٹ اندھیرے میں گھورنے کے بعد وہ نیچے جانے کیلئے مڑی ہی تھی کہ اُسے کسی نے پُکارا۔

''مناہل''سرگوشی نما آواز۔

''بجّو اماں ؟''اُسے لگا بجّو اماں کی آواز تھی۔

''مناہل''پھر سر گوشی۔

''اسماعیل !۔۔۔۔اسماعیل یہ تم ہو نا، دیکھو اب مجھے ڈر لگ رہا ہے بس کرو۔''وہ آواز پہچان گئی تھی۔

''مناہل !''اب کے آواز بالکل اُس کے کان کے پاس آئی، وہ ڈر کر اُچھلی اور مڑی، وہاں اسماعیل ہی تھا۔

''یہ کیا بیہودہ مزاق ہے۔''وہ تو جیسے پھٹ ہی پڑی تھی۔

''یہاں آؤ''اسماعیل نے اُسکی ڈانٹ کو نظر انداز کر کے ہاتھ بڑھایا، مناہل نے اچھنبے سے اُسکا بڑھا ہوا ہاتھ دیکھا، پھر اُسکا چہرا، وہ مُسکرا رہا تھا، یہ کیسی مُسکراہٹ تھی جو دل کے اندر تک اُتر رہی تھی۔

مناہل نے ہاتھ تھام لیا، ہال کی ملگجی روشنیاں جل اُٹھیں، مناہل نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ہال کے درمیان میں ایک میز رکھا تھا، جس پر گلاب کی پتیاں تھیں اور اُنکے درمیان ایک سُرخ رنگ کا

ڈبہ۔ مناہل کا دل زور سے دھڑکا، یہ کیا ہونے جارہا تھا؟ اُس نے اپنے ہاتھ کو دیکھا اور لمس کو محسوس کیا، اُس لمس میں نرمی تھی، محبت تھی۔۔۔ محبت؟

دونوں قدم قدم چلتے میز تک آئے، اسماعیل نے اُسکا ہاتھ چھوڑا اور ڈبّہ اُٹھایا۔ مناہل کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا، وہ انگوٹھی کا ڈبہ نہیں تھا، وہ بڑا تھا۔

اسماعیل اُسکے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھا اور ڈبہ آگے بڑھایا۔ مناہل نے کپکپاتے ہاتھوں کے ساتھ ڈبہ اُسکے ہاتھ سے لے لیا اور اپنے قریب کیا، ایک بار اسماعیل کو دیکھا، وہ ابھی بھی مُسکرا رہا تھا اور اُسکی آنکھیں بے چینی سے کہہ رہی تھیں کہ ڈبہ کھولو اور مناہل نے ڈبہ کھول دیا۔

لیکن یہ کیا؟

اندر نہ ہی کوئی انگوٹھی تھی اور نہ ہی کوئی اور جیولری، وہ ایک پنچ باکس تھا، جس میں سے ایک مکا لہرا کر مناہل کی ناک پر لگا اور اُسنے زوردار چیخ ماری۔

حال کا سارا افسوں ٹوٹا اور اگلے ہی لمحے سارا خاندان ہنسی کا طوفان بنی نمودار ہوا۔

''ہیپی برتھڈے مناہل!''اسماعیل اپنا قہقہہ روکتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔

چاروں طرف سے ہنسی کا سمندر اُبھر رہا تھا، سب سے زیادہ ہنسی اسفند کو آرہی تھی، مناہل بیچاری اپنی ناک پر ہاتھ رکھے حالات کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''ہیپی برتھڈے مناہل!''اسفند نے شفقت سے اُسے اپنے ساتھ لگایا۔

''اسفند بھائی آپ بھی اِنکے ساتھ مل گئے؟''وہ ابھی بھی بے یقین تھی۔

''ہاں یار سرپرائیز تھا نا، ساتھ تو دینا تھا۔''اسفند نے کندھے اُچکائے اور مُسکرا دیا، لیکن مناہل سے مُسکرایا بھی نہیں جا رہا تھا۔

''جاگ جاؤ اب!''ہاجرہ نے اُسکے منہ کے آگے چُٹکی بجائی۔

''جاگ گئی ہوں۔''کھوئی ہوئی آواز میں زبردستی مُسکرا کر کہا۔

کیک لایا گیا اور مناہل نے سب کو کھلایا، کھلکھلاہٹیں، قہقہے، تھوڑی دیر پہلے کا اثر اب آہستہ آہستہ زائل ہو رہا تھا لیکن وہ اثر کبھی زائل نہیں ہوتے جو دل پہ گزرے ہوں۔

اور پھر مناہل کی زندگی میں وہ پہلی رات تھی جو اُس نے اُن آنکھوں میں لکھی تحریریں، اُس ہاتھ کے نرم لمس اور اُس مسکراہٹ کے بارے میں سوچتے ہوئے گزاری۔

اِس بات سے بے خبر کہ جاگنے والی وہ اکیلی نہیں تھی!

※※※

ڈائننگ ٹیبل کی سربراہی کُرسی پر بیٹھیں وہ اِس وقت ناشتہ کر رہی تھیں، دسمبر کے آخری دن چل رہے تھے اور انہوں نے یونی سے چھُٹیاں لے لی تھیں، البتہ اُنکے بچے ابھی کالج جا رہے تھے۔

ناشتہ کرتے ہوئے اُنہوں نے سامنے رکھے لیپ ٹاپ سے بجّو اماں کو کال ملائی، یہ رعناء کا معمول تھا کہ وہ چھُٹی کے دن ناشتہ اماں کے ساتھ ہی ویڈیو کال پر کرتی تھیں۔

''السلام علیکم رعناء!''فون اُٹھاتے ہی بجّو اماں نے خوشدلی سے کہا۔

''وعلیکم السلام امّاں! کیسی ہیں؟''رعناء نے مُسکرا کر کہا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں میرا بچہ، تم کیسی ہو؟اور یہ بتاؤ اُن کمبختوں نے چھُٹیاں دیں یا نہیں؟''اُنہوں نے فوراًاپنے مطلب کا سوال کیا۔

''جی اماں دے دیں چھُٹیاں، بس آج یا کل عائشہ اور جویریہ کو بھی فری کردینگے پھر کوئی پلان بناتے ہیں''

''ٹھیک ہے بھئی بناؤ پلان، یہ بھی دیکھنا اِس بوڑھی کی آنکھیں پتھر نہ ہو جائیں بیٹی کا انتظار کرتے کرتے۔''

مائیں اور اُنکی ایموشنل بلیک میلینگ!

''خُدایا!''رعناء نے اپنا قہقہہ روکا،

''ابھی دو مہینے پہلے ہی تو میں آئی تھی،''آنکھیں پتھر نہ ہو جائیں''،ایسے کہہ رہی ہیں جیسے سالوں بیت گئے ہوں''

رعناء نے خوبخو ماں کی نقل اُتاری، جس پر وہ ہنس پڑیں۔

''پرے ہٹ بد تمیز! ماں کی نقل اُتارتے شرم نہیں آتی!''

رعناء نے پانی پیتے ہوئے نفی میں گردن ہلائی۔

''افضل اور سہیل کیسے ہیں؟اور باقی سب؟''رعناء اب پلیٹ میں سے آملیٹ کاٹ کاٹ کر کھا رہی تھیں، جبکہ دوسری طرف بجّو اماں پراٹھے پر دیسی گھی لگا رہی تھیں۔

''ہاں ٹھیک ہیں دونوں، اتنا تو اُنکے بچے تنگ نہیں کرتے جتنا وہ دونوں خود''

''کیوں کیا ہوا؟''رعناء نے مُسکرا کر کہا، کچھ خبریں تو انہیں بھی ملتی رہتی تھیں۔

''ہونا کیا ہے؟ وہ بڑا وا لا افضل، بیوی کو لئے گھومتا رہتا ہے، بے شرم آدمی! بیٹی کے سُسرال والے دروازے پر بیٹھے ہیں اور اُسے حیا ہی نہیں ہے۔''

اِس بار رعناء نے اپنا قہقہہ روکنے کی بالکل بھی کوشش نہیں کی، بجّو اماں نے گھور کر دیکھا۔

''اچھا سوری سوری'' رعناء نے ہاتھ اُٹھا کر بولتے رہنے کا اشارہ کیا اور ہنسی روکنے کے لئے گلاس لبوں سے لگا لیا۔

''میں نہیں اب کچھ بھی بتا رہی، چل مجھے ناشتہ کرنے دے!'' بجّو اماں نے کیمرے کا منہ چھت کی طرف کر دیا، رعناء کی ایک بار پھر ہنسنے کی آواز آئی۔

''اچھا نا امّاں'' رعناء نے منانے کی کوشش کی، ''بتائیں نا آپ کا دوسرا گدھا کیا کرتا پھر رہا ہے۔''

وہ ناراض ہی رہتیں اگر بات سُہیل ''گدھے'' کی نہ ہوتی، یہ حساب تو ابھی باقی تھا۔

''اُس نے میرے جگر کے ٹکڑے اسفند کو پوری فرم کی سربراہی سونپ دی ہے،وہ بیچارہ سارا دن کھاتوں میں سر دیئے بیٹھا رہتا ہے۔''شکایتی انداز میں کہتے،چائے کا گھونٹ بھرا۔

''واہ! یہ تو بڑی اچھی بات۔۔۔۔''

''خاک اچھی بات ہے!''اُنہوں نے بات کاٹ کر،کپ پلیٹ میں پٹخا،

''بھلا بتاؤ، باقی لڑکے فارغ پھر رہے ہیں تو اُس کا کیا قصور ہے؟''

''بجّو اماں فارغ تو نہیں ہیں،عدیل کو ہی دیکھ لیں،اچھی یونیورسٹی میں نوکری ہے،اپنی اکیڈمی چلا رہا ہے۔''

رعناء ناشتہ ختم کر چکی تھیں،لیپ ٹاپ اُٹھا کر ٹی وی لاؤنج میں آ گئیں۔

''ابھی کہاں ہے اسفند؟''

وہ جو باہر سے پودوں کو پانی دیتی اندر آرہی تھی، اسفند کے نام پر رُکی، دھڑکنیں بے ترتیب ہوئیں، اُسی طرح ننگے پاؤں چلتے لاؤنج میں آئی اور تھوڑا دور رُک گئی، جہاں سے وہ رعناء کو نظر نہیں آرہی تھی لیکن اُنکی اور بجّواماں کی آواز صاف آرہی تھی، اتنے دنوں سے وہ بجّواماں کی ہی کال کا تو انتظار کر رہی تھی۔

"چلا گیا ہے باپ کے ساتھ، دو نوالے بھی نہیں اُتارے تھے ابھی حلق سے۔" وہ واقعی فکر مند تھیں۔

"نہ فکر کیا کریں، آفس جا کر کر لے گا ناشتہ۔"

وہ جو دور کھڑی تھی، اِس بات پہ مُسکرا کر سر جھٹکا، ہاتھ پیچھے کمر پر باندھے، ایک پاؤں کو آگے پیچھے جھلاتے، گلابی ہوتے چہرے کے ساتھ مسلسل مُسکرا رہی تھی۔

※ ※ ※

باب نمبر دوم

”تعلقٍ“

کچھ تعلق اَن کہے،اَن جانے سے

کچھ لفظ اَن سُنے ،بیگانے سے

زبان سے کہہ نہیں پاتے،

مُخفی وہ دل سے،رہ نہیں پاتے

وہ لفظ سارے،

کتنے حسین ہوتے ہیں۔

نظر سے دور،

دل کے مکین ہوتے ہیں۔

ہزار ہجرتیں ہوں زندگی میں مگر

محبتوں میں خفا نہیں ہوتے،

کہیں جاتے نہیں وہ۔۔۔!

دل سے جدا نہیں ہوتے۔

وہ کچن میں کھڑی کافی میکر کے بٹن دبا رہی تھی، کافی میکر آن کر کے وہ وہیں شیلف پر بیٹھ گئی اور باہر دیکھنے لگی۔

لان کا سبزہ آنکھوں کو بہت بھلا لگ رہا تھا۔ کچن اِس طریقے سے بنا تھا کہ شلفوں تک آتی دیواریں اور اوپر گلاس والز، سیلینگ بھی آسمانی رنگ کی تھی، کچن کی وہ سائیڈ جو ٹی وی لاؤنج کی طرف تھی وہاں بڑا اسلائیڈینگ ڈور تھا، ایک نظر دیکھنے میں کچن ''اوپن کچن'' کا منظر پیش کرتا تھا۔

اندر آتے ہی سامنے والی گلاسڈ وال سے انیکسی کی طرف جاتی رَوش نظر آتی تھی۔

یہ سب کارنامہ رعناء کا ہی تھا،اُنکا کہنا تھا کہ اگر عورت کچن کو ہی اپنی مرضی سے سیٹ نہ کر سکے تو وہ خاک گھر کی سربراہ ہوئی؟اور بھئی کچن اُنکو ایسا ہی پسند تھا۔

''عُمائمہ!''

اُسکی سوچوں کا تسلسل رعناء کی آواز سے ٹوٹا۔

''یس مام!''

وہیں سے آواز دیتی وہ کچن سے باہر آئی،رعناء ٹی وی لگائے بیٹھی تھیں،عینک سر پر ٹِکائے،ایک ہاتھ میں ٹی وی کا ریموٹ پکڑے۔

''فیصل آباد جانے کا کیا پلان بنانا ہے؟کیا خیال ہے؟''سکرین پر نظریں جمائے ہی کہا۔

''کافی پئینگی؟''مُسکرا کر کہا،گال کا گڑھا اُبھر کر معدوم ہوا۔

''شیور!''اُسکا چہرہ دیکھے بغیر ہی کہا،دیکھ لیتیں تو دل کا چور پکڑ لیتیں۔

وہ واپس کچن میں آئی،کافی کی خوشبو ہر طرف پھیل چکی تھی،اُس نے مُسکراتے ہوئے مگ نکالے اور کافی اُنڈیلی،دونوں مگ ہاتھ میں ہی پکڑے باہر آئی اور رعناء ساتھ بیٹھ گئی،مگ میز پر رکھ دیئے۔

''کتنی بار کہا ہے،ایک سے زیادہ کپ ہوں تو ٹرے میں رکھ لیا کرو۔''رعناء نے ایک مگ اُٹھاتے ہوئے کہا۔

''مام ہم گھر میں ہی ہیں نا،اور آپ کونسا کوئی مہمان ہیں۔''اُس نے منہ بنایا۔

''ہم گھر سے ہی سیکھتے ہیں اور عادتیں خراب ہوں تو مہمانوں کے سامنے بھی ہم سہی نہیں کر سکتے۔''اُنہوں نے بھی اُسی کے انداز میں کہا۔

''اچھا چھوڑو،یہ بتاؤ کب کا پلان بنائیں؟ بجّو اماں کے فون پہ فون آرہے ہیں۔''

"مام میں تو فری ہی ہوں، پیپرز بھی لیٹ ہی ہیں، عائشہ اور جویریہ کو بھی اِس ویک اینڈ فری کر دینگے، سنڈے کو چلے جائینگے۔" اُس نے آنکھوں میں چمک لیے کہا۔

"ہاں ٹھیک ہے، سنڈے کا بتا دیتی ہوں بجّو اماں کو، تمہارے ڈیڈ تو جائینگے نہیں کیونکہ اُنکا شوروم اُنکی دوسری بیوی ہے۔"

رعناء نے ناک سِکوڑ کر کہا، عُمائمہ ہنس دی۔

※ ※ ※

"منّو!"

وہ جو پُرسکون سی پائیپ پکڑے پودوں کو پانی دینے میں مصروف تھی، آواز پر اتنی زور سے اُچھلی کہ پائیپ چھوٹتے چھوٹتے بچا۔

"کیا ہے؟" چِلاّ کر کہا۔

''اُوہو، چیخ کیوں رہی ہو، میں کونسا تمہیں اغواء کر کے لے جا رہا ہوں۔''اسماعیل نے پورے بتیس دانت نکالے۔

''کیا چاہیے ؟''بظاہر پُر سکون ہو کر پوچھا،البتہ دل زور سے دھڑک رہا تھا۔

''اچھا بتا دوں ؟''بھنویں اُچکا کر معنی خیزی سے کہا۔

''میں بجّو اماں کو بتاتی ہوں، تم صبر تو کرو۔''اُس نے پائپ پھینکا اور اندر کی طرف مڑی۔

اسماعیل نے تیزی سے اُسکا بازو پکڑ لیا۔

''کیا بد تمیزی ہے یہ ؟''اب کہ اُس نے غصے سے کہا۔

''بد تمیزی؟لو بھلا یہ بھی کوئی بد تمیزی ہوئی ؟''اسماعیل نے پھر دانت نکالے۔

''چھوڑو میرا بازو!''مناہل نے بازو چھڑاتے ہوئے کہا۔

"چھڑوالو!" کندھے اُچکا کر کہا۔

"چھوڑتے ہو یا اپنے گلے کا استعمال کروں؟" اُس نے ایک ہاتھ کا چھجّہ بنا ی منہ پر رکھا۔

"اچھا اچھا یہ لو" اِس سے پہلے کہ وہ آواز لگاتی، اسماعیل نے فوراً چھوڑ دیا۔

"اب دوبارہ مجھے "منّو" مت کہنا، مناہل عباسی نام ہے میرا!" کہہ کر وہ اندر کی طرف بھاگی۔

"اب تو میں تمہیں "مناہل اسماعیل" کہونگا۔" پیچھے سے سرگوشی کی۔

※※※

"رعناء آرہی ہے!"

بجّو اماں نے رات کے کھانے پر، میز کے گرد بیٹھے سارے خاندان کو اعلانیہ بتایا۔

کچھ چہرے کھل گئے اور کچھ بیچارے سُوج گئے۔

"بچیاں بھی آرہی ہیں؟" آصفہ بیگم نے چمچ سے چاول منہ میں رکھتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں سب آرہے ہیں، ساری چھٹیاں یہیں رہینگے۔''بجّو اماں نے خوشی سے بتایا۔

''اچھا''آصفہ بیگم نے ضبط سے نوالہ نگلا اور چمچ رکھ دیا،اُنکی بھوک اُڑگئی تھی،اور وہ جانتی تھیں اب

ایسا اکثر ہی ہونے والا تھا۔

''پھپھو آرہی ہیں۔''مناہل سے ساتھ بیٹھے اسفند کے کان میں سرگوشی کی۔

''میں نے سُن لیا ہے۔''اسفند نے اُسکی شرارتی ہنسی کو دیکھے بغیر پانی کا گلاس لبوں سے لگایا۔

''بھابھی بھی آرہی ہیں۔''اُس نے بڑے سکون سے کہا اور ایک طرف ہو گئی،اسفند نے پانی کا جو

گھونٹ بھرا تھا وہ اُسکے گلے میں ہی اٹک گیا اور وہ بُری طرح کھانسنے لگا۔یک دَم ہی ساری توجہ اسفند

پر آگئی۔

مناہل''کیا ہوا بھائی؟''کرتی اُسکی کمر تھپکنے لگی،ڈرامے باز!

''اب تو بات بے بات اسفند کو کھانسی لگنے والی ہے۔''سامنے بیٹھی شائستہ تائی نے بھی اپنا حصہ ڈالا۔

اسفند سُرخ ہوتے ہوئے چہرے کے ساتھ، شرمندہ سا کھانسی روکنے کی کوشش کر رہا تھا، ایک نگاہِ غلط مناہل پر ڈالی، وہ اب مزے سے کھانا کھا رہی تھی۔

"بدتمیز!" زیرِ لب بڑبڑایا۔

پھر ایک چور نظر ماں کو دیکھا، وہ کھانا چھوڑ کر کسی گہری سوچ میں تھیں، بجّو اماں کو دیکھا، وہ ہلکا سا مُسکراتے ہوئے سکون سے کھانا کھا رہی تھیں۔

تو کیا وہ اسفند کے دل کا چور پکڑ چکی تھیں؟

کون جانے!

※※※

باب نمبر تین

"محبت"

کیاتم نے دیکھے ہیں

کونپلوں میں چھپے

ننھے ننھے پھول!

جن کی اُمید ساری

سورج کی فقط اِک نرم کِرن

بارش کی نرم بوندیں،

کبھی ہوائیں، سرسراتی ہوئیں

جواُنہیں سکھاتی ہیں، جینا

کبھی طوفانوں سے،

کبھی شیطانوں سے !

ایسے ہی،

دل بھی ہے، پھول جیسا

جو چاہتا ہے،

ذرا سی خوشی،

تھوڑی سی مُسکراہٹ،

جو زندگی کا سامان ہو !

اُس دل کے واسطے

جس کا ایمان ہو

بس زرا سی،

محبت!

''اور بتا یار''فرحان ڈرائیو کرتے ہوئے اسفند کے بائیں طرف بیٹھاوِنڈ سکرین سے باہر جھانکتا ہوا باتیں کر رہا تھا۔

''کیا بتاؤں؟بس آفس میں بزی ہوں آجکل''اسفند نے پرُسکون سے لہجے میں کہا۔

''تؤ بھی کوئی کام وام کر لے،یا پھر فارغ ہی پھرِنا ہے ساری زندگی۔''

''ایک تو یار،اگر ایک دوست کام کرنے لگ ہی گیا ہے تو باقیوں کو کیوں مشورے دینے لگتا ہے؟ نہیں کرنی بھئی،تُو ہی کر،ہم سے نہ ہو پائے گا۔''فرحان نے تقریباًہاتھ جوڑے،اسفند ہنس دیا۔

''مرضی ہے نہ کر''کندھے اُچکائے۔

''لیکن ایک بات بتاؤں؟''چند ثانیے خاموش رہنے کے بعد کہا۔

''لڑکی کوئی بھی نہیں دیگا نوکری کے بغیر۔''

فرحان جو اسفند کے سنجیدہ ہونے پر پوری توجہ سے سُن رہا تھا، قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

''توبہ ہے یار!'' بمشکل ہنسی روکتے کہا،

''اتنا سنجیدہ ہو کر تُو نے اتنی بونگی بات کی ہے۔''

''یہ بونگی بات نہیں ہے، سچائی ہے۔'' وہ ابھی بھی سنجیدہ تھا۔

''یعنی اب ہمیں مان لینا چاہیئے کہ اسفند نے نوکری اس لیے کی ہے تاکہ لڑکی مل جائے، ہے نا؟''

اُس نے ہنستے ہوئے کندھے اُچکائے۔

دوسری طرف اسفند کا تو جیسے سانس ہی رُک گیا۔

''کیا دُنیا والے محبت کرنے والوں کے چور اتنی آسانی سے پکڑ لیتے ہیں؟''

''نہیں میں نے ایسا تو نہیں کہا۔'' بے یقین سی آواز میں کہا۔

''ہاں تُو نے ایسا۔۔۔''

فرحان کی چلتی زبان کو بریک اسفند کا فون بجنے سے لگا،اُس نے بے اختیار شکر ادا کیا اور فون اُٹھایا،

دوسری طرف بجّو اماں تھیں۔

''السلام علیکم بجّو اماں!''مُسکراہٹ خود بخود اُسکے لبوں پر پھیل گئی۔

''وعلیکم السلام میرا بچہ، کہاں ہو؟''

''میں عدیل کو اکیڈمی سے لینے جا رہا ہوں اُسکی گاڑی خراب ہو گئی ہے۔''

''ارے میرا بچہ،اسماعیل پتہ نہیں کہاں نکل گیا ہے اور وہ رعناء بیچاری ائیر پورٹ پر بچیوں کے ساتھ

خوار ہو رہی ہو گی۔''اُنہوں نے فکر مندی سے کہا۔

اسفند کے ماتھے پر بل پڑے، گاڑی کی سپیڈ بڑھائی، دل ہی دل میں اسماعیل کو گالیوں سے نوازا، ''میں کچھ کرتا ہوں'' کہہ کر فون بند کیا اور اگلی کال اسماعیل کو ملائی۔

''کہاں ہو؟'' رابطہ جُڑتے ہی کہا۔

''باہر ہوں، کیوں؟'' اسماعیل کا بے فکر لہجہ سُنائی دیا، اسفند کو اور غصہ آیا۔

''جب تمہیں پتہ ہے کہ پھپھو آرہی ہیں تو اِدھر اُدھر دفع ہونے کا مقصد؟'' جھڑک کر کہا، اسماعیل کی آواز بند ہو گئی۔

''بولو اب! منہ میں زبان نہیں ہے؟'' وہ بھڑک چکا تھا۔

''جی بھائی'' ڈرتے ڈرتے کہا۔

''عدیل بھائی کی اکیڈمی پہنچو جلدی، پانچ منٹ ہیں تمہارے پاس، جاہل آدمی!

"جی بھائی"اُس نے کہا لیکن اسفند پہلے ہی فون بند کر چکا تھا،اسماعیل نے فون کان سے ہٹا کر سکرین کو گھُورا اور بڑ بڑایا۔

"کیا ہو گیا بھئی،اتنا غصہ؟ ٹھنڈا ہو جا"فرحان نے اُسکے بدلتے ہر رنگ کو غور سے دیکھا تھا، لیکن وہ اُسکی بات نہیں سُن رہا تھا،اسفند کے ذہن میں بس ایک ہی جملہ گردش کر رہا تھا:

"رعناء بیچاری بچیوں کے ساتھ ائیر پورٹ پر خوار ہو رہی ہو گی۔"

"مجھے شوروم ڈراپ کر دینا۔"فرحان نے اُسکا موڈ دیکھتے ہوئے کہا۔

"او کے۔"سنجیدگی سے کہا۔

※※※

"عُمائمہ!"ائیر پورٹ ہال سے باہر جاتی عُمائمہ کو عائشہ نے آواز دے کر روکا۔

"کیا ہوا؟"اُس نے وہیں دور سے کہا۔

''کہاں جارہی ہو؟''

''یہیں ہوں'' کہہ کر عُمائمہ ہال سے نکل کر کھلے آسمان تلے آگئی،ایک گہرا سانس لے کر ہوا کو اپنے اندر اُتارا۔

''مام ہمیں کوئی لینے کیوں نہیں آرہا؟'' جویریہ اب تنگ آچکی تھی،وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے وہیں بیٹھے انتظار کر رہے تھے۔

''پہلے کبھی ہمارا خاندان وقت پر آیا ہے،جواب آئے گا؟'' جواب عائشہ نے دیا۔

''اُوہو،آجائینگے ابھی،صبر کرو تھوڑا۔'' رعناء نے تسلی دی۔

عُمائمہ کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے،آنکھیں بند کیے ہر چیز کو محسوس کر رہی تھی،کیا اب وہ واقعی اسفند کے شہر میں تھی؟

ہاں!

"مام ہم خود چلے جاتے ہیں نا" تھوڑی دیر مزید گزرنے کے بعد جویریہ نے آئیڈیا دیا۔

"بیٹے یہ تمہارا کراچی نہیں ہے جہاں جگہ جگہ تمہارے ڈیڈ کی گاڑیاں گھوم رہی ہونگی، صبر کرو۔" کہتے ہوئے اُنہوں نے فون نکالا، فکر تو اب اُہیں بھی ہونے لگی تھی۔

شام ڈھل رہی تھی، دور اُفق پر سورج کی آخری کِرن بھی اندھیرے میں غرق ہوتی نظر آرہی تھی۔

اُس نے اپنے لانگ کوٹ کی جیبوں میں سے ہاتھ نکالے اور دونوں بازو فضا میں پھیلا دیئے، چند گزرتے لوگوں نے مڑ کر دیکھا، وہ مُسکرائی اور ہاتھ دوبارہ واپس ڈال لیئے، ایک گہرا سانس لے کر اسمان کو دیکھا اور پھر آنکھیں موند لیں۔

"چلیں؟" چند لمحوں بعد ایک خوبصورت آواز اُسکے کانوں سے ٹکرائی، ایک جھٹکے سے آنکھیں کھولیں، سامنے کوئی بھی نہیں تھا، وہ مُسکرائی، گال کا گڑھا واضع ہوا، سر جھٹک کر مڑی اور ساکت رہ گئی۔

وہ بالکل اُسکے پیچھے ہی کھڑا تھا، نہ جانے کتنی دیر سے۔

دونوں کی نظریں ملیں، چند لمحے اُسی طرح سرکے، پھر وہ اِک ادا سے مُسکرائی اور نظریں جھکالیں۔

''اسفند بھائی آگ ئے!''جویریہ نے دور سے اسفند کو دیکھ کر نعرہ لگایا۔

سارافسوں ٹوٹا،اسفند گڑبڑا کر مڑا اور مُسکرا کر ہاتھ ہلاتا رعناء کی طرف بڑھ گیا۔

وہ وہیں کھڑی رہی، گلابی ہوتے چہرے کے ساتھ، مسلسل مُسکراتی ہوئی، ایک پیر آگے پیچھے جھلاتے، وہ کسی فیری ٹیل کا مرکزی کردار لگتی تھی، جِسے ساری خوشیاں مل جاتی ہیں۔

※※※

''آفس کیسا جارہاہے، اسفند میاں!''رعناء نے گاڑی میں چھائی خاموشی کو توڑا۔

''بہت اچھا جارہاہے پھپھو''وہ وِنڈ سکرین سے باہر دیکھتا مسلسل مُسکرا رہا تھا۔

''ماشاءاللہ! اللہ پاک سلامت رکھیں''اُنہوں نے اُسکے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''آمین!''عُمائمہ کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے ہی بڑبڑائی۔

''اسفند بھائی آمنہ کیسی ہے؟''جویریہ نے چہک کر پوچھا،اُس سے اب انتظار نہیں ہو رہا تھا کہ کب وہ آمنہ سے ملے۔

''وہ بھی بالکل ٹھیک ہے۔''

''ہاں بس تھوڑا سا صبر کرلو بے صبری لڑکی،اُسی کے پاس جارہی ہو''عائشہ اور اُسکی ہر ایک کی بات کا جواب دینے کی عادت۔

آمنہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

اسفند نے دو تین بار بیک ویو مرر سے عُمائمہ کو دیکھا،وہ مسلسل کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی،وہ جانتا تھا کہ اب وہ ہر چیز کو ایسے ہی اپنے اندر تک اُتارے گی اور پھر جب اُسکی یہ جدوجہد مکمل ہونے والی ہو گی اُس وقت تک پھر واپس جانے کا وقت آجائے گا۔

"بجّو اماں کو کال کر دینی تھی۔" رعناء نے یاد آنے پر کہا۔

"میں نے ٹیکسٹ کر دیا تھا مام!" اُسی طرح باہر دیکھتے کہا۔

※ ※ ※

گیٹ سے اسفند کی سپورٹیج اندر داخل ہوئی تو خوشی کا پہلا نعرہ لگانے والی بجّو اماں ہی تھیں۔

"آگئی میری رعناء!"

وہ باہر لان میں ہی اپنے تخت پر بیٹھی تھیں،گھر کی ساری بتیاں جلادی تھیں،ڈھلتی شام میں بھی دن کا ساسماں تھا۔افضل،سُہیل اور باقی سب سمیت وہ سب باہر ہی انتظار کر رہے تھے کیونکہ اُن سب کے

درمیان ایک ایسا جذبہ تھا جس کے آگے موسموں کی تال بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے اور دل وہی موسم اختیار کر لیتا ہے جو ''محبت'' چاہتی ہے۔

دوسری چیخ عُمائمہ نے مناہل اور ہاجرہ کو دیکھ کر ماری تھی اور پھر اُن لڑکیوں کی چیخوں کا سلسلہ کافی دیر تک جاری رہنا تھا۔

''بھائی ایک بات تو بتائیں، یہ چیخ مار کر ملنا اور پھر الگ ہو کر ہنسنا، یہ کونسا ملنے کا نیا انداز ہے جو ہمیں نہیں آتا؟'' اسماعیل نے عدیل کے قریب سرگوشی کی۔

''چُپ رہو وہ لڑکیاں ہیں اور اِس وقت ایکسائیٹڈ ہیں۔'' عدیل نے اُسے کُہنی ماری۔

''واہ بھئی ہمیں تو کبھی ایسی ایکسائیٹمینٹ نہیں ہوئی، عجیب ہی ہیں۔'' اسماعیل نے جھرجھری سی لیتے ہوئے کندھے اُچکائے، پھر اسفند پر نظر پڑی۔

وہ گاڑی کے ساتھ ٹیک لگائے ترچھا سا کھڑا تھا،ایک پاؤں آگے اور ایک پیچھے گاڑی کے ٹائر پر ٹِکائے، دونوں بازو سینے پر باندھے وہ بڑی دلچسپی سے سارا منظر دیکھ رہا تھا،ہونٹوں پر مُسکراہٹ تھی اور چہرے پر بلا کا سکون۔

اسماعیل کو اپنی تھوڑی دیر پہلے والی عزت افزائی یاد آئی۔

"یہ اسفند بھائی بڑا مُسکرا رہے ہیں۔" اُس نے پھر عدیل کے قریب سرگوشی کی۔

عدیل نے ایک نظر اسفند کو دیکھا اور پھر اسماعیل کو،ماتھے کی تیوریاں بڑھیں۔

"حد میں رہو،اچھا!" گھرک کر بولا، "اُسے پتا چلانا اُسکے بارے میں فضولیات بک رہے ہو،یہیں گاڑھ دیگا،پھر سینکتے رہنا ہڈیاں!"

کہہ کر عدیل مہمانوں کی طرف بڑھ گیا،اسماعیل کا منہ کھلا کا کھلا ہی رہ گیا۔

"مجھے لگتا ہے میں نے صبح اُٹھتے ساتھ ہی شیشہ دیکھ لیا تھا،جو بھی مل رہا ہے،سُنائے ہی جا رہا ہے۔"

اسماعیل نے ٹھوڑی کھُجائی۔

※ ※ ※ ※

رعناء سب سے ملیں، باری باری، پہلے افضل اور شائستہ سے، سہیل اور آصفہ سے اور پھر بچوں سے۔

کچھ گلے، کچھ شکوے، کچھ پُرانے سفر کی باتیں، گلے ملتے ہوئے کانوں میں کیے جانے والے گوشے، کھلکھلاتی مُسکراہٹیں، سرشاری سے گونجتے قہقہے، بجّواماں کا آنگن پھر سے رنگ برنگا ہو گیا تھا، وہ اپنے تخت پر بیٹھیں، اُن سب کو مُسکراتے ہوئے دیکھ رہی تھیں، اُنکی آنکھیں نَم ہونے لگی تھیں۔

"رعناء!" اُنہوں نے سب سے ملتی رعناء کو آواز دی۔

رعناء اُنکے قریب آئیں اور اُن سے لپٹ گئیں، ماں کا لمس، اُنکی خوشبو، اُس میں موجود سکون، خوشی، اطمینان، غرض کیا کمی ہوتی ہے ماں کی گود میں۔

بجّواماں سے آنسو مزید روکے نہیں گ ئے اور انکی آنکھیں چھلک پڑیں۔

''چل اُٹھ اب یہاں سے، خوامخواہ کا میرا ایک کلو خون جلوادیا۔'' روتے ہوئے ہنس کر کہا۔

''ارے اماں، خوشی سے رونے سے خون نہیں جلتا،لوگ جل جاتے ہیں۔'' شائستہ نے مُسکرا کر کہا۔

''چلیں اماں آپ بھی اُٹھیں یہاں سے، ٹھنڈ ہے یار یہاں۔'' رعناء نے اُنہیں سہارا دے کر اُٹھایا۔

کوئی اور وقت ہوتا تو وہ ''یار'' کہنے پر رعناء کی خوب کلاس لیتیں۔

※※※

رات کے کھانے کے بعد رعناء، سُہیل اور افضل بجّواماں کے ساتھ ہی اُنکے کمرے میں چلے گ ئے،

اُنکا کہنا تھا کہ اُن بہن بھائیوں کو بھی اب پرائیویسی چاہیئے، بھئی اب بہن آئی ہے تو اُس سے اپنی اپنی

بیویوں کی شکایتیں بھی تو لگانی تھی نا!

آصفہ اور شائستہ بچیوں کے ساتھ ٹی وی لاؤنج میں ہی بیٹھی تھیں،اسفند اور عدیل اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تھے جبکہ اسماعیل تھوڑی دیر بعد لقمے لگانے آجاتا تھا،اُسکا کہنا تھا کہ اُسکا کمرہ ٹی وی لاؤنج کے سب سے زیادہ قریب ہے اور یہ لڑکیاں چُڑیلوں کی طرح ہنس رہی ہیں اِس لیے وہ سونے سے قاصر ہے۔

آمنہ اور جویریہ کھانا ختم کرتے ہی کمرے میں چلی گئی تھیں،آمنہ نے پچھلے ہفتے ہی دو اینیمیٹڈ موویز اور ایک ویڈیو گیم خریدی تھی،اور اسکی خوشی جویریہ کو زیادہ تھی،تو اب وہ وقت ضائع کیے بغیر انجوائے کرنا چاہتی تھیں۔

"پڑھائی کیسی جا رہی ہے عُمائمہ بچے؟" شائستہ نے پوچھا۔

"ممانی اب تو پڑھائی ختم ہونے والی ہے،بس کچھ عرصے تک لاسٹ سیمیسٹر کے پیپرز ہیں۔"

"واہ ماشاءاللہ اور ایک میرا اسماعیل ہے جِسے صرف بائیکس اکٹھی کرنے کا شوق چڑھا رہتا ہے۔"

''کیا میرے بارے میں بات ہو رہی ہے؟''اُچھلتا ہوا اسماعیل صوفے پر آ کر ڈھیر ہو گیا۔

''ہاں تمہاری شان میں قصیدے پڑھے جا رہے ہیں، عمائمہ کو بتا رہے ہیں کہ تم کتنے جاہل ہو!''

مناہل نے پتہ نہیں کون کون سی بھڑاس نکالی۔

ہاجرہ اور عُمائمہ ہنس پڑیں۔

''ابھی تھوڑا صبر کرو، تمہارے قصیدے عُمائمہ کو سنانے نہیں پڑینگے، وہ خود دیکھ لے گی کہ تم کیا

ہو۔''اسماعیل نے بھی اُسی انداز میں کہا۔

''ہونہہ!''مناہل نے منہ پھیرا۔

اسماعیل نے بھی اُس سے اُونچا''ہونہہ''کیا اور ٹی وی کا ریموٹ اُٹھا لیا۔

''بھئی بیٹھو تم لوگ، میں سونے جا رہی ہوں۔''آصفہ اب بور ہو رہی تھیں۔

''ہاں بھابھی چلیں، میں بھی تھک گئی ہوں۔''شائستہ بھی اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

''سو جانا تم سب ٹائم سے!'' جاتے ہوئے آواز دی۔

اسماعیل نے ٹی وی سے نظریں ہٹا کر اُنہیں دیکھا اور پھر وہ سب ہنس پڑے۔

بھلا جب سب کزنز اکٹھے ہوں تو وہاں سونے کی گنجائیش رہتی ہے؟

※ ※ ※

بجّو اماں کے آنگن مین ایک اور خوبصورت صبح طلوع ہوئی تھی، ایسے میں عُمائمہ کچن میں کھڑی کافی پھینٹتی نظر آ رہی تھی۔

''ناشتہ بن رہا ہے!'' ہاجرہ نے کچن میں لگی عُمائمہ کو دیکھ کر کہا۔

''نہیں ہاجرہ آپی، مام کے لیے کافی بنا رہی ہوں، بیڈ کافی۔'' اُس نے ہنس کر کہا۔

عموماً لوگ بیڈ ٹی لیتے ہیں لیکن رعناء بیڈ کافی لیتی تھیں۔

''یہ بھی ٹھیک ہے۔'' ہاجرہ بھی ہنس دی۔

''اور بتائیں آپ کے رِشتے کی بات کہاں تک پہنچی؟''اُس نے سر گوشی میں کہا،ہاتھ تیزی سے کافی چھینٹ رہے تھے۔

''اچھا! دیکھو تو تم بھی بڑی ہو گئی ہو ہیں۔''ہاجرہ نے چھیڑا۔

''بات مت بدلیں، بتائیں نا!''عُمائمہ بضد تھی۔

''ہو سکتا ہے، رعناء پھپھو کو دِکھا کر ہاں کریں۔''اب کی بار ہاجرہ نے بھی سر گوشی کی۔

''ہیں، سچّی!؟''وہ ایکسائیٹِڈ ہو کر اونچا بولی، ہاجرہ نے آہستہ بولنے کا اشارہ کیا اور اِدھر اُدھر دیکھا، عُمائمہ نے دانتوں تلے زبان جمائی۔

''یعنی سیفی بھائی بھی ہمارے ہوتے ہوئے آئینگے؟''

''ہاں چانسز تو بہت ہیں، بجّو اماں جیسا کہیں۔''ہاجرہ نے مُسکرا کر کہا۔

''اُوئے ہوئے! مسُکراہٹ تو چیک کرو زرا''

''یہ کیا کُھسر پُھسر ہو رہی ہے یہاں؟''اسماعیل نے دروازے میں کھڑے کہا۔

''ہماری پرسنل بات ہے!''عُمائمہ نے کہہ کر رُخ بدلہ۔

''ہاں پتہ ہے جو تمہاری پرسنل بات ہو گی، چُغلی ہو گی کوئی یقیناً۔''اُس نے منہ بنایا۔

''کیا چاہیے تمہیں صبح صبح؟''ہاجرہ نے اُس سے جان چھڑانا چاہی۔

''ہاجرہ آپی دیکھیں، میں تو ہوں ہی فارغ بندہ، نہ کوئی کام اور نہ ہی پڑھائی، گھر ہی پڑا رہتا ہوں۔۔۔''

''اصل بات بتاؤ، یہ سب ہم پہلے سے جانتے ہیں۔''ہاجرہ نے بات کاٹی، عُمائمہ کی کھی کھی کی آواز آئی۔

''اسفند بھائی ناشتہ مانگ رہے ہیں، جناب کو آج اپنے کمرے میں ہی ناشتہ چاہیے کیونکہ اُنکی میٹینگ ہے اور وہ پوائینٹس تیار کر رہے ہیں۔''

اُس نے رٹے رٹائے انداز میں کہا اور واپس مڑ گیا۔

''کوئی عزت ہی نہیں ہے میری اِس گھر میں۔''اُونچی بڑبڑاہٹ۔

وہ جو کافی پھینٹ رہی تھی،ہاتھ رُکے،چہرے پر گلابی مُسکراہٹ آئی۔

''تو اسفند میاں اب آپ کترا بھی رہے ہیں،واؤ یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔''سوچتے ہوئے وہ سُست روی سے چلتی کچن کے چکر لگانے لگی،ہاتھ آہستہ آہستہ چلنے لگے۔

اچانک ایک بھاری وجود سے ٹکرائی،اپنی فیری ٹیل سے باہر آئی،آنکھیں جھپکا کر دیکھا،سامنے رعناء کھڑی تھیں،سارے ہوش ٹھکانے آگ ئے۔

''تمہیں میں نے کافی بنانے بھیجا تھا،تم کیا یہاں پائے بنانے لگ گئی ہو؟''

''وہ۔۔۔میں بنا رہی ہوں۔''اٹکتے ہوئے کہا۔

''جلدی ہاتھ چلاؤ۔''کہہ کر رعناء باہر چلی گئیں،اُس نے گہرا سانس لیا اور ہاجرہ کو دیکھا،وہ مسلسل مُسکرا رہی تھیں،بُرا سا منہ بنا کر کافی بنانے لگی۔

''یہ جو تھوڑی تھوڑی دیر بعد کھو جاتی ہو، ہمیشہ سے ہی ایسی ہو یا پھر یہاں آکر ہو گئی ہو؟'' ہاجرہ نے ایک اور سرگوشی کی۔

''نہیں تو، میں کب کھو جاتی ہوں؟'' وہ خود کو کمپوز کر چکی تھی۔

''للہ! کیسے صاف مکر رہی ہو، ٹھیک ہے بیٹا کر لیتے ہیں تمہارا بھی کچھ'' اُس نے معنی خیزی سے کہا۔

''کیا مطلب؟'' انجان عُمائمہ!

''کچھ نہیں؟ بناؤ کافی، میں ناشتہ بنالوں۔'' مُسکرا کر کہا، مسٹرِی بھری مُسکراہٹ۔

※※※

سُنہری دھوپ ہر طرف پھیلنے سے قاصر تھی کیونکہ اسمان پر موجود چھوٹے چھوٹے بادلوں کے ٹکڑے راستہ روکے کھڑے تھے۔ ایسے میں بجّو اماں سمیت سب ہی لان میں بیٹھے تھے۔ گھر کے کام کی مرد اپنے اپنے کاموں پر جا چکے تھے جبکہ اسماعیل اپنے دوستوں کے ساتھ۔

بجوّاماں کے تخت کے گرد کُرسیاں لگائے، نیچے گھاس پر بیٹھے، وہ سب اپنے ماں باپ کے بچپن پر ہنستے نظر آرہے تھے۔عائشہ اور مناہل نیچے گھاس پر بیٹھیں سامنے لیپ ٹاپ رکھے کھُسر پھُسر کر رہی تھیں،عائشہ اور اسکے ہیکِنگ ٹِرکس۔

آمنہ اور جویریہ اپناڈال ہاؤس پھیلائے بیٹھی تھیں، عُمائمہ اور ہاجرہ، رعناء، آصفہ اور شائستہ کے ساتھ پُرانے قصے سُننے میں مصروف تھیں۔

''مام بتائیں نا بجوّاماں کا نام''بجوّاماں''کیوں پڑا؟''عُمائمہ نے رعناء کے کان میں سرگوشی کی۔

''بھئی سب کے درمیان بیٹھے کانوں میں گوشے نہیں کرتے۔''آصفہ اور اُنکا طنزیہ سالہجہ۔

''ارے گوشے والی کیا بات ہے،امّاں بچیّاں پوچھ رہی ہیں آپکا نام کیا ہے؟''رعناء نے ہنس کر کہا۔

''توبہ توبہ میں نے پال کر اتنا بڑا کیا اور تم لوگوں کو میرا نام ہی نہیں پتا؟''بجوّاماں کو حیرت کا جھٹکا لگا۔

’’نہیں نہیں بجّو اماں، میرا مطلب تھا کہ دیکھیں، آپ میری نانی لگتی ہیں اور اسفند اور باقی سب کی دادی، لیکن ہم سب آپکو بجّو اماں کہتے ہیں، کیوں؟‘‘ عُمائمہ نے اُنکی حیرت دیکھتے ہوئے کہا، منہ سے کب اسفند کا نام نکلا پتہ ہی نہیں چلا، البتہ اِس طرح بلا جھجک نام لینے پر شائستہ اور آصفہ حیران ضرور ہوئی تھیں۔

’’دیکھو جیسے رعناء، افضل اور سُہیل سے بڑی ہے، اُسی طرح میں بھی اپنے بہن بھائیوں میں سب سے بڑی تھی، بھئی ہمارے زمانوں میں تو بڑے بہن بھائی کی بڑی عزت ہوا کرتی تھی، کسی بڑے بہن بھائی نے بات منہ سے نکالنی ہوتی تھی اور ہم حکم سمجھ کے تعمیل کرتے تھے، عزت احترام کرتے تھے، نام سے نہیں پُکارتے تھے، تم سب جیسے تو نہیں تھے کہ بڑے کی کوئی اہمیت ہی نہیں۔۔۔‘‘

بجّو اماں اب اپنے لیکچر موڈ میں آگئی تھیں،

''پتہ ہے آجکل کے زیادہ تر لوگ بے سکون اور ناکام اِسی لیے ہیں کیونکہ وہ اپنے بڑوں کی عزت نہیں کرتے، چاہے وہ بڑے بہین بھائی ہی کیوں نہ ہوں۔۔۔''

''بجّو اماں اصل بات!'' مناہل نے لیپ ٹاپ سے سر اُٹھا کر نعرہ لگایا۔

عُمائمہ ہاجرہ نے بدمزہ ہو کر اُسے گھُورا۔

''سارا ٹیمپو توڑ دیا، بد تمیز!'' آصفہ نے بھی مناہل کو سُنائیں۔

''ہاں تو پھر وہ سب مجھے بجّو کہتے تھے، پھر میرے بچوں نے بھی مجھے اُنکی دیکھا دیکھی ''بجّو'' کہا، پھر کسی نے اُنہیں کہا کہ یہ تمہاری اماں ہیں تو اِس طرح ہوا بجّو اماں۔۔۔''

''ہاں اور پھر تم سے کی بار تم لوگوں کے منہ سے بجّو اماں بہت کیوٹ لگتا تھا تو ہم نے یہی سکھایا۔'' رعناء نے بھی اپنی کارِستانی بتائی۔

وہ سب مُسکرا کر سر ہلانے لگیں۔

"واؤ کتنے مزے کی ہِسٹری ہے نا!" عُمائمہ نے ہاجرہ کے قریب سرگوشی کی۔

عُمائمہ اور اُسکی فینٹسی!

※※※

شام کے قریباً چار بجے گاڑی رُکنے کی آواز آئی تو عُمائمہ جو اپنے کمرے میں بیٹھی مناہل کی دی ہوئی کسی پینٹینگ کو ری ایڈِٹ کر رہی تھی، چونک کر گردن اُٹھائی، سارے برش وہیں رکھے اور بھاگ کر کھڑکی کے پاس آئی۔

گاڑی اسفند کی ہی تھی، لیکن اس کے ساتھ کوئی اور بھی تھا، شاید اُسکا کوئی دوست۔ اُسے آئے ہوئے آج تین دن ہونے کو تھے اور وہ ائیرپورٹ پر ملنے کے بعد اسفند سے ابھی تک بات نہیں کر پائی تھی۔

نیچے دیکھتے ہوئے وہ شرارتی سا مُسکرائی، گال کا گڑھا واضع ہوا، کینوس کے پاس واپس آئی، سارے پینٹ بند کیئے، گندے برش پانی والے کپ میں ڈالے، پیٔنٹینگ کو کور کیا اور بالوں کو دوبارہ کیچر میں جکڑتی کمرے سے باہر آگئی۔

ہال میں آئی تو سامنے مناہل بیٹھی تھی، نظریں بچا کر نکلنے ہی لگی تھی کہ اُس نے آواز دی، بُرا سامنہ بنایا۔

"بچ گئے اسفند میاں!" بڑبڑاتی ہوئی مڑی اور مناہل کے ساتھ ہی آکر بیٹھ گئی۔

"کہاں جا رہی تھیں؟" مناہل نے اُسے نیچے کی طرف جاتے دیکھا تھا۔

"نہیں کہیں نہیں، بھوک لگ رہی تھی۔" نظریں ابھی بھی سیڑھیوں پر ہی جمی تھیں۔

"چائے پیو گی؟ بلکہ نہیں، میں کافی بہت اچھی بناتی ہوں، تم بیٹھو میں بنا کر لاتی ہوں۔" مناہل اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''ہاں چلو دونوں چلتے ہیں!'' وہ بھی چہک کر اُٹھی۔

''آرام سے آرام سے، میں کسے بار یا ریستوران میں کافی پینے کا نہیں کہہ رہی جو تم اتنی ایکسائیٹڈ ہو رہی ہو۔'' عُمائمہ ہنس دی۔

تھوڑی دیر بعد دونوں ہنستی ہوئی سیڑھیاں اُترتی دکھائی دے رہی تھیں۔

''ہیلو لیڈیز!'' اسماعیل جو غالباً ابھی ہی باہر سے آیا تھا، اُنگلی میں چابی گھُماتا، آخری زینے پر آڑھا تِرچھا سا کھڑا ہو گیا، ایسے کہ دونوں کا راستہ بلاک ہو گیا۔

مناہل کے وجود میں نامحسوس سی لرزش ہوئی جبکہ عُمائمہ کو اُس سے شدید کوفت ہوئی۔

''کیسی ہو؟'' اُس نے دونوں سے پوچھا، البتہ نظریں مناہل پر تھیں۔

''ہم ٹھیک ہیں۔'' جواب عُمائمہ نے دیا۔

''آپ کیسی ہیں مناہل؟'' اب کے براہِ راست اُسے مخاطب کیا۔

''میں۔۔۔میں بھی ٹھیک ہوں۔''اٹکتے ہوئے کہا، عُمائمہ حیران ہوئی۔

''اچھا؟لگ تو نہیں رہیں۔''معنی خیزی سے مُسکرایا۔

''ہٹو راستے سے ہمیں جانے دو''عُمائمہ نے تنگ آکر کہا،اُسے اب مناہل پر غصہ آرہا تھا، بھلا قینچی جیسی چلتی زبان کو کب استعمال کرے گی؟

''ارے ابھی کہاں ؟ابھی تو میں نے کچھ کیا ہی نہیں ہے۔''دانت نکال کر کہتے مناہل کو دیکھا۔

عُمائمہ کا تو جیسے دماغ ہی گھوم گیا۔

''یہ کیا طریقہ ہے کھڑے ہونے کا؟''اِس سے پہلے کہ عُمائمہ کچھ سُناتی،ڈرائینگ روم سے نکلتے اسفند نے دور سے کہا۔

اسماعیل کا رنگ سیکینڈ کے ہزارویں حصّے میں اُڑا،ہڑبڑا کر سیدھا ہوا۔

''کیوں کھڑی ہو تم لوگ بھی یہاں راستے میں؟''وہ قدم قدم چلتا آگے آیا۔

''چلو تم نکلو یہاں سے، کوئی کام وام نہیں ہے کیا گھر میں تمہیں؟''اسماعیل کو گھورا۔

وہ''جی بھائی''کرتا زینہ پھلانگ کر اپنے کمرے کی طرف مڑ گیا، مناہل نے سُکھ کا سانس لیا،اسفند اگر اُسکی کہی آخری بات سُن لیتا تو جو ہنگامہ ہونا تھا مناہل کو بس اُسی کا خوف تھا۔

مناہل تیزی سے سیڑھیاں اُترنے لگی، جبکہ عُمائمہ گردن گرائے، مسکراتے ہوئے سُست روی سے سے اُتر رہی تھی،اسفند اب سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔

''بڑا رُعب ہے!''اُس کے قریب سے گزرتے ہوئے سرگوشی کی۔

اسفند نے واضع طور پر سرگوشی سُنی اور کمال مہارت سے نظر انداز کر کے آگے بڑھ گیا۔

※※※

''بجّو اماں! ہاجرہ کے متوقع سُسرال سے فون آرہے ہیں۔''شائستہ بیگم نے رات کے کھانے پر اعلانیہ کہا۔

''ارے واہ شائستہ بیگم! خیال آگیا بیٹی کا؟ میں تو سوچ رہی تھی کہ ابھی اور تھوڑا عرصہ تم دونوں اپنی شادی انجوائے کر لیتے، بچوں کا بعد میں سوچتے۔''

بجّو اماں نے سار بدلے لے لی ہئے، رعناء اور سُہیل اپنے قہقہے روکنے سے قاصر تھے۔

کسی نے ہنسی روکنے کے لیے گلاس منہ سے لگایا تو کسی نے منہ پر ہاتھ رکھا، کوئی جلدی جلدی نوالہ نگلنے لگا تو کسی کا حلق میں پھنستے پھنستے بچا۔ بھئی ایسی سچو ئیشنز میں بچوں کا ہنسنا منع ہے۔

''اماں اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔'' افضل نے اپنا اور اپنی بیوی صاحبہ کا دفاع کیا۔

''چلو اب منہ مت کھُلواؤ اُنکا۔'' رعناء نے ہنستے ہوئے کہا۔

''کیا کہہ رہے تھے؟'' بجّو اماں نے کھانا کھاتے ہوئے کہا۔

''وہ نکاح کی تاریخ پکی کرنے آنا چاہ رہے تھے۔'' افضل نے سنجیدگی سے کہا، ڈائیننگ ٹیبل پر پہلے تو سکتا چھا گیا اور پھر سر گوشیاں، شکر ہے کہ ہاجرہ پانی نہیں پی رہی تھی، البتہ چہرہ سُرخ ہو گیا تھا۔

''بھئی اتنی جلدی کیا ہے؟ ابھی تو اُنہوں نے رشتہ مانگا تھا بس، ہاں بھی نہیں کی تھی ہم نے، ایسے ہی نکاح کرنے آئینگے۔'' بجّو اماں خود بھی حیران تھیں۔

''امّاں اگر پہلے ہاں نہیں کی تو اب کر دینگے، ویسے بھی اب سب یہیں ہیں۔'' آصفہ نے رعناء کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''اچھا یہ سب تو طے ہوتا رہے گا، لڑکی اپنی سے پہلے پوچھا ہے کہ وہ راضی بھی ہے یا نہیں؟'' رعناء کو بس یہی فکر تھی۔

''ہاں بتاؤ ہاجرہ!'' عدیل نے ساتھ بیٹھی ہاجرہ کو کُہنی ماری۔

ہاجرہ نے سُرخ چہرے کے ساتھ سامنے بیٹھی عُمائمہ اور مناہل کو دیکھا، عُمائمہ مُسکرائی اور ایک آنکھ دبائی۔

''اب آیا نہ اُونٹ پہاڑ کے نیچے!'' مناہل نے سرگوشی کی، اُونچی سرگوشی۔

''میں پانی لے کر آتی ہوں۔'' ہاجرہ نے وہاں سے اُٹھ جانے میں ہی عافیت جانی اور سامنے پڑا جگ اُٹھا کر کچن کی طرف بھاگی۔

''ہاجرہ آپی یہ والا جگ تو بھرا ہوا ہی تھا!'' اسماعیل نے پیچھے سے آواز دی، اب کی بار کسی نے بھی اپنی ہنسی روکنے کی کوشش نہیں کی، ہاجرہ نے کچن تک اُنکے قہقہوں کی آوازیں سُنیں۔

''بے شرمو! کیوں تنگ کر رہے ہو بیچاری کو۔'' بجّو اماں نے ہنسی روکتے ہوئے کہا۔

''چلو کھانا کھاؤ چُپ کر کے، بدتمیزو!'' رعناء نے بھی ہنسی کے درمیان کہا۔

''بجّو اماں پھر کیا کرنا ہے؟'' شائستہ فکرمند تھیں، آخر کو ہاجرہ اُنکی اِکلوتی بیٹی تھی۔

''کرنا کیا ہے؟ اگر وہ لوگ آنا چاہ رہے ہیں تو بُلا لو، رعناء بھی دیکھ لے گی سیف کو، پھر دیکھیں گے آگے کیا کرنا ہے۔'' اُنہوں نے مسٔلے کا حل نکالا۔

''کل ہی بلا لوں؟'' شائستہ بیگم اور اُنکی ایکسائیٹمینٹ، آصفہ نے اپنا سر پیٹا۔

''ہاں بُلا لے کل ہی! اور جو ہاجرہ نے آج سوٹ پہنا ہوا ہے نا جس کے سارے موتی اُتر گئے ہیں اُسی میں بھیج دینا اُسکو اُن کے سامنے۔'' بجّو اماں نے منہ بنا کر گھُورا۔

اُن سب کو ایک بار پھر ہنسی روکنے جدوجہد کرنی پڑی۔

''شائستہ تیاری تو کرنی پڑے گی نا۔'' رعناء نے مُسکرا کر کہا۔

''پھر بتائیں نا کیا کروں؟'' وہ بیچاری اب رو ہانسی ہو رہی تھیں، بھلا بچوں کے سامنے کوئی اتنا سُناتا ہے؟

''ایسا کرو کل کا دن دو اِن سب کو یہ اپنی اپنی تیاری کر لیں'' بجّو اماں نے شائستہ کو کہتے ایک تائیدی نظر سب پر ڈالی اور پھر اسفند اور عدیل سے مخاطب ہوئیں،

''عدیل اور اسفند تم دونوں کل ماؤں اور لڑکیوں کو لے جانا بازار، اور اسماعیل گھر پر رہے گا، رعناء تم اسماعیل کو اپنے ساتھ رکھنا۔'' آخر میں اسماعیل کو گھُورا۔

''امّاں میرا کیا قصور ہے جو میں گھر رہوں ؟''اُس نے منہ بسورا۔

''تیرا قصور بھی بتاؤ نگی،ابھی پہلے ہاجرہ کو نمٹالیں۔''کہہ کر وہ کھانے میں مصروف ہو گئیں۔

※ ※ ※

کھانے کے بعد چائے کے لیۓ لڑکیاں شوق سے کچن میں رہیں،ہاجرہ کو تنگ بھی تو کرنا تھااور پھر گھر کے سارے فنکشنز کا ڈِسکشن پوائینٹ کچن ہی تو تھا۔

''ہاجرہ آپی کیسی ہیں؟''مناہل نے معنی خیزی سے کہا،ہاجرہ جو چائے کے برتن کے نیچے کی آنچ کم کر رہی تھی،گہرا سانس لے کر سیدھی ہوئی،کفگیر اُٹھایا اور مناہل کے پیچھے لپکی۔

''چلو مناہل نکلو تم کچن سے!''مناہل کھکھلاتی ہوئی کچن سے باہر آگئی۔

''جاگو بہن!''ہاجرہ نے واپس آکر عُمائمہ کا کندھا ہلایا۔

''ہاں۔۔۔جی!چائے بن گئی؟''ہڑبڑائی ہوئی عُمائمہ۔

''نہ ابھی بھی تم کہو کہ تم کھوئی ہوئی نہیں تھی؟''ہاجرہ اُسے گھور کر چائے کپوں میں اُنڈیلنے لگی۔

''نہیں میں سوچ رہی تھی کہ کونسے کلر کا ڈریس لوں۔''اُسنے بات بدلی۔

''اچھا اتنے انہماک سے تم یہ سوچ رہی تھیں؟ چلو مان لیا۔''مسٹرِی ہنسی۔

''ڈِشز نکالو،ڈرامے باز!''

عُمائمہ ہنس کر کام کرنے لگی۔

تھوڑی دیر بعد وہ سب چائے کے مگ پکڑے اوپر والے ہال میں بیٹھے تھے۔

''لڑکیو، صبح گیارہ بجے ریڈی رہنا!''عدیل نے اعلان کیا،وہ جانتا تھا کہ گیارہ بجے کا کہے گا تو وہ ایک بجے تک نکلیں گی۔

''اُوکے بھائی!''یک زبان ہو کر کہا،حالانکہ وہ خود بھی جانتی تھیں کہ مجال ہے جو لڑکیاں مقررہ وقت پر تیار ہو جائیں۔

''ٹھیک ہے بیٹھو تم لوگ، میں چلا، گُڈ نائیٹ!'' کہہ کر عدیل اپنا کپ اُٹھائے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

''یہ کس کی چائے ہے؟'' عُمائمہ نے ٹیبل پر پڑے مگ کی طرف اشارہ کیا۔

''اسفند کی ہے، جاؤ دے آؤ۔'' ہاجرہ نے فون پر سر گرائے ہی کہا۔

''میں دے کر آؤں؟'' بے یقینی کی حد تھی ویسے۔

''ہاں، کیوں؟'' ہاجرہ نے اچھنبے سے دیکھا۔

''اچھا دے آتی ہوں، کہاں ہیں؟'' کپ اُٹھائے عُمائمہ کھڑی ہو گئی۔

''اپنے کمرے میں یا ٹیرس پر۔'' مناہل نے ٹی وی پر نظریں جمائے ہی کہا۔

''اُوکے۔'' کھوئے ہوئے انداز میں۔

عُمائمہ مڑی تو ہاجرہ نے سر اُٹھا کر پہلے عُمائمہ کو دیکھا اور پھر مناہل کو، دونوں مُسکرائیں، شرارتی مُسکراہٹ۔

عُمائمہ نے دروازے پر دستک دی، ایک بار، دو بار، کوئی رِسپانس نہیں۔

پھر مڑ کر کچھ فاصلے پر بیٹھی ہاجرہ اور مناہل کو دیکھا، دونوں میں سے کوئی بھی اُسکی طرف متوجہ نہیں تھی۔

بُرا سا منہ بنا کر دوبارہ دستک دی، جوب ندارد۔

اُس نے ڈرتے ڈرتے دروازہ کھولا اور ہینڈل چھوڑ دیا، دروازہ کھُلتا چلا گیا، کمرے کی ساری بتیاں جلی ہوئی تھیں، عُمائمہ نے دھڑکتے دل کے ساتھ اندر قدم رکھا، اسفند کی پرفیوم کی خوشبو ہر طرف پھیلی تھی مگر وہ خود کہیں نہیں نظر آرہا تھا۔

عُمائمہ اُسی طرح آگے آئی اور بیڈ سائیڈ ٹیبل پر کپ رکھ دیا۔

پھر مڑ کر واشروم کا دروازہ بجایا، کوئی جواب نہیں۔

اب عُمائمہ کو حیرت ہورہی تھی، کمرے کا ایک طرف کا سلائیڈنگ ڈور جو کہ ٹیرس کی طرف کھُلتا تھا، وہ بھی اندر سے لاکڈ تھا، عمائمہ اُسی طرح چلتی آگے آئی اور آہستہ سے لاک کھول کر باہر آگئی۔

سامنے کُرسی پر اسفند بیٹھا تھا، پاؤں کی قینچی بنا کر سامنے میز پر رکھے، کانوں میں ہینڈ فری لگائے، لیپ ٹاپ گود میں رکھے کسی کام میں مصروف تھا۔

''اوہ تو جناب یہاں ہیں!'' عُمائمہ نے آہستہ آواز میں کہا، عُمائمہ کی طرف اُسکی کمر تھی۔

''یعنی اب اسفند میاں کام اتنا زیادہ اِمپورٹینٹ ہوگیا ہے کہ آپکو چائے ہی بھول گئی، ارے پاگل عُمائمہ!''

اُس نے کہتے کہتے اپنے ہی سر پر چپت رسید کر کے تصیح کی،

''اسفند تمہیں بھول گئے ہیں، چائے تو دور کی بات ہے!'' منہ بنا کر کہا۔

''السلام علیکم۔''عُمائمہ نے کہا، کوئی اثر نہیں۔

''السلام علیکم!''اب اُونچی آواز میں کہا۔

''اُوہو چِلا کیوں رہی ہیں، مجھے آواز آرہی ہے۔''اُسی طرح بیٹھے سکون سے کہا۔

عُمائمہ کا سانس رُک گیا، آنکھیں پوری کھل گئیں۔

''م۔۔۔مطل۔۔۔۔مطلب؟''بمشکل حرف ادا ہوا۔

''مطلب کے جو میری شان میں آپ الفاظ نچھاور کررہی تھیں، وہ سب سُنے میں نے۔'' گردن موڑ کر اُسے دیکھا، دونوں کی نظریں ملیں، عُمائمہ کی ساری ہوا نکل گئی۔

''تو پہلے کیوں نہیں بتایا؟''وہ ابھی بھی بے یقین تھی۔

''کیا بتاتا؟ اوہ سچ!''جیسے کچھ یاد آیا، گردن واپس موڑلی، ''ناراض لوگ خاموشی اختیار کرلینے کا حق رکھتے ہیں۔''کہہ کر مُسکراہٹ دبائی۔

''کیا مطلب؟'' وہ اب گھوم کر اُسکے سامنے آئی۔

''ہاجرہ آپی کو کہیں کہ چائے گرم کر کے خود دے جائیں، میں اُن لوگوں سے بات نہیں کرتا جو اتنی دور سے آئیں اور حال احوال پوچھنا تو دُور کی بات سلام بھی نہ کریں۔''

عُمائمہ پہلے حیران ہوئی، پھر چہرے کا رنگ بدلہ اور پھر اگلے ہی لمحے وہ کھلکھلا کر ہنس دی، اسفند نے اُسے بڑے غور سے دیکھا اور مُسکرا دیا۔

وہ مُسکراتا تھا تو عُمائمہ کا سارا جہاں مُسکرانے لگتا تھا۔

اُس نے منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنی ہنسی روکی اور پھر سامنے والی کُرسی پر بیٹھ گئی، اسفند نے لیپ ٹاپ اُٹھا کر میز پر رکھ دیا اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا، مکمل فُرصت سے۔

''اچھا، السلام علیکم!'' مُسکراہٹ دباتے عُمائمہ نے پھر سے شروع کیا۔

''اچھا مل گئی فُرصت؟'' اسفند نے روٹھی ہوئی بیویوں والی شکل بنائی۔

''السلام علیکم نا!''عُمائمہ نے زور دے کر کہا۔

''وعلیکم السلام!''اسفند نے گہرا سانس لے کر کہا۔

''کیسے ہیں؟''گال کا گڑھا معدوم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

''اللہ کا شکر، اب ٹھیک ہوں۔''اُس نے اب پر زور دیا، عُمائمہ نے نظریں چُرائیں۔

''اب میرا بھی پوچھیں۔''

''اچھا آپ کیسی ہیں؟''اسفند ہلکا سا ہنسا۔

''میں بھی بالکل ٹھیک ہوں۔''معصومیت سے مُسکرائی۔

''اور چائے؟''اسفند کو یاد آیا۔

''اوہ وہ تو میں بھول ہی گئی، ابھی لاتی ہوں۔''عُمائمہ نے ماتھے کو چھوا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اُوکے۔''اسفند نے پھر سے لیپ ٹاپ اُٹھالیا۔

''سُنیں !''پیچھے سے آواز دی، عُمائمہ کی بیٹ مِس ہوئی۔

''جی؟''مڑے بغیر ہی کہا۔

''اگر نیچے ہی جا رہی ہیں تو کافی بنالائیں۔''مُسکراہٹ دباتے ہوئے کہا۔

''شیور۔''

کہہ کر عُمائمہ ٹیرس سے اسفند کے کمرے میں آگئی، کپ اُٹھایا، ہال میں آئی، اب وہاں صرف عائشہ بیٹھی تھی، وہ اپنی ہی فیری ٹیل میں مگن، گردن گرائے، سُست روی سے سیڑھیاں اُترتی مسلسل مُسکرا رہی تھی۔

''کہاں جا رہی ہو؟''عائشہ نے وہیں سے پوچھا۔

''کافی بنانے۔''کھوئے ہوئے لہجے میں کہا۔

''اِس وقت؟''اُس نے گھڑی دیکھی۔

''ہاں!''اُسی طرح سیڑھیاں اُترتے کہا۔

''پاگل!''عائشہ بڑبڑائی۔

※ ※ ※

باب نمبر چار

''وقت''

سنو!

تم میزبان ہو،

ایک ایسے مہمان کے،

جو خوشقسمتی بن کر آتا ہے،

جو چمک بن کر آتا ہے،

جس کے آنے سے

زندگی سنور جاتی ہے،

ہوائیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں،

موسم خوبصورت ہو جاتے ہیں۔

لیکن اگر تم،

اُسکا استقبال نہیں کرو گے،

انتظار نہیں کرو گے

تو وہ منہ پھیر لے گا

اور چلا جائے گا۔

کیونکہ یاد رکھو!

"وقت کبھی بھی،

ایک سا،

نہیں رہتا!"

"کہاں چل دیے میاں صبح صبح؟"

بجّو اماں جو ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی قرآن پاک پڑھ رہی تھیں، سر جھکائے ہی آواز دی۔ وہ جو لاؤنج کے دروازے پر ہاتھ رکھے باہر جانے لگا تھا، شکل بگاڑ کر خود کو سُنائیں اور مڑا۔

"نماز پڑھنے جا رہا ہوں بجّو اماں۔"

''اچھااِشراک کی یاچاشت کی؟''اُنہوں نے قرآن پاک بند کر کے چُوما۔

''اب ایسی بھی بات نہیں ہے۔''اُس نے واپس آجانے میں ہی عافیت سمجھی۔

''ہاں پتہ ہے مجھے جو بات ہے۔''قرآن پاک اسماعیل کو تھمایا،اُس نے عقیدت سے پکڑااور ریک میں رکھ دیا۔

''آاِدھر بیٹھ۔''اُنہوں نے نرمی سے کہا۔

''جی بجّواماں۔''وہ اُنکے پاس بیٹھ گیا۔ساراگھر خاموش پڑا تھا،پردے کھڑکیوں کے آگے تھے، ملگجی روشنیاں پھیلی تھیں،باہر کی دُھند نے ماحول کواور فسوں انگیز بنادیا تھا۔

''دیکھ اسماعیل،''اُنہوں نے سمجھاناشروع کیا،''بھلامیں جانتی نہیں ہوں کہ تیرے اِس دماغ اور اِس دل میں کیاچل رہاہے۔''اُنہوں نے اُسکے سر اور سینے کو ٹھونک کر کہا۔

''ماؤں کو سب پتہ ہوتا ہے کہ اولاد کو کس وقت کیا چاہئے، سُدھر جا میرا بچہ ابھی تو کچھ بھی نہیں بِگڑا۔''

''امّاں؟''اسماعیل نے حیرت سے دیکھا۔

''فلحال جس کے پیچھے تُو بھاگ رہا ہے، وہ کوئی چیز نہیں ہے، وہ جیتی جاگتی انسان ہے، میں جانتی ہوں وہ مناہل ہے۔''اُنہوں نے سکون سے کہا،اسماعیل کے چہرے کا رنگ بدلا۔

''میں نے دیکھا ہے تجھے بدتمیزی کرتے ہوئے، بھلا گھر کی لڑکی کے ساتھ کوئی ایسا کرتا ہے؟اور پھر لڑکی بھی وہ جس سے آپ محبت کرتے ہیں۔''

اُنہوں نے آہستہ سے اُسکا سر اپنے کندھے پر رکھ لیا اور تھپکنے لگیں۔

''لڑکیاں محبت سے زیادہ عزت کی ہوتی ہیں، جیسے ماؤں کے لئے بچے صرف محبت کے ہوتے ہیں نا اُس طرح لڑکیاں عزت کی ہوتی ہیں، اگر اِسی طرح اُس سے بد تمیزی کرتا رہا تو وہ محبت کرنا چھوڑ دیگی۔''

اسماعیل نے چونک کر گردن اُٹھائی۔

''وہ بھی مجھ سے محبت کرتی ہے؟''اب بات اُسے سمجھ آرہی تھی۔

''لو بھلا کوئی کمی ہے میرے بیٹے میں ؟''اُنہوں نے جواباً مُسکرا کر کہا، اسماعیل نے سر دوبارہ اُنکے کندھے پر رکھ دیا۔

''اچھا اب نہیں کرونگا۔''

''یہ ہوئی نا بات، یہ ہاجرہ کی شادی ہو جائے نا پھر کرتے ہیں کچھ۔''

''لیکن بجّو اماں، ہاجرہ آپی کے بعد تو عدیل بھائی ہیں اور پھر اسفند بھائی؟''وہ فکر مند تھا۔

''یعنی سارے حساب کتاب کر کے بیٹھا ہوا ہے، پھر بھی بے غیرتی سے باز نہیں آتا، ہیں؟'' اسماعیل ہنس دیا۔

※ ※ ※

تقریباً نو بجے ساری سوئی ہوئی شکلیں نمودار ہونا شروع ہو گئیں، عجیب و غریب حُلیے لیئے وہ سب نیچے ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے کسی گہری سوچ میں تھے۔

کسی گیدرینگ میں جانے سے پہلے والی گہری سوچ۔

''ہاں تو پھر بتاؤ، کون کون سے کلرز لینے ہیں؟'' آصفہ بیگم کچن سے نکل کر اُن کے پاس ہی آ گئیں۔

''ممانی میں اور آمنہ سیم کلرز لینگے!'' جویریہ چہکی۔

''ماما میں بھی وہیں جا کر دیکھ لونگا، ورنہ گھر سے ہی کچھ پہن لونگا۔'' اسفند کا سنجیدہ سا لہجہ۔

''میں اور مناہل بھی وہیں جا کر دیکھ لینگے۔'' عُمائمہ نے بول کر غلطی کی۔

اسفند سمیت سب نے ہی چونک کر دیکھا، کیا آواز عُمائمہ کی ہی تھی؟

''گئی بھینس پانی میں!'' عائشہ نے اپنا سر پیٹا۔

پہلے حیرت اور پھر ہنسی کا طوفان بیک وقت اُبھرا۔

''اللہُ اکبر! عُمائمہ یہ تمہاری آواز کو کیا ہو گیا ہے؟'' ہاجرہ نے بمشکل اپنی ہنسی روکی۔

''یہ۔۔۔''اِس سے پہلے وہ کچھ اور کہتی، عائشہ نے بات کاٹی۔

''بھئی عُمائمہ کی آواز سو کے اُٹھنے کے تقریباً آدھے گھنٹے تک ایسی مردانہ ہی رہتی ہے، اور جب اِس کا گلا خراب ہو جاتا ہے تو یہ پورا پورا دن ایسے ہی رہتی ہے۔''

اُس کی بات ختم ہونے کی دیر تھی کہ وہ سب ایک بار پھر ہنس پڑے، اسفند کو تو یقین ہی نہیں آرہا تھا البتہ ہنسی اُسکی بھی نہیں رُک رہی تھی۔

''یہ کیا تم لوگ صبح صبح شیطانوں کی طرح منہ کھول کھول کر ہنس رہے ہو۔''رعناء جو بجّو اماں کو سہارا دے کر باہر لا رہی تھیں،دور سے آواز دی۔

''کچھ نہیں پھپھو،آپ آئیں''اسفند نے اُنکے قریب آنے پر صوفے پر جگہ دی۔

''جیتا رہ میرا بچہ۔''بجّو اماں نے اُسکے سر کی بلائیں لیں۔

''چلو اُٹھ جاؤ اب،جانا نہیں ہے تم لوگوں نے؟''رعناء نے اُنہیں سکون سے بیٹھے دیکھا تو کہا۔

''ہاں جی اُٹھ رہے ہیں۔''سب سے آگے ہاجرہ تھی۔

※※※

گاڑی کے ساتھ ٹیک لگائے،گیلے بال ماتھے پر گرائے،سفید شرٹ اور کالی پینٹ میں ملبوس،تیار سا اسفند گردن فون پر گرائے اُن سب کا انتظار کر رہا تھا۔

ہیلز کی ٹِک ٹِک پر گردن اُٹھا کر دیکھا، سامنے سے آنے والی رعناء تھیں، تھوڑا سا گڑ بڑا یا اور سیدھا ہو کر کھڑا ہو گیا۔

"آپ اِن سب عورتوں میں پہلی ہیں جو وقت پر موجود ہیں۔" مُسکرا کر کہا۔

"یہاں آؤ!" رعناء نے رازدارانہ طریقے سے بُلایا۔

"""تم نے اُن سب کے سامنے اُنہیں "عورتیں" کہا تو سوچ لو وہ کتنی ہیں اور تم بیچارے اکیلے۔" اُس کے کان کے قریب سرگوشی کی جس پر دونوں ہی ہنس دی ئے۔

"لیکن آپ تو ہمارے ساتھ جا ہی نہیں رہی تھیں۔" اسفند کو یاد آیا۔

"کیوں بھئی میں کیوں نہیں جا رہی، مجھے بھی تو اپنی ہاجرہ کے لی ئے کچھ لینا ہے۔"

"اچھا عدیل کے ساتھ جائینگی یا میرے ساتھ؟ یا ایسا کریں اسماعیل کی ساتھ چلی جائیں۔" کیا زبردست حل پیش کیا تھا۔

رعناء نے اُسے تفتیشی انداز میں گھُورا، آنکھیں چھوٹی کر کے۔

''تم نے کیا ہماری لڑکیوں کو اغواء کر کے لے جانا ہے جو مجھے اُسکے ساتھ بھیج رہے ہو؟''

''دیکھ لیں، میں نے تو ایسا کچھ بھی نہیں کہا، آپ خود ہی آئیڈیاز دے رہی ہیں۔'' اسفند نے کندھے اُچکائے اور مُسکرایا، شرارتی مُسکراہٹ۔

''ٹھہر جاؤ زرا اسفند میاں، تمہاری ماں کو بتاتی ہوں، بھئی بیٹا اب اسماعیل کے رنگ میں رنگ رہا ہے۔''

''توبہ توبہ، اللہ نہ کرے۔'' اُس نے ہنستے ہوئے کانوں کو چھوا۔

''جاؤ بھئی میں اسماعیل کے ساتھ ہی جا رہی ہوں، آصفہ بھی ساتھ ہی ہے، کھانے پینے کی بھی کچھ چیزیں لینی ہیں، آ ہی رہے ہونگے وہ لوگ بھی۔''

اُنہوں نے اُسکا کندھا تھپکا۔

بارہ بجے کے قریب خدا خدا کر کے عدیل اور شائستہ اُن لڑکیوں کو گاڑیوں میں بٹھانے میں کامیاب ہو ہی گئے۔

آصفہ، رعناء اور اسماعیل صبح ہی چلے گئے تھے۔

"چلے گئے سب؟"

شائستہ اندر آئیں تو بجّو اماں نے پوچھا۔

"جی بجّو اماں چلے گئے۔" وہ صوفے پر ہی ڈھیر ہو گئیں۔

"آیۃ الکرسی پڑھی؟"

"جی امّاں پڑھی تھی۔" اُنہوں نے یقین دلایا۔

"اُن سب کو یاد کرائی؟" اُنہیں ابھی سے ہی فکر ہو رہی تھی۔

''امّاں اُن سب نے بھی پڑھ لی تھی،نہ پریشان ہوں۔''

''شائستہ ساری لڑکیوں کو اکھٹے نہیں بھیجنا چاہیے تھا،تم بھی چلی جاتیں اُنکے ساتھ،عدیل اور اسفند کونسا اتنے سمجھدار ہیں،بس قد کاٹھ کے ہی ہیں۔''

وہ مطمئعن نہیں ہورہی تھیں۔

''اماں میں بھی چلی جاتی تو آپکے پاس کون رہتا،اور پھر گھر پر بھی تو کام ہیں نا،فکر نہ کریں رعناء اور آصفہ اُنکے ساتھ ہی واپس آئینگی۔''

''اللہ سب کی حفاظت کریں!''اُنکا دل ناجانے کیوں نہیں مان رہا تھا۔

''آمین!''

※※※

عدیل اور اسفند کی گاڑیاں سڑک پر آگے پیچھے ہی تھیں،کبھی عدیل آگے تو کبھی اسفند۔

ہاجرہ، عُمائمہ اور مناہل، اسفند کے ساتھ تھیں جبکہ عائشہ، آمنہ اور جویریہ، عدیل کے ساتھ۔

اُنکا کہنا تھا کہ عدیل ہمیں ہماری مرضی کی چیزیں لینے دیگا، البتہ اسفند ہر چیز میں پرفیکشن ہی ڈھونڈتا رہے گا اور ہم خالی ہاتھ ہی گھر واپس جائیگے، اور یہاں اِن لڑکیوں کا کہنا تھا کہ ہم خود ہی دیکھ لینگی اسفند کو بھی، بڑا آیا!

تھوڑی ہی دیر بعد وہ لوگ مال کی پارکنگ میں گاڑیوں سے اُتر رہے تھے۔

''انسان ہی رہنا!'' اسفند نے مناہل کی ایکسائیٹمینٹ دیکھ کر اُسے کہا۔

ہاجرہ اور عُمائمہ ہنس دیں، مناہل نے منہ بسور کر اسفند کو دیکھا۔

''چلیں پھر؟'' عدیل بھی گاڑی سے اُتر کر اُنکے پاس آگیا۔

''ہاں جی چلیں، لیکن عدیل بھائی اپنے اپنے بندوں کا خیال آپ نے خود رکھنا ہے۔'' ہاجرہ نے آمنہ اور جویریہ کی طرف اشارہ کیا جو ہاتھ پکڑے، باتیں کرتی، پارکنگ لاٹ سے باہر نکل رہی تھیں۔

''یامیرے اللہ! یہ کیا چیزیں ہیں!'' عدیل نے اُنہیں بے بسی سے دیکھا اور پھر اُنہیں آوازیں دیتا تقریباً بھاگا۔

''سی یو!'' عائشہ نے بھی اُنکے پیچھے دوڑ لگائی۔

''فائدے میں رہے ہیں آپ!'' عُمائمہ نے اسفند کے قریب سرگوشی کی۔

''ہاجرہ آپی چلیں ہم بھی؟'' اُس نے عادتاً اُسکی سرگوشی نظرانداز کی۔

عُمائمہ مُسکرادی۔

تقریباً تین چار گھنٹے کی تگ ودو کے بعد اُن سب نے مال کے کیفے میں اکٹھے ہونے کا پلان بنایا۔

لڑکیاں تو کُرسیوں کی طرف ایسے لپکیں جیسے مال کی صفائی کر رہی تھیں، پیسے سے نہیں۔۔۔ جھاڑو سے!

عدیل نے اُن سب کے لئے جوس منگوائے اور پھر مینیو اُنکے آگے رکھے۔

"ماما اور پھپھو آ گئی ہیں، پوچھ رہی ہیں کہ ہم کہاں ہیں۔" مناہل نے فون سے رعناء کے میسجز پڑھ کر سُنائے۔

"میں اسماعیل کو بتا دیتا ہوں۔" اسفند فون پر کال ملاتے ہوئے کھڑا ہوا۔

"میں لے آؤں اُنکو؟" مناہل بھی کھڑی ہو گئی۔"

"No!"

یک لفظی جواب دیا اور واپس بیٹھنے کا اِشارہ کیا، لیکن وہ بھی اسفند کی ہی بہن تھی۔

"میں لے کر آتی ہوں!" کہہ کر اُس نے سامنے پڑا اپنا جوس کا گلاس اُٹھایا اور کیفے سے باہر کو بھاگی۔

"مناہل!" ہاجرہ اور عُمائمہ سمیت وہ سب آوازیں ہی دیتے رہ گئے۔

تیز تیز چلتی وہ تقریباً بھاگتے ہوئے مال سے باہر کی طرف جا رہی تھی، وہ ابھی ایگزِٹ کے پاس ہی پہنچی تھی کہ سامنے سے آنے والے ایک لڑکے سے ٹکرائی۔

پہلے تو وہ خود لڑ کھڑائی اور پھر اُسکے ہاتھ میں پکڑا جوس چھلک کر اُس ذی نفس کے اوپر جا گرا۔

وہ جو کسی نواب کی بگڑی ہوئی اولاد لگتا تھا، اپنے ساتھ چار، پانچ لڑکوں کا ٹولہ لی ئے، ہاتھ میں چابیاں اور مہنگے فون پکڑے، دو تین سیکینڈ کے توقف سے اُسے دیکھتا رہا۔

پہلے اُسکے منہ کے زاویے بدلے اور پھر اُس نے گردن موڑ کر اپنی شرٹ دیکھی، سفید گول گلے والی شرٹ پر ایپل جوس کے چند قطرے۔

"اندھی ہو تم!" کرخت سی آواز میں چِلا کر کہا اور دو انگلیوں سے مناہل کے کندھے کو پیچھے دھکیلا۔

مناہل کو اُسکے کہے الفاظ تو بھول گی ئے لیکن اُسکی حرکت یاد رہ گئی، گردن جھکائی، ضبط سے سانس اندر کھینچی اور پھر ایک نظر اُٹھا کر اُس بگڑے نواب کو دیکھا، نفرت انگیز نظر۔

پھر اُسی کی انداز میں گردن موڑی اور اپنے کندھے کی طرف دیکھا، جہاں اُس نے ہاتھ لگایا تھا، اُسکی اتنی جرأت؟

دور پارکنگ لاٹ میں گاڑی سے اُترتی رعناء کی نظر اندر والے منظر پر پڑی۔

''وہ ہماری مناہل ہے نا؟''اُنہوں نے آنکھیں چھوٹی کر کے غور سے دیکھا۔

مناہل کے نام پر آصفہ بیگم نے چونک کر گردن موڑی،سامنے والا منظر کسی بھی بیٹی کی ماں کے لیئے خوفناک تھا،اتنے سارے مجمعے میں اکیلی کھڑی لڑکی۔

''ہاں ہماری مناہل ہی ہے لیکن یہاں ہو کیا رہا ہے؟''اُن کے چہرے پہ سائے سے لہرائے۔

''اسماعیل!اسماعیل!''رعناء نے فون پر بات کرتے اسماعیل کا کندھا جھنجوڑا۔

''جی پھپھو؟''فون کان کو ہی لگائے مڑا،رعناء کا چہرہ دیکھا،اُسے کچھ کھٹکا،پھر اُنکی نظروں کی تعاقب میں دیکھا،جو منظر اُس نے دیکھا تھوڑی دیر کے لیئے یقین کرنا مشکل ہوا،اگلے ہی لمحے اُس نے فون جیب میں اڑسا اور مناہل کی طرف بھاگا۔

مناہل نے ایک نظر اُسے دیکھا اور ایک نظر سارے مجمے کو، اور پھر اُس نے ہاتھ میں پکڑا جوس اُس کے منہ پر دے مارا، اب کی بار حیرت کے مارے اُس وجود میں تو کوئی حرکت نہیں ہوئی لیکن اُس کے گرد کھڑے دوست مناہل پر جھپٹے۔

اِس سے پہلے کہ اُن میں سے کوئی مناہل کا بازو پکڑتا، اسماعیل تیزی سے اُن سب کو دھکیلتا اُس کے آگے کھڑا ہو گیا۔

معاملہ اب بگڑ چکا تھا۔

کسی نے مال کی سیکیورٹی کو بلایا تو کوئی کھڑا تماشہ دیکھتا رہا، گارڈز اُن بگڑے ہوئے لڑکوں کو سنبھال رہے تھے اور اسماعیل مناہل کا ہاتھ پکڑے مال سے باہر لے گیا۔

وہ بار بار گردن موڑ کر پیچھے دیکھ رہی تھی، وہ لڑکے اب اردو اور انگریزی میں ہر قسم کی گالیاں دیتے بدلہ لینے کے وعدے کر رہے تھے۔

''سیدھا دیکھو مناہل!''اُس نے سنجیدگی سے کہا تو وہ آگے مڑی۔

مناہل کو آتا دیکھ کر آصفہ اور رعناء بھی اُسکی طرف بڑھیں۔

''کیا کر رہی تھی تم؟''اُنہوں نے اُسکا بازو پکڑ کہ سختی سے جھنجھوڑا،

''بھائی کہاں ہے تمہارا۔''اُنہیں اسفند پر حیرانگی تھی۔

''آصفہ چھوڑو اُسے، مناہل بچے گاڑی میں بیٹھو جا کر۔''رعناء نے اُسکا بازو چھڑوایا۔

مناہل چُپ چاپ گاڑی میں بیٹھ گئی۔

''اسفند بھائی سب کر لے کر نیچے ہی آجائیں یہاں ایک مسئلہ ہو گیا ہے۔''اسماعیل نے اسفند کو کال ملائی۔

''کیا ہوا؟''وہ جو مینیو کارڈ سے کھانا آرڈر کر رہا تھا، چونکا۔ پھر جیسے کوئی خیال آیا، چہرے کا رنگ اُڑا، کُرسی سی اُٹھ کھڑا ہوا۔

''مناہل ملی تم لوگوں کو؟''سیکینڈ کے ہزارویں حصے میں اُسے مناہل یاد آئی۔

''ہاں مل گئی ہے، یہیں ہے، بس آپ سب آجائیں۔''گہرا سانس لے کر کہا اور فون بند کر دیا۔

''سب ٹھیک ہے؟''عدیل نے اُسکا اُڑا ہوا رنگ دیکھ کر کہا، ہاجرہ اور عُمائمہ بھی متوجہ ہوئیں۔

''نہیں کوئی مسئلہ ہوا ہے شاید، اسماعیل کہہ رہا ہے سب کو لی کر آجاؤں، چلو اُٹھو۔''عدیل کو کہتے باقیوں کو بھی اُٹھنے کا کہا، ٹیبل سے اپنا والٹ اور چابیاں اُٹھانے لگا۔

اگلے چند ہی منٹوں میں وہ سب پارکنگ لاٹ میں موجود تھے۔

''کیا ہوا؟''عدیل نے اسماعیل سے پوچھا،

اسفند بھی تیزی سے آگے آیا۔

''مناہل کہاں ہے؟''

''مناہل میری گاڑی میں ہے، ٹھیک ہے، اُسکا جھگڑا ہوا تھا شاید کوئی۔''اُس نے سنجیدگی سے کہا۔

''میرے بچو یہاں کھڑے رہنا ٹھیک نہیں ہے، اسفند گاڑیوں میں بٹھاؤ سب کو۔''رعناء نے فکر مندی سے کہا۔

''ٹھیک ہے پھپھو، لیکن ہوا کیا ہے؟''وہ اب صحیح معنوں میں پریشان ہو رہا تھا۔

''مام بتائیں نا۔''عائشہ سے بھی صبر نہیں ہو رہا تھا البتہ عُمائمہ اور ہاجرہ مناہل کی طرف ہی گئی تھیں۔

وہ بس چُپ چاپ بیٹھی سب کچھ دیکھ رہی تھی، اُسکے زہن میں اُن لڑکوں کی گالیاں اور دھمکیاں ہی گردش کر رہی تھیں، اُسکا اِس طرح چُپ ہونا بھی اُن سب کے لیے پریشان کن تھا۔

''گھر چلو پہلے، ابھی مجھے بھی نہیں پتہ کہ کیا ہوا ہے۔''رعناء نے اُنہیں گاڑی میں بیٹھنے کا کہا۔

''کہاں تھے تم اسفند؟ بہن اتنے لفنگوں میں اکیلی کھڑی تھی، اسماعیل نہ آتا تو کیا ہوتا میری مناہل کا۔''وہ اب رونے کے قریب تھیں۔

''ماما کچھ نہیں ہوا، اور میں تو اُسے منع بھی کر رہا تھا، گھر چلیں پہلے، پھر بات کرینگے۔''اُس نے اُنہیں کندھوں سے پکڑ کر گاڑی میں بٹھایا۔

اب آصفہ، عائشہ، آمنہ اور جویریہ اسفند کے ساتھ تھیں، مناہل اور ہاجرہ اسماعیل کے ساتھ اور رعناء اور عُمائمہ عدیل کے ساتھ۔ وہ اب تیزی سے گاڑیاں دوڑا رہے تھے کہ کہیں وہ لڑکے اُنکا پیچھا نہ کریں۔ جو منظر اسماعیل نے دیکھا تھا وہ تو اُس نے بتا دیا تھا، لیکن اب اصل بات کیا تھی؟ یہ مناہل ہی بتا سکتی تھی۔

''کچھ بتایا مناہل نے؟''عدیل نے پیچھے بیٹھی عُمائمہ سے پوچھا۔

''نہیں عدیل بھائی، وہ ڈری ہوئی ہے شاید، چُپ ہے۔''عُمائمہ نے فکر مندی سے کہا۔

''اُس نے اُس وقت مسئلے کو کوئیک رِسپانس اپنی سمجھ کے مطابق دیا ہے، لیکن اب احساس ہو رہا ہوگا کہ وہ کتنی بڑی مصیبت میں پھنستی پھنستی بچی ہے۔''رعناء نے پہلو بدلہ۔

''جی پھپھو۔''عدیل نے باہر دیکھتے ہی کہا۔

''عُمائمہ اُن سب کو ٹیکسٹ کر دو بجّو اماں کو کچھ نہ بتائیں۔''

''جی مام۔''

※※※

وہ گھر پہنچے تو شام کے سائے پوری تگ دو کے ساتھ پھیلتے نظر آرہے تھے۔وہ سب جانتے تھے کہ اُنہیں بجّو اماں کو کچھ نہیں بتانا لیکن اُنکے چہروں کے رنگ ساری داستان خود سُنا رہے تھے۔

اندر آتے ہی سب نے ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی بجّو اماں کو سلام کیا اور اپنے اپنے کمروں کی طرف جانے لگے۔

''ارے بھئی کہاں جا رہے ہو تم سب؟''اُنہوں نے اُنہیں سیڑھیاں چڑھتے دیکھا تو کہا،

''میں صبح سے پریشان ہوں، تم سب کی راہ دیکھ رہی ہوں اور تم سب منہ پھیر کر جا رہے ہو۔''

"امّاں وہ سب تھک گ ئے ہیں، جانے دیں اُنہیں میں یہیں ہوں نا آپکے پاس۔" رعناء نے سامان وہیں صوفے پر رکھا اور اُنکے ساتھ ہی آکر بیٹھ گئیں، آصفہ اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

"آصفہ نے کوئی بات کی ہے کیا؟" بجّو اماں نے سرگوشی میں پوچھا، کوئی مسئلہ تھا یہ تو اُنہیں اندازہ ہو ہی گیا تھا۔

"ارے نہیں اماں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" رعناء نے انکا ہاتھ تھام لیا، اِنہیں ہاتھوں سے وہ آج تک اپنا باغ سینچتی آئی تھیں۔

رعناء نے اُنکی بات تو ٹال دی لیکن وہ یہ بات بھول گئیں کہ اولاد جیسے باغ کو سینچتے ہوئے، ماں جیسا مالی اپنے ہر پھول کے ہر رنگ اور ہر خوشبو کو اچھی طرح جانتا اور پہچانتا ہے۔

بجّو اماں کے سونے کے بعد آصفہ اپنے کمرے سے نکلیں اور کچن میں لگی ہاجرہ کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"ہاجرہ!"

"جی تائی جان؟"بُجھے بُجھے سے انداز میں کہا۔

"میرا بچہ میں جانتی ہوں کل تمہارا اہم دن ہے۔"اُنہوں نے اُسکا سر دھوتا ہاتھ تھاما،

"میں یہ ہر گز نہیں چاہوں گی کہ کل کچھ بھی خراب ہو، پھر چاہے وہ سب کے موڈ ہی کیوں نہ

ہوں"ہاتھ تھپک کر نرمی سے چھوڑ دیا۔

"تم آرام کرو جا کر، میں اِن سب کو دیکھتی ہوں۔"مُسکرا کر یقین دہانی کروائی، وہ اثبات میں سر ہلاتی

اپنے کمرے کی طرف جانے لگی۔

اُنہوں نے ایک گہرا سانس لے کر اُسے جاتا دیکھا اور پھر اوپر ہال کی طرف قدم بڑھا دی ئے۔

ہال میں آکر وہاں بیٹھے عُمائمہ، عائشہ اور اسماعیل پر خاموش نگاہ ڈالی اور مناہل کے کمرے کی طرف

گئیں۔اُن سب نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ اور مناہل کمرے سے باہر آئیں، آصفہ وہیں صوفے پر بیٹھ گئیں البتہ مناہل کھڑی رہی، ناک اور آنکھیں سُرخ ہو رہی تھیں، وہ یقیناً رو رہی تھی۔

"جاؤ عدیل کو بلا کر لاؤ نیچے سے!" اُکھڑے سے لہجے میں مناہل کو کہا۔

عائشہ اپنی جگہ سے اُٹھنے ہی لگی تھی جب عُمائمہ نے اُسکا بازو پکڑ کر بٹھایا۔

"اُنہوں نے مناہل کو کہا ہے، بیٹھی رہو!" سختی سے کہا تو وہ منہ بنا کر بیٹھ گئی۔

"اسماعیل! اسفند کو بلاؤ۔" اب کے تھوڑی نرمی سے کہا، وہ سر ہلاتا اُٹھ کر اسفند کے کمرے کی طرف گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں بھی خاموش تماشائی بنے وہیں بیٹھے آصفہ کی خاموشی ٹوٹنے کا انتظار کر رہے تھے۔

"مجھے اسٹریس ہو رہا ہے اب!" عائشہ نے عُمائمہ کے پاس سرگوشی کی۔

''مجھے بھی!''اُس نے بھی اُسی طرح کہا۔

''ہم سب جانتے ہیں کل ہاجرہ کا اہم دن ہے۔'' بالآخر اُنہوں نے کہا۔

''مناہل کا معاملہ ہم اب ڈسکس نہیں کرینگے۔۔۔''

''لیکن ماما۔۔۔''اسفند نے بات کاٹی لیکن آصفہ نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے روک دیا،

''میں نے کہا ہے نا کہ ہم اب اِس معاملے کو ڈسکس نہیں کرینگے، یا اگر زیادہ ہی کوئی اہم معاملہ ہے تو بعد میں دیکھیں گے، فلحال تم سب اپنے اپنے منہ سیدھے کرو، موڈ ٹھیک کرو اور جا کر آرام کرو، صبح یہ سڑی ہوئی شکلیں مجھے نظر نہ آئیں۔''مکمل سنجیدگی سے کہہ کر وہ اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

''رات بہت ہو گئی ہے، سو جاؤ اب سب، اُٹھو!''

وہ سب بھی اُٹھ کر اپنے اپنے کمروں کی طرف بڑھ گئے، وہ جانتی تھیں کہ کوئی بھی مطمعئن نہیں ہوا تھا لیکن اب وہ ایک بیٹی کی وجہ سے دوسری بیٹی کا دن ہر گز خراب نہیں کرنا چاہتی تھیں۔

''مجھے بھوک لگی تھی یار!'' عُمائمہ نے چلتے ہوئے سر گوشی کی، اسماعیل اور عائشہ نے بیک وقت ایک جیسی نگاہوں سے دیکھا، اچھنبے سے! حیرت سے!

''اچھا اچھا نہیں کھاتی، ایسے گھُورو تو مت!'' کہہ کر وہ تیز تیز چلتی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

''عجیب!'' عائشہ بڑبڑائی۔

※ ※ ※

صبح وہ سب ہی جلدی اُٹھ گئے تھے، یقیناً نیند کسی کو آئی ہی نہیں تھی۔

وہ سب ہشاش بشاش، اُسی طرح ہنستے، قہقہے لگاتے نظر آ رہے تھے۔

اُن سب کو ایسے دیکھ کر جہاں ہاجرہ حیران تھی وہیں آصفہ اور رعناء بھی اُن پر رشک کر رہی تھیں، بلاشبہ للہ نے اُنہیں اچھی اولاد سے نوازا تھا اور اگر اولاد اچھی اور فرمانبردار ہو تو انسان اپنی آدھی تکلیفیں بھول جاتا ہے۔

''آپ آج کچن میں کیوں نہیں نظر آرہیں؟''مناہل نے چہک کر ہاجرہ کو مخاطب کیا،رات والے تاثرات کہیں بھی نہیں تھے۔

''بھئی تمہیں کیا مسئلہ ہے،ہیں؟اُنکو ریسٹ کرنے دو۔''عُمائمہ نے ہاجرہ کے ہاتھ سے ریموٹ لے لیا اور ساتھ ہی صوفے پر بیٹھ گئی۔

''کیوں؟یہ آج ہی دُلہن بننے لگی ہیں کیا؟''مناہل ہاجرہ کے دوسری طرف بیٹھی اور ایک آنکھ دبائی۔

''مناہل وہ دُلہن بننے کی پہلی سٹیج پر تو جانے والی ہیں نا!''ہاجرہ کے سُرخ ہوتے چہرے کو نظرانداز کر کے وہ دونوں اُونچی آواز میں بظاہر ''سرگوشیاں''کررہی تھیں۔

''پھپھو بلا رہی تھیں مجھے!''ہاجرہ اُٹھنے ہی لگی تھی کہ دونوں نے اُسے کندھوں سے پکڑ کر دوبارہ بِٹھایا۔

''ٹی وی پر کیا دیکھ رہی تھیں؟''عُمائمہ اب چینل سرفینگ کررہی تھی۔

''میں بتاؤں؟'' مناہل نے مُسکرا کر کہا۔

''ہاں؟!'' عُمائمہ کی آنکھیں چمکیں، ہاجرہ نے بھی حیرانگی سے دیکھا۔

''محبوب آپکے قدموں میں!'' مناہل نے کہا اور پھر دونوں قہقہہ لگا کر ہنسیں۔

''بدتمیز وپرے ہٹو!'' ہاجرہ بمشکل دونوں کے درمیان سے اُٹھی اور کچن کی طرف مڑ گئی۔

''میری بات کان کھول کر سُن لو سارے۔'' ناشتے کی میز پر بجّو اماں نے سب کو مخاطب کیا۔

''فوزیہ بیگم (ہاجرہ کی ہونے والی ساس) سے میری بات ہوئی ہے وہ لوگ شام کی چائے پر آئینگے اور رات کا کھانا کھا کر جائینگے۔'' عینک کے پیچھے سے سب کو گھُورا۔

''تم سب تمیز کا مظاہرہ کروگے، سمجھے؟''

''جی بجّو اماں!''یک زبان ہو کر کہا۔

''ہاجرہ تم کوشش کرنا کہ اندر ہی رہو، میں نہیں چاہتی فوزیہ کی نظر لگے تمہیں، بڑی بُری نظر ہے اُسکی۔''آخری جملہ منہ میں بڑبڑایا اور کھانا کھانے لگیں۔

ہاجرہ نے مُسکرا کر اثبات میں گردن ہلائی جبکہ اُن سب کی کھی کھی کی آوازیں وہ واضع سُن سکتی تھی۔

رعناء نے دو بجے کے قریب اُن سب سے سارے کام مکمل کروا کر اُنہیں تیار ہونے اوپر بھیج دیا تھا، سردیوں کی شامیں عموماً لمبی نہیں ہوا کرتیں، لیکن بات اگر انتظار کی ہو تو یہی شامیں گہری راتوں جیسی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔

یہی کچھ حال ہاجرہ کا تھا، ایک تو باہر آنے کی اجازت نہیں تھی اوپر سے انتظار، اُسے سوچ سوچ کر ہی ہول اُٹھ رہے تھے۔

دوسری طرف باقی سب کی تو موجیں تھیں، اُنہیں ہاجرہ کو تنگ کرنے کا ایک موقع مل رہا تھا اور پھر خاندان میں آنے والے فنکشن کیسے بُرے لگتے ہیں!

''مناہل!'' اسفند اُسے آواز دیتا اپنے کمرے سے نکل کر ہال میں آیا۔

''جی بھائی!'' وہ سب اپنا سارا سامان اُٹھا کر ہال میں ہی تیار ہو رہی تھیں۔ مناہل اپنے بالوں کو پکڑے اُن میں تقریباً بیس کے قریب پِنیّں لگا چکی تھی لیکن وہ جب بھی چھوڑتی، تین چار لٹیں اُسکے سامنے جھولنے لگتیں۔

''میرے بلیک والے کف لِنکس نہیں مل رہے۔'' سُرمئی رنگ کی شلوار قمیض پر کالی کڑھائی کی گئی تھی اور وہ کھُلے کفوں کے ساتھ کھڑا تھا۔

''اُوہ! وہ میرے بیگ میں رکھے تھے نا، کمرے میں پڑے ہیں جا کر لے لیں۔'' اپنے بال چھوڑ کر روہانسا ہو کر کہا۔

''مجھے کیا پتہ کہاں ہیں؟ کونسے بیگ میں ہیں؟ لے کر آؤ۔'' اُس نے اُسی طرح کھڑے ہی کہا۔

''یار بھائی اندر جائیں سامنے ہی بیگز پڑے ہیں، مل جائینگے، عائشہ! تم یہاں آؤ اور میرے بالوں کا کچھ کرو!'' اسفند کو کہہ کر اب وہ دور کھڑی آنکھوں پر لائیز لگاتی عائشہ کی طرف متوجہ ہوئی۔

''ڈرامے باز ہو تم پوری!'' بڑبڑاتا ہوا اسفند مناہل کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

کمرے میں آتے ہی اُسکی توجہ کھلی الماری کی طرف گئی، اُس نے آگے ہو کر جھانکا۔

وہ اپنی سفید گھیر دار فراک کا لحاظ کیے بغیر زمین پر بیٹھی، الماری کے آخری کیبنٹ میں سے جوتے نکال نکال کر تقریباً پھینکنے والے انداز میں باہر رکھ رہی تھی۔

""""کہاں رکھ دیا تھا تم نے اپنا جوتا عُمائمہ!"" اپنے آپ کو مسلسل کوستے ہوئے وہ پوری دلجمعی سے اپنے کام میں مشغول تھی۔

اسفند کھنکھارا۔

عُمائمہ کا سانس رُکا، چونک کر گردن اُٹھائی، وہ کھلے کفوں کو موڑے، دونوں بازو سینے پر باندھے بالکل اُس کے سر پر کھڑا تھا۔

""آپ؟!"" گڑبڑا کر اُٹھی، گھیر دار فراک گھٹنوں سے نیچے تک پھیلتی چلی گئی، ادھ کھُلے بالوں کی لٹیں کانوں نے پیچھے اَڑسیں۔

""جی میں۔"" اسفند ہلکا سا مُسکرایا۔

""کوئی کام تھا؟"" اُسے اور کچھ نہیں سُوجھا۔

""جی کام ہی تھا۔"" وہ اِدھر اُدھر نظریں دوڑانے لگا۔

"کام کے بغیر کونسا میری یاد آنی تھی آپکو۔" کندھے اُچکاتی وہ جوتوں کے ڈھیر کو پھلانگ کر اسفند کے برابر آگئی۔

"آپ بھلا کوئی بھولنے والی چیز ہیں جو آپکو یاد رکھنا پڑے۔" اسفند نے مُسکرا کر کہا، عُمائمہ کے چہرے کا رنگ بدلہ، مُسکرا کر نظریں چُرائیں۔

"اصل میں میرے کف لنکس نہیں مل رہے، مناہل کے کسی بیگ میں ہیں شاید۔" اُس نے اپنا مسئلہ بتایا۔

"اچھا اچھا، میں دیتی ہوں۔" عُمائمہ فورآ بیڈ کی طرف مڑی جہاں سارے بیگ لائین میں رکھے تھے۔ وہ ایک ایک کر کے بیگز چیک کرنے لگی اور تقریباً دو تین منٹ کی تگ و دو کی بعد وہ کف لنکس کا ڈبہ نکالنے میں کامیاب ہو ہی گئی، مناہل کی رکھی ہوئی چیزیں کسی اور کو مل جانا خوشقسمتی تھی۔

"بہت شکریہ!" ڈبہ اُسکے ہاتھ سے لے لیا، عُمائمہ پورے دل سے مُسکرائی۔

وہ واپس جانے کے لیے پلٹ گیا اور عُمائمہ کافی دیر تک محویت سے دروازے کو دیکھتی رہی جہاں سے وہ گیا تھا۔

کبھی کبھی سمجھ نہیں آتا کہ دل کا دل سے رشتہ محبت کا ہے؟خون کا ہے؟یا پھر خوش قسمتی کا؟انسان یہ بات بھلا کہاں سمجھ پاتا ہے۔

عُمائمہ کے ساتھ بھی یہی معاملہ تھا۔

※※※

چار بجے کے قریب گاڑی کے ہارن کی آواز سُنائی دی۔اپنے کمرے میں بیٹھی ہاجرہ کا دل اُچھل کر حلق میں آ گیا،وہ بے اختیار کھڑی ہو گئی۔

''کیا وہ لوگ آ گئے؟''عائشہ نے لاؤنج میں نعرہ لگایا۔

چائے کا سارا انتظام باہر لان میں ہی کیا گیا تھا۔ سُنہری دھوپ اب تقریباً ختم ہونے والی تھی، گھاس پر جگہ جگہ ہیٹر رکھ دیئے گئے تھے، تخت کے گرد سے کُرسیاں ہٹا کر صوفے لگا دیئے گئے تھے اور میز پر گلاب کے پھولوں کے گلدان سجائے گئے تھے۔

بجّو اماں ہلکے ہرے رنگ میں ملبوس، ہاتھ میں تسبیح پکڑے مسلسل کچھ پڑھنے میں مشغول تھیں۔

اُن سب نے فوزیہ اور ریاض کو پورچ میں ریسیو کیا اور لان میں آ گئے، بجّو اماں سے مل کر اُن سب نے اپنی اپنی جگہیں سنبھالیں۔

''سیف نہیں آیا؟'' اُنہوں نے پہلا سوال یہی کیا۔

''اماں اُسکی کوئی میٹینگ تھی، اچانک جانا پڑا، میٹینگ ختم ہوتے ہی یہیں آ ئے گا۔'' ریاض نے مُسکرا کر بتایا۔

بھئی دیکھو اگر لڑکا راضی نہیں ہے تو ابھی بتا دو، ہماری بیٹیوں کو بڑے نازوں سے پالا ہے ہم نے۔“

بجّو اماں کی اِس بات پر جہاں شائستہ کا رنگ اُڑا وہیں فوزیہ کے چہرے پر بھی سائے سے لہرائے۔

”نہیں نہیں اماں، ایسی کوئی بات نہیں ہے، ہمیں تو آپکی ہاجرہ بہت پسند ہے، سیف کی بھی مرضی ہے اِسی لئے تو ہم آئے ہیں، وہ بس میٹینگ کی وجہ سے۔۔۔“ انہوں نے قدرے شرمندگی سے کہا۔

”اِٹس اوکے، اماں بس ایسے ہی کہہ رہی ہیں۔“ رعناء نے مُسکرا کر کہا، بات کڑوی تھی اب آرام سے ہی نگلی جائے گی نا۔

”آصفہ جاؤ، دیکھو لڑکیاں کہاں رہ گئیں“ اُنہوں نے فوزیہ کو نظرانداز کر کے کہا۔

”جی اماں۔“ وہ اُٹھ کر اندر آ گئیں۔

”مناہل، عُمائمہ! سب ریڈی ہے؟“

''جی سب ریڈی ہے، آپ لے کر جائینگی یا ہم لے آئیں؟'' عُمائمہ نے قدرے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''لے آؤ تم لوگ ہی، فوزیہ اور ریاض ہی آئے ہیں ابھی۔'' کہہ کر وہ باہر کی طرف مڑ گئیں۔

''کیا مطلب سیفی بھائی نہیں آئے؟'' مناہل کو جھٹکا لگا۔

''نہیں تھوڑی دیر میں آئے گا۔'' وہ کچن سے باہر چلی گئیں۔

''اللہ خیر کریں۔'' کہہ کر وہ دونوں چائے کی ٹرالی باہر لے جانے لگیں۔

''آ ٹھولڑ کو! تم سب بھی ملو آکر باہر!'' آصفہ گزرتے ہوئے اُنہیں بھی کہہ کر گئیں۔

تھوڑی دیر بعد وہ سب باہر ہی بیٹھے تھے، عُمائمہ مناہل اور شائستی چائے سرو کر رہی تھیں، ماحول اب خوشگوار لگتا تھا۔

''تم تو چائے نہیں پیو گے ہے نا!'' مناہل نے اسماعیل کو چائے پکڑاتے پکڑاتے واپس کھینچ لی۔

''تمیز کرو، واپس دو!'' دبا دبا سا چلایا۔

''بنالو خود اتنا ہی شوق ہو رہا ہے تو!'' کہہ کر وہ کپ تھامے ساتھ والے صوفے پر بیٹھ گئی۔

''باز آؤ مناہل!'' عُمائمہ نے اُسے جِھڑکا اور اسماعیل کو چائے دینے لگی۔

''بچو آپ لوگ اندر جائیں، کسی چیز کی ضرورت ہو گی تو ہم بُلا لینگے۔'' افضل نے نرمی سے کہا۔

''او کے افضل ماموں!'' عُمائمہ کہہ کر اُٹھ کھڑی ہوئی اور پھر مجبوراً مناہل اور عائشہ سمیت اسماعیل کو بھی اُٹھنا پڑا۔

''کیا ضرورت تھی تمہیں اتنا فرمانبردار بننے کی؟'' مناہل نے منہ بنا کر کہا۔

''ہاں تو اور کیا، ہم زرا سی ضِد کرتے تو اُنہوں نے بیٹھنے دینا تھا۔'' عائشہ نے بھی بھڑاس نکالی۔

''ہاں اور پھر جب وہ چلے جاتے تو ہماری سارے خاندان سے دُرگت بنتی، ہی نا!'' اُس نے بھی اُنہیں کے انداز میں کہا۔

''مناہل یار سیفی بھائی کیوں نہیں آئے؟'' عائشہ کو صرف سیف کا ہی تجسس تھا۔

''پتا نہیں، ہاجرہ آپی سے پوچھتے ہیں!'' آخری جملہ آنکھوں میں چمک لیئے، شرارتی مُسکراہٹ کے ساتھ عُمائمہ کو دیکھتے ہوئے کہا اور پھر وہ دونوں ہاجرہ کے کمرے کی طرف بھاگیں۔

''ہاجرہ آپی کیسا محسوس کر رہی ہیں؟'' چند لمحوں بعد وہ ہاجرہ کے سر پر موجود تھیں۔

''بہت اچھا!'' گردن کڑا کر کہا۔

''خوشی تو دیکھو زرا!'' مناہل ہنسی۔

''لیکن ہاجرہ آپی مجھے نہیں لگتا کہ سیفی بھائی اِس رشتے سے خوش ہیں۔'' مناہل نے منہ بنایا۔

ہاجرہ نے چونک کر گردن اُٹھائی، آنکھوں میں بیک وقت خوف اور بے یقینی اُبھری۔

"پرے ہٹو بد تمیز! کیوں اُنہیں پریشان کر رہی ہو" عُمائمہ نے اُس کے قریب آکر اسکے گرد بازو لپیٹے۔

"وہ اصل میں ہاجرہ آپی سیفی بھائی آئے نہیں ہیں ابھی تک۔" حتی المقدور لہجہ عام سا رکھ کر کہا۔

"کیا مطلب سیف نہیں آئے؟" اب کے ہاجرہ کا چہرہ سفید پڑا۔

"نہیں وہ کسی میٹینگ میں پھنسے ہیں، ڈِنر تک آجائینگے۔" عُمائمہ نے تسلی دی۔

"یا میرے اللہ! اب تو بجّو اماں نہیں مانینگی۔" ہاجرہ لب کاٹتے ہوئے بیڈ سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"مان جائینگی، لاسٹ سچوئیشن جو ہم دیکھ کر آئے ہیں وہ خوش ہی لگ رہی تھیں۔" اُس نے اندازہ لگایا۔

"اللہ کریں ایسا ہی ہو!" وہ اب کمرے کے چکر کاٹنے لگی تھی۔

※ ※ ※

فوزیہ اور ریاض، افضل کے پُرانے دوست تھے، بجّو اماں اور باقی سب گھر والوں کے ساتھ بھی خاصی بے تکلفی تھی مگر جب اُنہوں نے ہاجرہ کے رشتے کی بات کی تو بجّو اماں اُن سے کچھ کھچی کھچی سی رہنے لگیں۔ دوست کی حد تک وہ اُنہیں پسند کرتی تھیں لیکن ضروری تو نہیں کہ جو دوستی کے رشتے سے اچھا لگ رہا ہے وہ کسی اور رشتے سے بھی اچھا لگے۔

بجّو اماں اب صرف ہاجرہ اور سیف کی رائے پر اٹکی ہوئی تھیں، اگر دونوں بچے راضی تھے تو وہ اپنی ناپسندیدگی کو نظرانداز کر دیتیں، لیکن اب اُنہیں سیف کی طرف سے بھی خدشات سامنے آتے نظر آرہے تھے۔

شام ڈھلتے ہی سب ڈرائینگ روم میں آگئی ئے تھے، عُمائمہ، مناہل اور ہاجرہ سمیت اب سب وہیں بیٹھی تھیں۔رعناء کا کہنا تھا کہ فیملیز میں دوستی بھی تو ہے تو پھر یہ تکلف کس بات کا۔بجّو اماں نے خوب آنکھیں نکالیں لیکن رعناء نے بھرپور ڈھٹائی کا مظاہرہ کیا۔

"مہمان جاتو لیں زرا!" بجّو اماں نے سرگوشی کی۔

"شائستہ اُٹھو کھانا لگالیں۔" آصفہ بیگم نے یاد دلایا۔

"بھئی بیٹھ جاؤ، سیف کو آلینے دو سب اکھٹے ہی کھائیں گے۔" بجّو اماں نے بھی یاد دلایا۔

کچھ لمحے مزید سرکنے کے بعد باہر گاڑی کے ہارن کی آواز سُنائی دی، سب سے پہلے کھڑی ہونے والی مناہل تھی اور اسکے ساتھ عائشہ۔اُن دونوں کر کھڑا ہوتا دیکھ کر اسفند اور اسماعیل بھی متوجہ ہوئے۔ اسفند نے مناہل کو باز رہنے کا اشارہ کیا مگر بھلا کیا وہ باز آنے والی تھی؟

"میں دیکھتا ہوں بھائی۔" اسماعیل نے اسفند کو کہا اور باہر آگیا، مناہل اور عائشہ اُسکے پیچھے لپکیں۔

''مناہل! سیف بھائی نے اندر ہی آنا ہے، تم تھوڑی دیر تحمل کا مظاہرہ نہیں کر سکتیں؟''اُس نے ساتھ چلتی مناہل کو شرم دلانے کی کوشش کی۔

''خان بابا نے ابھی تک دروازہ کیوں نہیں کھولا؟''وہ تیزی سے پورچ سے ہوتی گیٹ تک آئی۔

''خان بابا کوارٹرز۔۔۔''جملہ اسماعیل کے منہ میں ہی رہ گیا اور مناہل نے لپک کر گیٹ کا چھوٹا دروازہ کھول دیا۔

مناہل گیٹ سے باہر قدم رکھتے ہی پہلے تو حیران ہوئی اور اگلے ہی لمحے خوفزدہ۔

''اسماعیل!''بمشکل حلق سے آواز نکلی اور اُس نے مڑ کر اسماعیل کو دیکھا۔

دونوں کی نظریں ملیں، دونوں کی آنکھوں میں بس ایک ہی تاثُر تھا۔

خوف!

بے بسی!

باہر کھڑے لڑکوں میں سے تین چار کو اسماعیل پہچان چکا تھا، بر وقت اُسکا دماغ کام کیا اور اُس نے

پورچ میں کھڑی عائشہ کو مخاطب کیا۔

''عائشہ !اسفند بھائی کو بلاؤ!'' وہ جتنا اُونچی چِلا سکتا تھا چلایا۔

باہر کھڑے لڑکوں میں سے ایک نے مناہل کا بازو پکڑ کر کھینچنا چاہا، اسماعیل نے ایک پل کی بھی تاخیر

کیے بغیر آگے بڑھ کر اُس کے منہ پر زوردار مکہ رسید کیا اور مناہل کو اپنے پیچھے کیا۔

حملہ اُسکے لیے غیر متوقع تھا، وہ پیچھے کھڑی گاڑی کے بونٹ پر جا کر گرا۔

''مناہل اندر جاؤ!'' گلا پھاڑ کر اپنے ساتھ چپکی ڈری سہمی مناہل کو کہا۔

مناہل تیزی سے دروازے کی طرف واپس گئی لیکن ایک دوسرے لڑکے نے اُس پر جھپٹ کر اُسکا

بازو پکڑا، اسماعیل سے الگ کیا اور پھر اُس نے دروازہ بند کر دیا۔

آخری منظر جو مناہل نے دروازے کے اندر دیکھا تھا وہ عائشہ تھی جو پورچ میں کھڑی دونوں ہاتھ منہ پر رکھے روئے جارہی تھی۔

※ ※ ※

دروازہ ایک زوردار آواز سے بند ہوا، آواز پر عائشہ چونکی اور ایک نظر اِدھر اُدھر دیکھا۔ وہ کیا کرے؟ پہلے اُس نے گیٹ کی طرف قدم بڑھائے پھر اُسے ایک جھماکے سے اسماعیل کی بات یاد آئی، اُس نے اسفند کو بُلانے کا کہا تھا۔

گیٹ کے باہر سے اب لڑنے کی آوازوں کے ساتھ ساتھ مناہل کے چیخنے کی آوازیں بھی آرہی تھیں۔ وہ اُس طرح روتی ہوئی اندر کی طرف بھاگی۔

※ ※ ※

''اسفند بیٹے دیکھو باہر، کہاں رہ گئے ہیں وہ لوگ۔'' شائستہ نے نرمی سے کہا۔

''جی ماما۔''

اسفند اُٹھ کر باہر آگیا اور سامنے سے آتی عائشہ سے ٹکرایا، وہ سہمی ہوئی بار بار مڑ کر دیکھ رہی تھی،

چہرے کا رنگ اُڑا ہوا تھا اور آنسو جاری تھے۔

''اسفند بھائی! اسفند بھائی!''

''کیا ہوا؟'' اُس نے حیرانگی سے اُسے دیکھا۔

''وہ۔۔۔وہ باہر۔۔۔۔مناہل۔۔۔اسماعیل بھائی کو۔۔۔۔مار رہے تھے۔۔۔'' وہ ہچکیوں کے

درمیان کہہ رہی تھی۔

''کیا؟ کون؟ کس کو مار رہے تھے؟ یہ کیا کہہ رہی ہو؟'' اُسکی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آ رہا تھا۔

عدیل بھی ڈائینینگ روم سے باہر آ گیا۔

''باہر وہ مناہل کو۔۔۔اسماعیل بھائی کو مار رہے تھے۔۔۔۔''

www.novelsclubb.com

پہلے اسفند کے چہرے کا رنگ اُڑا اور پھر اُسکے پیچھے کھڑے عدیل کا، اگلے ہی لمحے اسفند کچھ بھی کہے سُنے بغیر باہر کو بھاگا، دیوانہ وار، لاؤنج کے دروازے سے گزرتے ہوئے اُسکا ہاتھ شیشے کے گُلدان کو لگا اور گلدان ایک خوفناک آواز کے ساتھ زمین پر گرا اور کِرچی کِرچی ہو گیا۔

※ ※ ※

ہاجرہ اپنے کمرے میں اِدھر سے اُدھر چکر لگا رہی تھی جب اُسے گلدان ٹوٹنے کی آواز آئی۔

''بس اب اِن سب نے اپنی ایکسائیٹمینٹ میں گھر کے گلدان ہی توڑنے ہیں۔'' منہ میں بڑبڑاتی وہ باہر آئی اور ٹی وی لاؤنج کے آخری کونے پر کھڑی عائشہ کی طرف گئی۔

عدیل دروازے میں پڑے شیشوں کو پھلانگتا باہر کی طرف بھاگ رہا تھا۔

''تمہیں کیا ہوا ہے عائشہ؟'' اُس نے پریشانی سے کہا، ''اور یہ کہاں بھاگا جا رہا ہے؟'' ہاجرہ نے اُسے کندھوں سے پکڑا اور کمرے کی طرف لے جانے لگی۔

''چلو دِکھاؤ کہاں لگا ہے شیشہ؟ رونا تو بند کرو یار!''اُسے بیڈ پر بِٹھا کر وہ الماری میں سے فرسٹ ایڈ باکس نکالنے لگی۔

''نہیں لگا مجھے شیشہ کہیں بھی!''چیخ کر کہا،ہاجرہ کے ماتھے پر بل پڑے،اچھنبے سے مڑی۔

''تو اِس میں چلانے والی کونسی بات ہے،رؤمت پھر،میں باہر سے شیشے صاف کر کے آتی ہوں۔''

حالات سے بے خبر وہ دوبارہ باہر کی طرف پلٹی۔

''ہاجرہ آپی باہر غُنڈے تھے،وہ اسماعیل بھائی کو مار رہے تھے!''اُس نے اُسی طرح روتے ہوئے بلند آواز میں کہا۔

''کیا؟''ہاجرہ تیزی سے پلٹی،اُسے لگا اُس نے غلط سُنا ہے۔

''میں نے خود دیکھا تھا۔۔۔میرے سامنے۔۔۔''وہ پھر سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگ گئی تھی۔

ہاجرہ بے یقینی سے اُسے دیکھتی اپنے دماغ میں اٹھنے والے خدشات کو جھٹلاتی، وہیں کھڑی نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

"کون لوگ تھے؟ اسماعیل؟ کیسے؟"

"ہاجرہ آپی اُنکے پاس گنز بھی تھیں، اُنہوں نے مناہل کو بھی پکڑا ہوا تھا، جب میں نے دیکھا۔۔۔ پھر اُنہوں نے دروازہ بند کر دیا تھا۔"

اب کی ہاجرہ کا رنگ صحیح معنوں میں اُڑا۔

"مناہل؟ مناہل بھی تھی باہر؟ یا میرے اللہ!" ہاجرہ نے منہ پر ہاتھ رکھا۔

"اُنہوں نے دروازہ بند کر دیا۔۔۔ وہ اندر کیسے آئینگے اب؟ ہاجرہ آپی۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ بہت گندے لوگ تھے، اُنکے پاس گنز تھیں۔۔۔" وہ مسلسل روتے ہوئے کہے جا رہی تھی۔

''شش! چُپ!۔۔۔بس چُپ!۔۔۔مجھے مت بتاؤ!'' دونوں ہاتھ کانوں پر رکھتی وہ عائشہ کے پاس آئی اور اُسے اپنے ساتھ لگایا۔

وہاں کھڑے ایک جھماکے سے اُسے کل کا واقعہ یاد آیا، ایک آنسو ٹوٹ کر اُسکے چہرے پر بہہ گیا۔

''تم نے۔۔۔تم نے اندر بتایا؟'' اچانک خیال آیا۔

''ہاں عدیل بھائی اور اسفند بھائی کو، وہ باہر ہی گ ئے ہیں۔''

''یااللہ! اُنکے پاس گنز بھی ہیں، اُٹھو بابا کو بتاتے ہیں۔۔۔اُٹھو عائشہ!'' کہہ کر وہ اُسکا بازو تھامے کمرے سے باہر لپکی۔

یکدم اُسے یاد آیا کہ وہاں توسیف کی فیملی بھی بیٹھی ہے۔

''نہیں بابا تو ڈرائینگ روم میں ہیں، اُنہیں کیسے بتائیں؟ ہم۔۔۔ہم خود باہر جاتے ہیں۔''

اور اُس پل ہاجرہ کو سمجھ آیا کہ جب چھوٹوں پر مصیبت آتی ہے تو ماں باپ کے بغیر اُنہیں ایک ساتھ کھڑا رکھنا کسی بڑے بہن بھائی کے کندھوں پر ایک بڑا بوجھ بن جاتا ہے۔

※ ※ ※

دور کہیں عیشاء کی اذان سُنائی دینے لگی تھی۔

ڈرائینگ روم میں بیٹھی بجّو اماں اور عُمائمہ اب اُن عورتوں کی باتوں اور مردوں کی سیاست سے تنگ آچکی تھیں، اُنہیں اب شدید کوفت ہو رہی تھی۔

"افضل میاں اُٹھ کر زرا اپنی اولاد کو دیکھ کر آؤ، اُنہوں نے سیف کو وہیں یرغمال بنالیا ہو گا۔"

اُنہیں یہ ہرگز اندازہ نہیں تھا کہ اُنکی اپنی اولاد ہی اُس وقت یرغمال بنائی جا چکی تھی۔

"جی امّاں۔"

ڈائینگ روم سے باہر آئے اور لاؤنج سے گزرتے ہوئے اُنکی نظر ہاجرہ اور عائشہ پر پڑی۔

اُڑے ہوئے رنگ، بہتے ہوئے آنسو اور ڈری سہمی سی اُن دونوں نے افضل کو مجبور کیا کہ وہ اُن سے اِستفسار کریں۔

"کیا ہوا ہے تم دونوں کو؟ یہ کیا حال بنایا ہوا ہے؟ رو کیوں رہی ہو؟" ماتھے پر بل لئے افضل نے ہاجرہ کو بڑے غور سے دیکھا۔

"بابا۔۔۔وہ۔۔۔باہر۔۔۔" ہاجرہ نے ابھی بات شروع ہی کی تھی کہ باہر سے گولی چلنے کی آواز آئی۔

اُسے لگا جیسے اُسکے جسم میں سے کسی نے جان نکال دی تھی۔

اُسکے دونوں سگّے بھائی اور جان سے بھی زیادہ عزیز اسفند اور مناہل۔

ہاجرہ نے بے اختیار باپ کا بازو تھاما، فلحال اُسکے پاس اور کوئی سہارا نہیں بچا تھا۔

※ ※ ※

دروازہ بند کر کے اُس لڑکے نے مناہل کو اپنی طرف کھینچا اور اُسکا دوسرا بازو بھی اپنی گرفت میں لے لیا۔اِس سے پہلے کہ اسماعیل اُس کی طرف آتا تیسرے لڑکے نے ایک زوردار گھونسا اُسکے پیٹ میں مارا۔وہ درد سے کراہا اور دوہرا ہو گیا۔اُس نے حملہ کرنے کے لیۓ دوبارہ سر اُٹھایا ہی تھا کہ وہ پہلا لڑکا جو بونٹ پر گرا تھا خود کو سنبھال چکا تھا،اُس نے ایک اور مکا اسماعیل کے منہ پر مارا۔

اسماعیل کے منہ سے خون نکلنے لگا تھا۔مناہل اب روتے ہوئے چیخ رہی تھی۔

''اسماعیل!'' وہ لڑکا اب اُسے گھسیٹ کر گاڑی کے پاس لے جارہا تھا۔

اسماعیل ایک بار پھر اپنے درد کو نظرانداز کر کے مناہل کی طرف لپکا،مناہل نے اُس لڑکے کی گرفت سے اپنا ایک بازو چھڑایا اور اسماعیل کی طرف آئی۔

اُسی لمحے دروازہ کھلا اور اسفند بھی باہر آ گیا۔

اسماعیل نے مڑ کر اسفند کو دیکھا اور یہیں اُس سے بھول ہوئی، اُس لڑکے نے پینٹ میں اڑسی گن نکالی

اور تیزی سے اُسکا بٹ اسماعیل کے مڑے ہوئے سر پر دے مارا۔

دو تین سیکینڈ کے لیے اُسکی پوری دُنیا گھوم گئی، رات کے پھیلتے اندھیرے میں اُسے اور زیادہ تاریکی

محسوس ہوئی۔

اسماعیل کراہ کر مُڑا اور دوبارہ اُس لڑکے کے منہ پر پوری شدت سے مکا مارا۔

''اسفند بھائی! اسماعیل!'' وہ لڑکا اب مناہل کو گاڑی کے دروازے تک لے گیا تھا۔ وہ لڑکے اب

اسفند کی وجہ سے زیادہ اِشتعال میں آگئے تھے، کیونکہ مقابلہ اب برابری کا ہونے والا تھا۔

''مناہل!'' اسفند چلایا۔

اِس سے پہلے کہ وہ دوبارہ اسکی طرف بڑھتے اُن میں سے ایک لڑکے نے گولی چلا دی۔

مناہل نے ایک دردناک چیخ ماری اور پھر وہ غش کھا گئی،اُس لڑکے نے شکر کا کلمہ پڑھا اور اُسے گاڑی کے اندر پٹخا۔

وہ کراہ کر زمین پر گرا،خون تیزی سے اُسکے کپڑے بھِگوتا اُسکے ارد گرد پھیلنے لگا،آنکھیں بند ہونے کے پہلے کا منظر جو اُس نے دیکھا تھا وہ مناہل تھی جو اُس سے پہلے بے ہوش ہو گئی تھی اور وہ اُسے لے گئے تھے۔

اُسکی دُنیا اب واقعی اندھیر ہو گئی تھی!

اور پھر اگر ہم سیدھا راستہ چُن بھی لیں تو''وقت''ہمیں ایک بار نہیں،دو بار نہیں،بلکہ بار بار آزماتا ہے تاکہ ہم اپنے قدم مکمل طور پر مضبوطی سے جما لیں۔

※※※

باب نمبر پانچ

"خسارہ"

جب ہم چھوٹے تھے،

تو چھوٹے تھے خسارے بھی۔

کسی کھلونے کا ٹوٹ جانا،

کسی اپنے سے روٹھ جانا،

کہیں جانے میں جلدی بہت،

کہیں تاخیر سے پہنچنا۔

یا پھر۔۔۔۔

کسی بڑے کا ڈانٹ دینا

اور میرا

اپنی ساری ہی چیزیں بانٹ دینا،

بس ہم اتنا ہی جانتے تھے۔

پھر ہم عمر میں تیز بھاگے

خسارے بھی ساتھ ساتھ آگ ۓ۔

پھر ہم ہنس دی ۓ،

بیتی زندگانی پر،

جیون کی اُس رائیگانی پر،

اپنے بچپن کی نادانی پر،

اب جو دیکھا تو۔۔۔

ہم بڑے ہو گ ئے،

خسارے بن کے آنسو راہ میں،

کھڑے ہو گ ئے!

اب ہم نے جانا،

ہم جیون کے دُکھوں سے

کتنے انجان تھے،

"جن پر ہم روتے تھے،

وہ دُکھ نہیں۔۔۔

وردان تھے!"

اپنے سفر کو بجّو اماں کے آنگن میں بنے ڈرائینگ روم سے ہی آگے لے کر چلتے ہیں، جہاں اُن سب کے چہروں پر فکر مندی کے تاثرات تھے۔

"یااللہ! رحم فرما!"

گولی کی آواز اتنی تیز تھی کہ وہاں موجود ہر ذی نفس ایک لمحے کیلئے خوفزدہ ہوا۔

"یامیرے اللہ! یہ لڑکے کیا کر رہے ہیں باہر، رعناء تم نے اُنہیں گنز نکالنے کی اجازت تو نہیں دی تھی نا؟" بجّو اماں نے ساتھ بیٹھی رعناء کو ڈپٹا۔

"نہیں اماں، میں کوئی پاگل ہوں جو اُنہیں اجازت دونگی۔" وہ خود بھی حیران تھیں۔

"معاملہ مجھے کوئی اور ہی لگ رہا ہے، اماں میں دیکھتا ہوں۔" سہیل، ماتھے پر بل لئے باہر آئے، ریاض بھی اُنکے پیچھے ہی باہر نکلے۔

''بھئی مجھے بھی اُٹھاؤ، یہ سب ''میں دیکھتا ہوں، میں دیکھتا ہوں'' کرتے جاتے ہیں اور واپس آکر کوئی بھی نہیں بتاتا کہ کیا دیکھا، جاہل کہیں کے!''اُنہوں نے سارا غصہ رعناء پر نکالا۔

آصفہ، شائستہ اور فوزیہ بھی اُنکے پیچھے ہی ہو لیں، عُمائمہ جو رعناء کے ساتھ بچّو اماں کو اُٹھا رہی تھی، عورتوں میں سے بمشکل جگہ بناتی باہر کو بھاگی۔

پریشان تو وہ بھی ہو رہی تھی، مناہل ابھی تک آئی کیوں نہیں تھی؟ حالانکہ سب سے زیادہ ایکسائیٹڈ وہی تھی۔

※ ※ ※

دروازے میں کھڑے افضل نے بے یقینی سے ہاجرہ کو دیکھا، ہاجرہ نے نفی میں گردن ہلائی اور پھر آنسو اُسکی آنکھوں سے متواتر بہنے لگے۔

''باہر مت نکلنا،اندر ہی رہنا،اماں کو،رعناءاور سُہیل کو بتاؤ،میں۔۔۔میں آتا ہوں۔''تیزی اُسے کہتے وہ ہاجرہ کا سر تھپک کر باہر نکل گی ئے۔

ہاجرہ روتے ہوئے واپس اپنے کمرے کی طرف بڑھی،ایک ہاتھ میں عائشہ کا ہاتھ تھام رکھا تھا،وہ کمرے کا دروازہ بند کر ہی رہی تھی کہ عُمائمہ نے تیزی سے دروازہ کھولا اور اندر آ گئی۔

''اُف کتنی بورِنگ آنٹی ہیں،میرا تو دماغ۔۔۔''بولتے بولتے اُسکی زبان کو بریک لگا،رُک کر اُن دونوں کو دیکھا۔

''کیا ہوا؟ہاجرہ آپی؟کیوں رو رہی ہیں؟''پہلا خیال سیف کا آیا۔

''وہ گولی؟کس۔۔۔کس نے چلائی؟کیوں؟''اب اُسے گولی کی آواز یاد آئی،اُسکا رنگ اُڑا،ہاجرہ اب ہچکیوں سے رونے لگی تھی۔

عُمائمہ۔۔۔ باہر غُنڈے تھے، وہ اسماعیل اور مناہل سے لڑ رہے تھے، مجھے۔۔۔ مجھے نہیں پتہ کیوں ۔۔۔اُنکے پاس گنز تھیں، اُنہوں نے ہی گولی چلائی۔۔۔ وہ گولی۔۔۔" ہچکیوں سے روتی وہ چند لمحے رُکی۔

"گولی؟ ہاجرہ آپی کسکو لگی؟ مناہل؟۔۔۔ اسماعیل کو؟ رُکی کیوں ہیں بتائیں نا۔" اُس نے منت کی، پھر جیسے کچھ یاد آیا، ہاجرہ کے قریب آئی اور اسُکا ہاتھ تھاما۔

"اسفند؟" اُسے لگا وہ اِس خیال کے ساتھ ہی مر جائے گی۔

"اسفند اور عدیل بھی باہر ہی ہیں، مجھے نہیں پتہ گولی کسے لگی ہے! مجھے نہیں پتہ عُمائمہ!" کہہ کر وہ پھر اُسی طرح رونے لگی۔

اور عُمائمہ؟ اُس کے ہاتھ سے ہاجرہ کا ہاتھ چھوٹ گیا اور دونوں ہاتھ پہلوؤں میں آن گرے۔

کبھی کبھی شناسا روحوں کو کھونے کا احساس ہی آپکو بے جان بنا دیتا ہے۔

※ ※ ※

اسفند تیزی سے اسماعیل کی طرف آیا لیکن وہ اُس وقت تک بے ہوش ہو چکا تھا، خون بھل بھل نکل رہا تھا۔ وہ لڑکے اب گاڑی میں بیٹھ رہے تھے۔

''اسماعیل! اسماعیل اُٹھو! آنکھیں کھولو یار!'' وہ اُسکا سر اپنی گود میں رکھے مسلسل اُسے آوازیں دے رہا تھا۔

اُسی لمحے سڑک پر اُن لڑکوں کی گاڑی کے پیچھے ایک اور گاڑی نے ہارن بجایا۔

''جلدی کرو بیوقوفوں!'' وہ لڑکا جس نے گولی چلائی تھی، وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے پیچھے آنے والی گاڑی کو دیکھ کر بولا۔

''اسماعیل! اسفند!'' عدیل گیٹ سے باہر آیا۔

''مناہل! مناہل وہاں ہے اُنکے پاس!''اسفند نے اُسکے خون سے بھرا اپنا ہاتھ اُٹھا کر اشارہ کیا، چہرے پر دُنیا جہان کی تاریکی تھی، دُکھ تکلیف۔۔۔بے بسی!

اُن لڑکوں سے گاڑی ابھی تک سٹارٹ نہیں ہو رہی تھی۔ پیچھے سے آنے والی گاڑی اب عین پیچھے رُک گئی تھی۔

عدیل کی نظر اُس گاڑی پر گئی، وہ سیف تھا، ہاں وہ سیف ہی تھا، وہ آنکھیں چھوٹی کر کے سامنے کا منظر دیکھ رہا تھا۔

بر وقت عدیل کا ذہن کام کیا اور اُس نے اسفند کا کندھا جھنجھوڑا۔

''اُٹھو اسفند!۔۔۔اسفند اپنی بہن کو بچاؤ!۔۔۔جاؤ!''عدیل نے اُسے گھسیٹ کر کھڑا کرنا چاہا، اسفند نے دوبارہ اسماعیل کو دیکھا اور نرمی سے اُسکا سر دوبارہ گیٹ کے باہر لگی ٹائلوں پر رکھ دیا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔

وہ لڑکے گاڑی سٹارٹ کر چکے تھے، حواس باختگی کی وجہ سے اُن سے گاڑی تیز نہیں چلائی جا رہی تھی۔

عدیل تیزی سے سیف کی طرف آیا، وہ گاڑی سے اُترنے ہی لگا تھا کہ عدیل نے روکا،

''میں دیکھ لو نگاہیاں سب، تم لوگ جاؤ!'' پہلا جملہ حیران سے سیف کو کہا اور دوسرا اسفند کو۔

اسفند نے پھر اسماعیل کو دیکھا اور پھر اُس گاڑی کو، تھوڑا آگے جانے کے بعد وہ گاڑی تیز ہو گئی اور دھول اُڑاتی آگے بڑھ گئی۔

اُس نے مڑ کر عدیل کو دیکھا اور اثبات میں سر ہلایا، پھر تیزی سے گاڑی کے دوسری طرف آیا اور اندر بیٹھ گیا۔

''سیف۔۔ سیف اُنکے پیچھے چلو! جلدی! جلدی! وہ مناہل کو لے کر جا رہے ہیں!'' اُس نے گیلی سی آواز میں بتایا، زبان ساتھ نہیں دے رہی تھی اور ہر گزرتے لمحے کے ساتھ ہمت ختم ہو رہی تھی۔

''کیا؟''سیف کو حیرت کا جھٹکا لگا۔

''ہاں، کیسے ؟کیا؟ابھی مت پوچھو،بس تیز چلاؤ''اُسکا کُرتا،کف اور کف لنکس مکمل طور پر خون سے بھرے ہوئے تھے۔

※ ※ ※

''عدیل کیا ہوا ہے ؟''افضل اندر سے آتے ہی، گیٹ سے اندر آتے عدیل کی طرف متوجہ ہوئے۔

''بابا،اسماعیل کو گولی لگی ہے۔۔۔اور۔۔۔اور وہ لوگ مناہل کو لے گئے ہیں، ہمارے پاس وقت نہیں ہے!''وہ تیز تیز کہتا گیٹ کھول کر اپنی گاڑی کی طرف گیا۔

''یہ کیا بکواس کر رہے ہو؟۔۔۔اسماعیل!اسماعیل میرے بچے یہ کیا ہو گیا!''اُنہوں نے گیٹ کھُلتے ہی سامنے بے سُدھ پڑے اسماعیل کی طرف قدم بڑھائے۔

عدیل اب گاڑی ریورس کر رہا تھا۔

”میرا بیٹا؟ میرا بیٹا آنکھیں کھولو! اُٹھو اسماعیل! اُٹھو!“ وہ اب اُسکے بال سہلا رہے تھے، اُنکے بوڑھے ہاتھ کانپ رہے تھے، وہ جیسے جیسے اُس کے قریب ہو رہے تھے، اُسکے خون سے رنگ رہے تھے۔

اسماعیل کیسے ہر ایک کو اپنے رنگ میں رنگ لیتا تھا نا!

اندھیرے کی وجہ سے خون کا رنگ تو نظر نہیں آرہا تھا، لیکن مصنوعی روشنی میں ایک بڑی تعداد میں پھیلا مائع اسماعیل کے گرد موجود نظر آرہا تھا۔

”بابا! آپ اندر جائیں! میں اسماعیل کو ہاسپٹل لے کر جا رہا ہوں، آپ اندر بتائیں اُنہیں، اسماعیل کو کچھ نہیں ہو گا، وہ بس بے ہوش ہے، مناہل کے پیچھے اسفند اور سیف گئے ہیں، کچھ نہیں ہو گا!“

”کیسے کچھ نہیں ہو گا!“ وہ پھٹ پڑے، ”کتنا۔۔۔ کتنا خون بہہ گیا اُسکا! تمہیں۔۔۔ تمہیں اپنے بھائی کا خیال نہیں آیا کیا؟!“ وہ اب پھیلے ہوئے خون کی طرف اشارہ کرتے روئے جا رہے تھے۔

"بابا پلیز! پلیز ایسامت کہیں۔۔۔میرے صبر کا مزید امتحان نہ لیں، اندر جائیں، اور گیٹ بند کر لیں ۔۔۔پلیز بابا!" وہ سُرخی مائل آنکھوں سے التجا کر رہا تھا۔

افضل اٹھے اور اسکے ساتھ مل کر اسماعیل کو گاڑی میں لٹایا۔وہ تیزی سے آگے آیا اور گاڑی سٹارٹ کرنے لگا۔

ایک آخری نگاہ اپنے باپ پر ڈالی، بازو سے آنکھیں بے دردی سے رگڑیں اور گاڑی بڑھا کر لے گیا۔

※※※

گیٹ بند کر کے افضل نے ایک نظر اپنے آپ کو دیکھا اور اندر کی طرف رُخ کیا، لان کی ملگجی روشنیاں جلی ہوئی تھیں۔اُنہوں نے اپنے ہاتھ پھیلا کر دیکھے، کپکپاتے ہاتھوں پر اسماعیل کا خون تھا، اُنکے کپڑوں پر بھی جا بجا خون لگا تھا۔

ایک آنسو ٹوٹ کر بہہ گیا۔وہ ایک باپ تھے اور باپ اپنی جوان اولاد کے غم برداشت نہیں کر سکتے۔

ہاتھ واپس پہلو میں آن گرے۔

پھر اُنہیں مناہل کا خیال آیا،وہ گھر کی بیٹی تھی،وہ کون لوگ تھے جو اُسے لے گئے تھے،وہ گھر کی

عزت تھی اور گھر کے اندر موجود باقی لڑکیوں کی عزت کا انحصار بھی اُسی پر تھا۔

افضل نے ایک نظر اُٹھا کر آسمان کو دیکھا،وہاں اب دُھند مکمل پھیل چکی تھی،لیکن جو شہہ رگ سے

بھی زیادہ قریب تھا وہ اُنہیں دیکھ رہا تھا،آزما رہا تھا،اور پھر اولاد تو صرف آزمائش ہی ہے۔

"میرے اللہ! میں بے بس ہوں۔۔۔میں دو نقصان تو جھیل چکا ہوں۔۔۔کوئی اور نقصان نہیں

جھیل سکتا۔۔۔میرے رب اتنی سکت نہیں ہے مُجھ میں۔۔۔میرے اللہ مجھ پر رحم کر اور مجھے ہمت

عطا کر کہ میں اِس۔۔۔"

اُنہوں نے واپس اپنے ہاتھوں اور کپڑوں پر نظر ڈالی،

"اِس نقصان کے بارے میں۔۔۔اپنے اسماعیل کے بارے میں۔۔۔اپنی مناہل کے بارے میں ۔۔۔اندر باقیوں کو بتا سکوں۔۔۔میرے اللہ مجھ پر رحم کر!"

ہاتھ سے آنکھیں رگڑیں اور پھر نظریں پورچ سے ہوتی اندر دروازے میں پڑے ٹوٹے ہوئے گُلدان کے ٹکروں پر گئیں۔

"کچھ چیزیں ٹوٹنے کے بعد نئے روپ اختیار کر لیتی ہیں، جبکہ کچھ چیزیں ٹوٹ جانے کے بعد کبھی دوبارہ نہیں جُڑتیں۔"

※※※

سُہیل تیزی سے لاؤنج سے ہوتے ہوئے افضل تک آئے اور انہیں دیکھ کر مزید حواس باختہ ہوئے۔

"کیا ہوا؟کسے گولی لگی ہے؟کہاں ہیں سب؟" تیزی سے پوچھتے، گردن اُٹھا کر گیٹ کی طرف دیکھتے سُہیل کا صبر اب جواب دے رہا تھا۔

www.novelsclubb.com

''سُہیل گولی کچھ غُنڈوں نے چلائی تھی۔۔۔اسماعیل کو لگی۔۔۔''رُک کر اُنکے تاثرات دیکھے اور اور پھر گویا ہوئے،

''اور وہ۔۔۔وہ مناہل کو لے گئے۔۔۔ لیکن تم۔۔۔''افضل کی بات مکمل ہی نہ ہو سکی اور سُہیل اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکے،افضل نے تیزی سے اُنہیں تھاما۔

''رعناء! شائستہ! ریاض!۔۔۔باہر آؤ!۔۔۔آصفہ!''وہ اُنہیں تھامتے اندر کی طرف آوازیں دینے لگے۔

لاؤنج میں بیٹھے اُن سب میں سے سب سے پہلے اُٹھنے والی رعناء تھیں،اور پھر وہ سب پریشان سے باہر کی طرف دوڑے۔ریاض اور افضل نے بمشکل بے سُدھ ہوئے سُہیل کو اندر لایا اور وہیں صوفے پر لِٹا دیا۔کوئی بھاگ کر پانی لایا تو کوئی اُنکے ہاتھ پاؤں ملنے لگا۔

"ہاجرہ! عُمائمہ!" شائستہ نے اُنکا دروازہ بجایا۔اندر کھڑی عُمائمہ چونکی اور اُسی طرح بے یقین سے انداز میں دروازہ کھولا۔

"باہر آؤ! سُہیل بیہوش ہوگ ئے ہیں۔" شائستہ کہہ کر واپس مڑ گئیں، وہ تینوں دھڑکتے دِلوں کے ساتھ باہر آئیں۔

"یا میرے للہ! میرے بچے کیا ہوا ہے؟ کوئی مجھے بھی تو بتاؤ!" بجّو اماں کو سُہیل کے کپڑوں پر لگے خون کو ہی دیکھ دیکھ کر ہول اُٹھ رہے تھے۔

"ہاجرہ! ڈاکٹر کو کال کرو، سُہیل کو ہوش نہیں آرہا!" رعناء نیچے صوفے کے پاس بیٹھیں اُنکے ہاتھ مل رہی تھیں۔

"میری بات سُنیں! کوئی واویلا نہیں مچاۓ گا۔۔۔" افضل اُن سے کی طرف متوجہ ہوئے، عُمائمہ نے بے اختیار ساتھ کھڑی عائشہ کا بازو تھاما، شائستہ آصفہ کے قریب آکر کھڑی ہو گئیں،

''باہر کچھ غُنڈے تھے،اُنہوں نے ہی گولی چلائی تھی۔۔۔''

''یااللہ رحم!''بجّو اماں نے تسبیح والا ہاتھ اپنے دل پر رکھا۔

''گولی اسماعیل کو لگی ہے۔۔۔''افضل رُکے،چند لمحے،وہ شاید اپنے آنسو ضبط کر رہے تھے،

''اور وہ لوگ مناہل کو اغواء کر کے لے گئے ہیں۔''

آصفہ جو دَم سادھے کھڑی تھیں،ساتھ کھڑی شائستہ کا سہارا لینا پڑا،فوزیہ بیگم کی آنکھیں پھیل گئیں اور دونوں ہاتھ منہ پر رکھ لئے۔

عُمائمہ اب اپنے آنسو روکنے سے قاصر تھی،ابتدائی شاک سے نکلنا جتنا مشکل تھا،اصلیت کو ماننا اُتنا ہی ناممکن تھا۔

''عدیل،اسماعیل کو لے کر ہاسپٹل گیا ہے،وہ ٹھیک ہو گا اِنشاءاللہ۔۔۔''

''مناہل؟میری مناہل؟''آصفہ بڑبڑائیں۔

''اسفند اور سیف اُسے لینے گئے ہیں، وہ اُسے لے کر ہی آئینگے۔''افضل نے آصفہ کو بتاتے بتاتے ریاض کی طرف رُخ کیا۔

''سیف ابھی ہی آیا تھا۔''

''رعناء! میرا فون لاؤ!۔۔۔عدیل کو، اسفند کو ملاؤ۔۔۔جلدی کرو۔''رعناء تیزی سے اثبات میں سر ہلاتی اُٹھیں اور اُنکے کمرے کی طرف گئیں۔

بجّو اماں اب مزید تیزی سے تسبیح کے دانے گرا رہی تھیں۔

حالات کیسے بھی ہوں، خواہ ہم خوش ہوں یا پھر غمناک ہوں، ایک واحد طاقت جو ہمیں تھامے رکھتی ہے وہ صرف اللہ ہے۔

※※※

''اسماعیل۔۔۔اسماعیل۔۔''وہ مدھم سی آواز میں نیم بیہوشی میں بڑبڑا رہی تھی۔اُسکی آواز پر پِچھلی سیٹ پر اُسکے ساتھ بیٹھے لڑکے انتہائی بیزاریت سے اُسے دیکھا۔

''اَبے اُو! اِسے ہوش آرہا ہے، میں نے بکواس بھی کیا تھا۔۔۔''

ڈرائیو کرتے لڑکے نے تلخی سے اُسکی بات کاٹی،

''ہاں پتہ ہے تُو نے بکواس کیا تھا کہ بیہوش کرنے والی دوائی خرید لو، مگر ہم نے نہیں خریدی، تو؟''

''دیکھا اگر یہ جاگ گئی اور اِس نے شور مچایا تو؟''اُسے اب ڈر لگ رہا تھا۔

''شور کریگی تو کیا؟ایک چماٹ دینا منہ پر، ویسے بھی لڑکیوں کا پسندیدہ مشغلہ ہوتا ہے رونا! روتی رہے گی گھنٹہ بھر، جان چھوٹ جائے گی شور سے۔''فرنٹ پر بیٹھے لڑکے نے ہنس کر کہا۔

اُنکی گاڑی اب مین روڈ پر تھی، دُھند کے باوجود رات کی ساری ٹریفک اُسی زور و شور سے رواں تھی۔

"اور ویسے بھی بھرے مال میں اِس نے جو میری بے عزتی کی ہے نا، اُسکے بدلے میں جو اِس کے ساتھ ہو گا اُس کیلیٔے اِسے ہوش میں ہی رہنا پڑے گا۔" ڈرائیو کرتے لڑکے نے وحشت ناک قہقہہ لگایا۔

مناہل اب مسلسل کچھ بڑبڑا رہی تھی، وہ مکمل ہوش میں نہیں تھی۔

"ہاں یار! اب ہمارے یہاں تو عزت کا بدلہ عزت ہی ہوتی ہے۔" پیچھے بیٹھے لڑکے نے مسکرا کر کہا اور ساتھ بے سُدھ پڑی مناہل کے پاؤں پر اُنگلی پھیری۔ گاڑی چلاتے لڑکے نے منظر دیکھا اور ایک جھٹکے کی بریک کے ساتھ گاڑی روکی اور مڑ کر اُس کے گریبان پر جھپٹا۔

"کمینے انسان! میں نے تجھے پہلے بھی کہا ہے کہ وہ صرف میرا بدلہ ہے! میرا!" کہہ کر ایک جھٹکے سے اُسے چھوڑا۔

"بس بس ٹھنڈا ہو جا۔۔۔گاڑی چلا۔" سامنے والے لڑکے نے کندھے سے پکڑ کر اُسے واپس کھینچا، وہ بُرا سامنہ بنائے اپنے بٹن بند کرنے لگا۔

※※※

"سیف سپیڈ بڑھاؤ!" انکی گاڑی بھی اب مین روڈ پر تھی، اُن لڑکوں کی گاڑی تھوڑی دیر پہلے آنکھوں سے اُوجھل ہو گئی تھی مگر اب پھر سامنے ہی نظر آ رہی تھی۔

اسفند نے بروقت اپنا فون نکالا اور فرحان کو کال ملائی۔

"اسفند صاحب! مل گئی فُرصت؟" دوسری طرف فون اُٹھاتے ہی فرحان کا کھلا ہوا لہجہ سُنائی دیا۔

"فرحان۔۔۔مناہل کو کچھ لوگ اغواء کر کے لے جا رہے ہیں، ہم اُنکا پیچھا کر رہے ہیں، گاڑی بالکل ہمارے سامنے ہے۔"

"واٹ؟!" فرحان اپنے ایک دوست کے آفس میں بیٹھا تھا، بے اختیار اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

"مناہل کو؟ کیسے؟ کون لوگ ہیں؟"

"یہ سب میں بعد میں بتاؤں گا، فلحال کچھ کر، انکل کو بتا اور کہہ کہ وہ اگلے چیک پوائینٹ پر ناکہ لگوائیں اور اُنہیں پکڑیں، مناہل اُنکی گاڑی میں ہی ہے۔"

"ٹھیک ہے میں پاپا کو کال کرتا ہوں، خود بھی پہنچتا ہوں، فکر نہ کر، گاڑی کا نمبر مجھے بھیج دے بس۔"

وہ اب تیز تیز چلتا آفس سے نکل کر پارکنگ کی طرف جا رہا تھا۔

※ ※ ※

ہاسپٹل کے سامنے گاڑی روک کر عدیل تیزی سے اندر کی طرف بھاگا اور اُنہیں اسٹریچر لانے کا کہا۔

اسماعیل کو فوراً گاڑی سے نکال کر اسٹریچر پر لٹایا گیا اور عدیل اب اُسکے ساتھ ساتھ چلتا اندر جا رہا تھا، وہ اُسکے بال سہلا رہا تھا، جیسے وہ بچپن میں کیا کرتا تھا، ہاسپٹل کی راہداری سے گزرتے اُس نے اپنی اب

تک کی ساری زندگی کو اپنے سامنے کسی فلم کی طرح چلتے دیکھا، وہ زندگی جس کا محور اُسکے اپنے بہن بھائی تھے۔

عدیل نے ہمیشہ ہی اُسے ایک بڑے بھائی کی طرح ٹریٹ کیا تھا، وہ اُس سے لڑتا اور مزاق کرتا تھا مگر ایک حد تک۔ایک بڑا بھائی اور ایک چھوٹا بھائی ہونے کی وجہ سے شاید اُن میں عجیب سا ایک تکلُف آڑے آجاتا تھا۔وہ ہاجرہ کے زیادہ قریب تھا اور عدیل اسفند کے، لیکن اب جب وہ اسماعیل کو اپنے سامنے ایسی حالت میں دیکھ رہا تھا تو اُسکا دل خون کے آنسو رو رہا تھا، اپنوں کی تکلیف کیا ہوتی ہے اب اندازہ ہو رہا تھا، ایک بھائی سے کتنی محبت ہوتی ہے اب احساس ہو رہا تھا۔

اُسکی سوچوں کا تسلسل ڈاکٹر کی آواز سے ٹوٹا، وہ اسماعیل کو آئی سی یو میں لے جا چکے تھے، اور عدیل کو خون کا بندوبست کہنے کا کہہ رہے تھے۔

اسماعیل کا کافی خون بہہ گیا تھا، یہ تو کوئی بھی اُسکا زرد و سفید ہوتا چہرہ دیکھ کر بتا سکتا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا، آئی سی یو کے سامنے سے ہٹ گیا اور کوئی ایسا کونا تلاش کرنے لگا جہاں وہ رو سکے، وہ مرد تھا، رونا تو اُسے بھی آتا تھا، لیکن وہ سب کے سامنے روئے گا تو اُسکا مزاق بنے گا، اُسے بے اختیار لڑکیوں پر رشک آیا تھا۔

اُسکا فون بجنے لگا تھا، وہ جانتا تھا گھر والوں کو بھی ابھی تک پتا چل گیا ہو گا، کسی میکانکی انداز میں اُس نے فون نکالا، راہداری میں موجود ایک کُرسی پر بیٹھ گیا اور فون کان کو لگایا۔

دوسری طرف بجّو اماں تھیں، اُنہوں نے کچھ کہا، کچھ پوچھا، لیکن عدیل نے کچھ نہیں سُنا، اُنکی آواز پر اُسکا صبر جواب دے گیا تھا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا، آواز کے ساتھ، بجّو اماں خود بھی رو رہی تھیں مگر اب وہ کچھ بول نہیں رہی تھیں، بس روتے ہوئے اسکی ہچکیاں سُن رہی تھیں۔ عدیل وہ واحد تھا جس کے بارے میں سارا خاندان کہہ سکتا تھا کہ بچپن کے سات، آٹھ سالوں کے بعد اُنہوں نے اُسے روتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ لیکن اب وہ اِس طرح رو رہا تھا تو بجّو اماں کا دل کٹ رہا تھا۔

''اماں۔۔۔'' تھوڑی دیر بعد اُس نے مخاطب کیا۔

''جی میری جان۔۔۔'' روتے ہوئے مُسکرا کر کہا۔

''اسماعیل کا بہت۔۔۔بہت خون بہہ گیا ہے۔۔۔آپ۔۔۔بابا کو فون دیں، وہ۔۔۔خون کا بندوبست کریں۔۔''

''اللہ پر بھروسہ رکھو میرا بچہ، وہ ایک بہادر مرد ہے، کچھ نہیں ہوگا اُسے، فکر نہ کرو، یہ لو بات کرو۔۔۔'' کہہ کر انھوں نے فون افضل کو تھما دیا۔

عدیل نے اُنہیں بلڈ گروپ بتایا اور فون بند کر دیا، پھر وہیں بیٹھے کُرسی کی پُشت پر سر ٹِکا دیا اور آنکھیں موند لیں، کپکپاتے ہونٹوں کے ساتھ وہ مسلسل کچھ پڑھ رہا تھا۔

※※※

افضل نے فون بند کیا اور پھر اپنے دوستوں کو ملانے لگے۔کال ملاتے ہوئے ریاض پر نظر پڑی،وہ اشارے سے کچھ کہہ رہے تھے،اُنہوں نے فون بند کیا اور اُنکی طرف متوجہ ہوئے۔

"کیا بلڈ گروپ ہے؟"اُنہوں نے پوچھا۔

"اے بی پازیٹِو ہے۔"افضل نے بتایا۔

"کیا تم نے ہمیں غیر سمجھ لیا ہے جو گھر والوں سے پوچھے بغیر ہی باہر رابطے کرنے لگ گئے ہو؟"

ریاض نے قریب آکر اُنکا شانہ تھپکا۔

"میرا بلڈ گروپ اے بی پازیٹِو ہی ہے،چلو ہاسپٹل۔"افضل نے اثبات میں سر ہلایا۔

"مجھے بھی لے جائیں آفضل۔"بے قراری سے آگے آتی شائستہ نے اپنے شوہر کو آنکھوں میں اُمید کے آنسو لیے دیکھا۔

"ٹھیک ہے چلو۔"

شائستہ نے تیزی سے اپنا دوپٹہ اپنے سر اور کندھوں پر پھیلایا اور انکے ساتھ ہولیں۔

"رعناء، سُہیل کو کچھ دیر تک ہوش آجائے گا ہو سکتا ہے تب تک حالات ٹھیک ہوں، امّاں آپ لوگ اُسے سنبھال لیجئے گا اور آصفہ بھابھی! آپ فکر نہ کریں اب میں آؤنگا تو مناہل کو لے کر ہی آؤنگا۔"

کہہ کر افضل نے باہر کو قدم بڑھادیئے۔

اُن سب کے جانے کے بعد بجّو اماں نے وہیں صوفے پر بیٹھے ہی نماز پڑھی اور پھر اپنی تسبیح پڑھنے لگیں۔ہاجرہ، عُمائمہ اور عائشہ نے بھی وضو کر کے نماز پڑھی۔

عُمائمہ اگر اُس وقت شاک میں گئی تھی تو اب وہ بالکل خاموش صدمے میں تھی، مناہل پر تو وہ اپنی عائشہ سے بھی زیادہ جان چِھڑکتی تھی، من پسند شخص کی من پسند چیزوں سے بھی انسان محبت کرنے لگتا ہے۔

آصفہ نی ایک نظر اُن سب کو دیکھا اور پھر ایک نظر اپنے ساتھ والے صوفے پر سوئے اپنے شوہر کو،

اُنہوں نے کیا سوچا تھا اور کیا ہو رہا تھا؟ وہ کیا پلان کر رہے تھے اور اللہ نے کیا پلان کیا تھا، اور بے شک

ہم نہیں جانتے، ہم نہیں سمجھتے، لیکن اللہ کے پلان سب سے بہترین اور شاندار ہوتے ہیں۔

※※※

''اسفند کیا وہ گاڑی اب بھی تمہارے سامنے ہے؟'' فرحان کے کال کرنے کے بعد خلیل صاحب

اب خود اسفند سے رابطے میں تھے۔

''جی انکل، وہ ہمارے سامنے ہی ہیں۔'' اُس نے وِنڈ سکرین کے پار دیکھتے ہوئے کہا۔

''او کے بیٹا فکر نہ کرو، بس اِسی سڑک پر روک لینگے آگے اُنکو، میں یہیں ہوں۔'' اُنہوں نے یقین دِلا

کر رابطہ منقطع کر دیا۔

※※※

"ابے یار! یہ پولیس کہاں سے آگئی؟" ڈرائیو کرتے لڑکے نے بے حد بدمزہ ہو کر کہا۔

دوسرے دونوں نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر مناہل کو۔

"اِس لڑکی کو اُٹھا کر بٹھا دیتے ہیں، وہ ویسے بھی مکمل بیہوش نہیں ہے، اگر پولیس نے روکا بھی تو کہینگے ہماری رشتہ دار ہے، ہسپتال لے کر جا رہے ہیں۔" آگے بیٹھے لڑکے نے مشورہ دیا۔

ڈرائیو کرتے لڑکے نے گاڑی کی رفتار آہستہ کی اور کچھ دیر سوچنے کے بعد ایک تیز نظر پیچھے بیٹھے لڑکے پر ڈالی اور پھر مناہل پر، پھر گھور کر اُسے سیدھا بٹھانے کا اشارہ کیا۔

اُس نے مناہل کو کندھوں سے پکڑ کر اُٹھایا اور سیٹ کی پُشت کے ساتھ سر ٹِکا دیا، وہ ابھی بھی بڑبڑا رہی تھی، آنکھیں نیم کھُلی تھیں۔

تھوڑا اور آگے جانے پر پولیس اور بھی قریب آگئی تھی۔

اسفند اور عدیل کی گاڑی بھی اب بس اُنکے پیچھے ہی تھی۔

ایک آفیسر نے اُنہیں رُکنے کا اشارہ کیا اور اُس لڑکے نے شدید شرافت کا مظاہرہ کرتے ہوئے،

چہرے کو خوشگوار بنائے گاڑی روک دی۔

"باہر نکلو!" درشتگی سے کہا۔

اُس لڑکے نے پہلے اپنے ساتھ بیٹھے لڑکے کو دیکھا اور پھر پیچھے والے کو، وہ دونوں اُس کے مقابلے

میں خاصے ڈرے ہوئے لگتے تھے۔

وہ دروازہ کھول کر باہر آگیا۔

"ہاں بھئی! کہاں جا رہے ہو؟" اب کہ وہ افسر پیچھے ہو گیا اور خلیل نے اُسے براہِ راست مخاطب کیا۔

"یہ لڑکی کون ہے؟" باقی افسران اب اُنکی گاڑی کو مکمل گھیر چکے تھے۔

"یہ۔۔۔" وہ ہنسا، "یہ میری کزن ہے، اصل میں اُسکی طبیعت خراب ہو گئی تھی تو ہم ہاسپٹل لے کر

جا رہے ہیں۔" کمال بے فکری سے جھوٹ گھڑا۔

''اچھا، لیکن یہ سڑک تو شہر سے باہر جانے والی ہے، یہاں آگے تقریباً پچاس کلو میٹر تک کوئی ہسپتال نہیں ہے۔'' پتھر سے تاثرات لیے خلیل نے اُس لڑکے کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

سیکینڈ کے ہزارویں حصے میں اُسکا رنگ اُڑا۔

اُسی لمحے اسفند اور عدیل کی گاڑی عین پیچھے آکر رُکی۔

''اسفند!'' فرحان جو خلیل کی گاڑی میں بیٹھا تھا اُسے دیکھ کر اُنکے پاس آگیا۔

''مناہل!۔۔۔مناہل کہاں ہے؟'' وہ دیوانہ وار گاڑی سے اُتر کر اُنکی گاڑی کی طرف لپکا۔

خلیل نے ایک جھٹکے سے اُس لڑکے کی گردن دبوچی اور باقی افسران نے ان دونوں کو بھی گاڑی میں سے نکالا۔

''چلو اب زرا تھانے! وہیں پتا چلے گا کہ کس کی کتنی طبیعت خراب ہونے والی ہے، حرام خورو!''

خلیل نے اُس لڑکے کو بھی افسروں کے حوالے کیا، وہ اب اُن تینوں کو موبائل میں ڈال رہے تھے۔

اسفند اُنکے پیچھے ہٹنے پر تیزی سے مناہل کی طرف آیا اور اُسکا چہرہ تھتھپایا، اُس نے تھوڑی سی آنکھیں کھولیں اور پھر بند کرلیں، اسفند کا جیسے دل ڈوبا۔

"مناہل! اُٹھو!۔۔۔اٹھو یار اب کتنا تنگ کرو گی!" اُسکی آنکھوں میں ایک بار پھر نمی اُترنے لگی تھی۔

وہ لڑکے اب شور مچاتے، معافی مانگتے، انکار کرتے نظر آرہے تھے، پولیس اب اُنہیں ہتھکڑیاں لگائے تھانے لے جانے کا انتظام کررہی تھی۔

اسفند نے مناہل کو تیزی سے گاڑی کی سیٹ سے اُٹھایا اور اپنی گاڑی کی طرف لے آکر اُسے احتیاط سے اندر لِٹا دیا۔ نرمی سے اُسکے بال سہلائے، کتنی محنت سے، کتنا ٹائم لگا کر اُس نے بنوائے تھے، اُس نے کتنی ہی پِنیں لگادی تھیں لیکن لٹیں باہر نکل ہی آتی تھیں، اسفند نم آنکھوں سے مُسکرادیا، دروازہ بند کرکے واپس خلیل اور فرحان کے طرف آیا۔

''انکل آج آپ نے ہمارے خاندان پر بہت بڑااحسان کیا ہے، آپ نے ہماری عزت بچائی ہے، میں آپکااحسان کبھی نہیں بھولونگا۔''

سیف نے بھی مُسکرا کر دیکھا۔

''نہیں میرا بچہ، مناہل میری بھی بیٹی جیسی ہے، تم اب گھر جاؤ سب پریشان ہونگے، اور اُن لڑکوں کی فکر نہ کرو اِنکو تواب میں ایسا دیکھونگا دوبارہ آنکھ اُٹھانے کے قابل نہیں رہینگے۔''اُنہوں نے اسفند کو گلے لگایا۔

''بہت شُکریہ!''

''میرا بھی شُکریہ!''فرحان نے منہ بنایا۔

''اوہ!۔۔۔ہاں بھئی، تیرا بھی بہت شُکریہ!''اسفند مُسکرا کر آگے بڑھا۔

''نا بھئی! میں نے ایسا سوکھا ساشکریہ نہیں لینا، چل نکل، میں بعد میں آؤنگا بیٹا!''فرحان نے منہ پھیر کر کہا، وہ سب مُسکرا دی ئے۔

''اسفند گھر چلو، سب پریشان ہیں۔''سیف نے اُسکا کندھا تھپکا۔

اسفند نے اثبات میں سر ہلایا اور گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

※※※

ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے اُن سب کی انتظار کی گھڑیاں ختم ہی نہیں ہو رہی تھیں، ہر گزرتے لمحے کے ساتھ رات گہری ہوتی جا رہی تھی لیکن نیند اُن سب کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ سُہیل کو ڈاکٹر نے آرامدہ انجیکشن لگا دیا تھا، جس کے زیرِ اثر وہ سو رہے تھے، لاؤنج میں واحد آواز اُنکے خراٹوں کی ہی تھی۔ آمنہ اور جویریہ بھی سو چکی تھیں۔

کبھی کبھی ہر چیز سے بیگانہ ہو جانا بھی ہمیں بہت زیادہ فائدہ دے جاتا ہے۔

www.novelsclubb.com

ماحول کی خاموشی کو ہاجرہ کے فون کی آواز نے توڑا۔

"اسفند کی کال ہے۔" کہتے ہوئے اُس نے فون کان کو لگایا، بہت سے دل ایک ساتھ دھڑکے تھے۔

"جی بھائی! شکر للہ کا، ٹھیک ہے۔۔۔اوکے۔۔۔میں بتاتی ہوں۔۔۔ٹھیک ہے، للہ حافظ!" اُس نے فون بند کیا، وہ سب اُسکی طرف منتظر نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔اُس نے ایک نظر اُن سب کو دیکھا اور بیک وقت اپنی ہنسی اور آنکھوں کی نمی چھپانے کی ناکام کوشش کی۔

"مناہل اسفند کے ساتھ ہی ہے، وہ اُسے اُن غُنڈوں سے لے آئے ہیں، سیف بھی ساتھ ہی ہیں، شہر سے باہر جانے والی سڑک پر ناکے لگوا کر پکڑا ہے خلیل انکل خود آئے تھے۔" مُسکرا کر کہا۔

"یا میرے للہ! شکر ہے! شکر ہے تیری پاک زات کا پروردگارا!" بجّو اماں کو اپنے رب کا شکر ادا کرنے کیلئے الفاظ نہیں مل رہے تھے۔

وہ نم آنکھوں سے مُسکرا رہی تھیں، آصفہ ایک بار پھر رونے لگی تھیں، وہاں موجود ہر زی نفس کے لبوں پر شکر کا کلمہ تھا اور آنکھوں میں چھلکتی نمی۔

"وہ گھر کب آرہے ہیں؟" رعناء نے گیلی سانس اندر کھینچی۔

"مناہل ابھی بیہوش ہے، شاید ڈر کی وجہ سے، اسفند اُسے پہلے ہاسپٹل لے کر جارہا ہے، تھوڑی دیر تک آجائینگے۔"

"انشاءاللہ!" عُمائمہ نے نم آنکھوں سے ہاجرہ کا بازو تھاما۔

※ ※ ※

اسفند نے ہاجرہ کی کال بند کر کے عدیل کو ملائی۔

"مناہل؟" رابطہ جُڑتے ہی دھڑکتے دل کے ساتھ پوچھا۔

''ہاں ہم لے آئے ہیں مناہل کو، کچھ نہیں ہوا اُسے، بس ڈر کی وجہ سے بیہوش ہے''اسفند نے مُسکرا کر پیچھے نظر ڈالی، ''اسماعیل کیسا ہے؟''

''شکر للہ کا! اللہ نے بہت کرم کیا ہے ہم پہ!''اُس نے بے اختیار کہا۔

''بالکل! اسماعیل کیسا ہے؟''اسفند نے پھر پوچھا۔

''اُسکا کافی خون بہہ گیا ہے، ریاض انکل کا بلڈ گروپ میچ کر گیا ہے، وہ دے رہے ہیں بلڈ، بابا اور ماما بھی یہیں ہیں۔''عدیل نے تفصیل سے بتایا۔

اسفند نے بے اختیار ساتھ بیٹھے سیف کو دیکھا، وہ سنجیدہ سا گاڑی چلا رہا تھا، اسفند کی نظر میں جو عزت اُس نے اور اُسکی فیملی نے کمائی تھی وہ کوئی اور نہیں کما سکتا تھا، اور پھر عزت دینے اور لینے والی ذات تو اللہ ہی کی ہے۔

اسفند نے اُس سے ایڈریس پوچھا اور فون بند کر دیا۔

''سیف تمہارا ابھی میرے اوپر احسان رہے گا۔۔''وہ کچھ مزید کہتا لیکن اُس نے بات کاٹی۔

''کیا یار تم نے مجھے غیر سمجھ لیا ہے جو ایسے کہہ رہے ہو، میں بھی اب اِس فیملی کا حصہ ہوں، مناہل میری بھی کچھ لگتی ہے۔''سیف مسکرایا، اسفند بھی مُسکرا دیا۔

''مناہل مل گئی ؟''فون بند ہوتے ہی شائستہ نے پوچھا۔

''جی ماما، اسفند یہیں لا رہا ہے اُسے، وہ بیہوش ہے ابھی۔''مُسکرا کر کہا۔

''الحمدُاللہ! بس اب میرا اسماعیل بھی جلدی ٹھیک ہو جائے۔''اُنہوں نے ایک نظر آئی سی یو کے بند دروازے پر ڈالی۔

※※※

ہلکی ہلکی سر گوشی نما آوازیں اُس کے قریب سے آ رہی تھیں، اُس نے آوازیں پہچاننے کی کوشش کی، دماغ پر زور ڈالنا پڑا، پھر اُس نے آہستہ آہستہ اپنی آنکھیں کھولیں، سفید چھت اُسکے سامنے تھی،

ٹھنڈی خُنکی اچانک سے زیادہ محسوس ہونے لگی تھی، پھر اُس نے کسی کو اپنے پاس آتے دیکھا، وہ اُس سے کچھ پوچھ رہا تھا، کیا؟ کون تھا وہ؟ اُس نے سوچنا چاہا لیکن اُسکا ذہن دوبارہ تاریکی میں اُتر گیا۔

کافی دیر بعد دوبارہ اُسکی آنکھ کھُلی، اب کمرے میں مکمل خاموشی تھی، سردی ابھی بھی لگ رہی تھی، شایہ کسی نے اُسکے کمرے کی کھڑکی کھُلی چھوڑدی تھی، اُس نے سوچا، اُسکا کمرہ؟ چند لمحے سفید چھت کو گھورنے کے بعد اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا، ساتھ پڑی کُرسی پر کوئی بیٹھا بیٹھا ہی سو گیا تھا، ایک جھماکے سے اُسے یاد آیا کہ وہ کون تھا، وہ اسفند تھا، اُسکا بڑا بھائی، وہ یہاں کیسے آئی تھی؟ ہاں، یاد آیا، اُسے اغواء کر کے لے جا رہے تھے کچھ لوگ، پھر اُنہوں نے گولی چلائی تھی، گولی؟

گولی اسماعیل کو لگی تھی، پھر؟ بس۔۔۔اُسے آگے کچھ یاد نہیں تھا۔

اُس نے کانپتا ہوا ہاتھ اُٹھا کر ساتھ بیٹھے اسفند کے ہاتھ پر رکھا، وہ ہڑبڑا کر اُٹھا، مناہل مُسکرا دی، اسفند اُس سے زیادہ کھلکھلایا۔

''کتنا تنگ کیا ہے نا آج تم نے ہمیں۔''اُس نے اُسکا کینولا لگا ہاتھ سہلایا۔

''میرا ریکارڈ کوئی توڑ سکتا ہے بھلا؟''ہلکی سی آواز میں بمشکل کہا،اسفند مُسکرا دیا۔

کچھ ہی گھنٹوں میں اُسکے چہرے کی گلابی چمک ماند پڑ گئی تھی،اُسکی آنکھوں کے گرد ہلکے پڑ گئے تھے اور وہ کمزور نظر آنے لگی تھی۔

''بھائی!''تھوڑی دیر بعد مخاطب کیا۔

''ہاں بولو۔''مسکرا کر کہا۔

''اسماعیل کہاں ہے؟''اسفند کی مُسکراہٹ سِمٹی،گہرا سانس لیا۔

''اُسے گولی لگی تھی،ڈاکٹرز نے گولی نکال دی ہے،لیکن اُسکا بہت خون بہہ گیا تھا،ابھی وہ ہوش میں نہیں آرہا۔''

''میں اُسے دیکھ سکتی ہوں؟''مناہل نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

※ ※ ※

"عدیل کہاں ہو؟" اسفند نے عدیل کو کال ملائی، وہ اب کُرسی سے اُٹھ کر اِدھر اُدھر چکر لگا رہا تھا۔

"یہیں ہوں آئی سی یو پورشن میں" وہ کرسی پر بیٹھا بیٹھا اب ٹھنڈ کی وجہ سی تقریباً کانپ رہا تھا۔

"مناہل کو ہوش آگیا ہے، ڈاکٹرز نے کہا گھر لے جا سکتے ہیں۔" اُس نے ایک نظر بیڈ پر بیٹھی مناہل کو دیکھا، "وہ اسماعیل کو دیکھنا چاہ رہی ہے۔"

"اچھا! واہ۔۔۔" اُس نے مسکرا کر کہا، "میں ماما بابا کو بھیجتا ہوں۔"

کہہ کر فون بند کر دیا۔

تھوڑی دیر بعد افضل اور شائستہ بھی مناہل کے ساتھ ہی بیٹھے تھے۔ عدیل بھی اوپر آگیا تھا۔

"سیف کہاں ہے؟" اسفند کو یاد آیا۔

"ریاض اور وہ کافی دیر پہلے ہی چلے گئے تھے، رات بہت ہو گئی ہے ویسے بھی۔" افضل نے بتایا۔

''اسفند تم سب کو گھر لے جاؤ، مناہل کو بھی لے جاؤ، بھئی آخر کو اِنہوں نے آج ہمارے پیروں کے نیچے سے زمین نکال دی تھی۔''عدیل نے ہنس کر کہا۔

''عدیل بھائی میں نے جان بوجھ کہ تو نہیں نا کیا تھا کچھ۔''بروٹھے پن سے کہا۔

''ہاں بھئی! کوئی بات نہیں، بھول جاؤ اب۔''شائستہ نے اُسکے سر پر ہاتھ رکھا۔

''چلیں تائی جان؟''اسفند نے مُسکرا کر کہا۔

''لیکن اسماعیل؟''مناہل نے پھر کہا۔

''ابھی وہ ہوش میں نہیں ہے اور آئی سی یو میں ہے، وہاں جانے کی اجازت نہیں ہے، کل تک انشاءللہ بہتر ہو جائے گا پھر دیکھ لینا۔''عدیل نے تسلی دی۔

''اوکے۔''بددلی سے کہتی وہ اُٹھنے لگی، شائستہ نے آگے بڑھ کر اُسکا ہاتھ تھام لیا۔

※※※

گھر کے باہر ایک بار پھر ہارن کی آواز سنائی دی، آصفہ بے اختیار اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئیں اور اُن سب نے رعناء کی طرف دیکھا۔بے چینی سے۔خوف سے۔

''رعناء اور میں دیکھتے ہیں، لڑکیو تم لوگوں میں سے کوئی باہر نہ آئے۔'' کہہ کر وہ دونوں باہر کی طرف بڑھ گئیں۔

رات کے تقریباً اَڑھائی بج رہے تھے، دُھند اب مکمل طور پر اپنا راج جما چکی تھی، گیٹ اور پورچ کے درمیان بھی اچھی خاصی دُھند تھی۔اُن دونوں کے پورچ میں آتے ہی چوکیدار نے گیٹ کھول دیا۔

اُسے رعناء نے ہی کال کر کے اُسکے کوارٹرز سے بلایا تھا، کوارٹرز گھر سے تھوڑے فاصلے پر تھے۔وہ آکر باہر ہی مستعدی سے کھڑا تھا۔

گاڑی پورچ میں رُکی تو اُن دونوں کی نظریں ڈرائیو کرتے اسفند پر گئیں اور پھر اُسکے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی مناہل پر۔ اسفند اپنی بہن کو بحفاظت گھر لے آیا تھا۔ آصفہ نے اپنی ہچکیاں روکنے کو ہاتھ منہ پر رکھ لیا۔

وہ اب گاڑی سے اُتر رہی تھی، شائستہ اور افضل بھی، لیکن آصفہ کو صرف وہی نظر آرہی تھی۔ وہ اُسکے پاس جانا چاہتی تھیں لیکن قدم زنجیر ہوئے جارہے تھے۔ مناہل نے گاڑی کا دروازہ بند کیا اور بھاگ کر ماں سے لپٹ گئی، چند لمحے، چند سیکنڈز، آصفہ کو سب خیال لگا لیکن پھر مناہل کے رونے کی آواز نے اُنہیں ہوش دِلایا۔ اُنہوں نے بڑی نرمی سے اُسکے گرد بازو پھیلائے اور اُسے اپنے ساتھ لگائے آنکھیں موندلیں۔

ہاں یہ سچ ہے کہ اولاد، ماں کے جسم کے ٹکڑوں کی طرح ہوتی ہے، اور جب وہ ساری دُنیا سے ہو کر اُنکے پاس لوٹ کر آتی ہے اور اُن سے لپٹ جاتی ہے تو وہ ماں کے وجود کو مکمل کر دیتی ہے۔

وہ دونوں روئے جا رہی تھیں، باہر کی آوازیں سُن کر اب ہاجرہ اور عُمائمہ بھی باہر ہی آگئی تھیں، وہ سب اُنہیں دیکھتے ہوئے نم آنکھوں سے مُسکرا رہے تھے، رو رہے تھے؟ ہنس رہے تھے؟ ہاں لیکن ایک چیز وہاں مشترِک تھی، خوشی، اطمینان!

"ماما بس کریں، اندر چلیں۔" اسفند نے ماں کا کندھا ہلایا۔

اُنہوں نے مناہل کے کندھے سے سر اُٹھا کر اُسے دیکھا، وہ اِتنے تھوڑے سے ہی گھنٹوں میں کتنا بڑا ہو گیا تھا۔ اُنہیں اُس پر فخر محسوس ہوا، نمی ایک بار پھر آنکھوں میں اُترنے لگی۔

"نہیں ماناب نہیں۔" مناہل نے اُنکے سینے سے سر اُٹھا کر اُنکے آنسو پونچھے۔ آصفہ مُسکرا دیں اور اسفند کو بھی گلے لگایا۔

وہ دونوں اب آصفہ نے دائیں بائیں جانب اُنکے گلے میں بازو ڈالے اندر داخل ہوئے، اور باقی سب اُنکے پیچھے۔

''مناہل میری بچی!''بجّو اماں نے اُنہیں داخل ہوتے دیکھ کر وہیں بیٹھے اپنے دونوں بازو پھیلائے۔

مناہل نے مسکرا کر ایک نظر آصفہ کو دیکھا،اُنہوں نے اثبات میں سر ہلایا اور پھر مناہل تقریباً بھاگتی ہوئی گئی اور اُن سے لپٹ گئی۔

اطمینان تھا جو ختم ہونے کو نہ تھا۔

سکون تھا جو ہر سو پھیل رہا تھا۔

''بابا کو کیا ہوا ہے؟''مناہل اب سُہیل کا ہاتھ تھامے صوفے کے پاس ہی نیچے کارپٹ پر بیٹھی تھی۔

''کچھ نہیں ہوا میرا بچہ،ٹرینکولائزر کا اثر ہے بس،سو رہے ہیں اُٹھ جائینگے تھوڑی دیر تک۔''آصفہ نے تسلی دی۔

''رعناء اُٹھو اسفند کو کھانا دو، یہ کھائے اور پھر عدیل کیل ئے بھی لے کر جائے، میرے بیچارے بچے بھوکے خوار ہو رہے ہیں۔'' بجّو اماں نے اپنی گود میں سر رکھ کر لیٹے اسفند کے ماتھے پر آئے بال ہٹائے، وہ اُس وقت سے ایسے ہی لیٹا تھا، اُن سب کے میلوڈرامے دیکھتا وقتاً فوقتاً مُسکرا رہا تھا۔

''اُٹھو اسفند چینج کرلو، میں کھانا لگاتی ہوں۔'' اسفند نے بے اختیار اپنے کُرتے کو دیکھا، خون اب سوکھ چکا تھا۔

رعناءُ مسکرا کر کچن کی طرف جانے لگیں۔

''بھوک تو مجھے بھی لگی ہے۔'' بجّو اماں نے پیچھے سے آواز دی اور کھسیانہ سا ہنسیں۔

''ہاں کھانا تو کسی نے نہیں کھایا ہوگا نا، یا پھر کھالیا؟'' مناہل نے پہلا جملہ افسوس سے اور دوسرا تفتیشی نظروں سے اُنہیں گھور کر دیکھتے ہوئے کہا۔

"یعنی ہم جو پریشان تھے، نیندیں غائب ہو گئی تھیں، بھوک اُڑ گئی تھی، اُنکی کوئی فکر نہیں، محترمہ کو بس یہ فکر ہے کہ ہم نے اکیلے کھانا تو نہیں کھالیا۔" اسفند نے صوفے سے اُٹھتے ہوئے منہ بنا کر کہا۔

مناہل سمیت سب ہنس دی ئے۔

"رعناء تم کھانا لگاؤ، سب ہی کھائینگے، افضل کو بھی دیکھو شائستہ وہ بھوکا نہ سوئے۔" بجّو اماں اپنی ہر اولاد کو یاد رکھے ہوئے تھیں۔

"میں آتا ہوں۔" کہہ کر اسفند سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ عُمائمہ نے اُسے تب تک دیکھا جب تک وہ نظروں سے اُوجھل نہیں ہو گیا۔

مقام اگر سیف نے حاصل کیا تھا اسفند کے دل میں تو ایک مقام اسفند نے بھی حاصل کیا تھا، عُمائمہ کے دل میں، اور پھر جسے دل ہی ایک مقام دے دے، اُسے باقی دُنیا میں موجود کسی بھی دوسرے مقام یا شخص سے کوئی سروکار نہیں رہتا۔

''چلو اُٹھو لڑکی تم بھی بدلو کپڑے جا کر۔'' بجّو اماں نے نیچے ہی بیٹھی اُن تینوں میں سے مناہل کو مخاطب کیا۔

''جی اماں!'' مناہل کے ساتھ وہ سب ہی اُٹھ گئیں۔ہاجرہ رعناء کے ساتھ کچن میں چلی گئی اور وہ دونوں مناہل کے ساتھ اوپر آ گئیں۔

※ ※ ※

''سُنیں!'' تھوڑی دیر بعد اسفند اپنے کمرے سے نکل کر،ہال میں بیٹھی عُمائمہ کو عادتاً نظر انداز کر کے سیڑھیوں کی طرف بڑھا تو اُس نے آواز دی۔

''جی بولیں۔'' مُسکرایا اور اُسکی طرف مڑا۔

عُمائمہ بھی صوفے سے اُٹھ کھڑی ہوئی،دونوں کے درمیان اب صوفہ تھا۔

''کچھ نہیں!'' کہہ کر دوبارہ رُخ پھیر لیا،وہ کہنا چاہتی تھی، مگر کہہ نہیں پا رہی تھی۔

''اچھا آواز دے کر اگلے بندے کی ساری دُنیا جامد، ساکت کر کے اب آپ رُخ پھیر کر کہتی ہیں کچھ نہیں ؟'' وہ قدم قدم چلتا آگے آیا اور اُسکے بالکل سامنے کھڑا ہو گیا۔

عُمائمہ کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوئیں۔

''کیا ضرورت تھی ڈرامہ کرنے کی، دور سے ہی بکواس کر دیتی، اب سانس بھی نہیں آرہی، آرہا ہے مزہ؟'' اُس نے دل ہی دل میں خود کو خوب کوُسا۔

نظریں اُٹھا کر دیکھا، وہ اُسے ہی دیکھ رہا تھا، ہمیشہ کی طرح مکمل فُرصت سے۔

''بس یہ کہنا تھا کہ ۔۔۔'' اُس نے پھر بات ادھوری چھوڑی۔

''کہ ؟'' اسفند نے ابرو اُچکائی۔

''یہی کہنا تھا کہ میں بہت خوش قسمت ہوں جو آپ مجھے ملے !'' ایک ہی سانس میں آنکھیں بند کر کے کہا اور رُخ پھر سے پھیر لیا۔

اسفند مُسکرا دیا۔

''اچھا میں ابھی آپکو ملا کب ہوں؟''مُسکراہٹ فوراً چھپالی تھی۔

''مل گئے ہیں۔''عُمائمہ نے اُسے طرح کھڑے اُسے دیکھے بغیر کندھے اُچکائے۔

''اور اگر وہ گولی اسماعیل کے بجائے مجھے لگ جاتی، پھر؟''وہ اب اُسے تنگ کر رہا تھا، سارے دن کی تھکن اُتر گئی تھی۔

عُمائمہ کو لگا جیسے یکدم ہی ہوا میں آکسیجن کی کمی ہو گئی ہے، چونک کر مڑی، آنکھوں میں نمی اُبھری، اسفند نے اُس نازک صورتحال میں بمشکل مُسکراہٹ دبائی۔

''لگی تو نہیں نا۔''کمزور سے لہجے میں کہا۔

''اگر لگ جاتی؟''اُس نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ لیے، وہ محظوظ ہو رہا تھا۔

''میں ایسی فضولیات نہیں سوچتی، اب ہٹیں!''بے نیازی سی کہا اور اُسکے سامنے سے ہٹ گئی۔

''ایک بات بتاؤں؟''اسفند نے اُسی طرح کھڑے کہا۔

''بتائیں۔''عُمائمہ واپس صوفے پر بیٹھ گئی۔

''محبت ہو گئی ہے آپکو!''اُس کے قریب جھک کر سر گوشی کی۔

عُمائمہ نے نظر اُٹھا کر دیکھا اور پھر وہ مُسکرا دی،پورے دل سے،گال کا گڑھا واضع ہوا،اسفند بھی مُسکرا دیا،سیدھا ہو گیا اور جانے کیلئے مڑ گیا۔

''Proud of you Asfand''!

اُس نے پیچھے سے آواز دی،اِس بار وہ مڑا نہیں بس مُسکرا کر سر کو خَم دیا۔

من پسند شخص کی تھوڑی سی تعریف انسان کا منوں خون بڑھا دیتی ہے،اسفند کا بھی خون بڑھا تھا اور سیروں کے حساب سے بڑھا تھا۔

※※※

اُنکی آنکھ کھلی تو لاؤنج میں نیم اندھیرا تھا، سیڑھیوں کی بتی جلی ہوئی تھی، اُنہوں نے اُٹھنے کی کوشش کی اور بے اختیار کراہے، اتنی دیر صوفے پر لیٹنے کی وجہ سے جسم اکڑ گیا تھا۔

ماحول کو سمجھنے کی کوشش کرتے اُنہوں نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی، کچن اور ڈائیننگ روم کی بتیاں بھی جلی ہوئی تھیں۔ اُن سب کی باتیں کرنے اور ہنسنے کی آوازیں بھی آ رہی تھیں، کھڑکیوں کے باہر مکمل اندھیرا تھا۔

"یہ سب اتنی بُری سِچوئیشن میں کیسے ہنس سکتے ہیں؟" اُنہوں نے سوچا۔

وہ صوفے سے اُٹھ کھڑے ہوئے، ایک لمحے کیلئے آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا، کھڑا رہنے کیلئے صوفے کا سہارا لیا اور پھر ڈائیننگ روم کی طرف بڑھ گئے۔

کچن کے ساتھ بنے سلائیڈنگ ڈور کے پار ڈائینیگ ٹیبل کے گرد بیٹھے اُن سب میں قہقہے لگانے اور سب سے زیادہ بولنے والی ہمیشہ کی طرح مناہل ہی تھی۔ سُہیل کو حیرت کا ایک جھٹکا لگا، مناہل؟

''شاید میں خواب دیکھ رہا ہوں۔''اُنہوں نے سوچا اور چند لمحے اُسی طرح کھڑے رہنے کے بعد وہ واپس مڑے۔ وہ اُنہیں چھو کر دیکھنے کی ہمت نہیں رکھتے تھے کہ کہیں خواب ٹوٹ نہ جائے۔

''بابا!''وہ ابھی مڑے ہی تھے کہ مناہل نے آواز دی۔

وہ واپس اُن سب کی طرف مڑے، مناہل یکدم ہی اپنی کُرسی سے اُٹھی اور ان کے سینے سے آ لگی۔

وہ جسے اتنی دیر سے خواب سمجھ رہے تھے وہ ایک کھُلی حقیقت تھی۔ بعض اوقات زندگی کی حقیقتیں، خوابوں سے زیادہ خوبصورت ہوتی ہیں۔

※※※

افضل اور اسفند کھانا کھا کر عدیل کے پاس ہی آگئے تھے۔ اسماعیل کی طبیعت اب بہتر تھی، اُسے روم میں شفٹ کر دیا تھا، البتہ وہ ابھی ہوش میں نہیں آ رہا تھا۔

وہ ایک پرئیویٹ روم تھا۔ایک بیڈ مریض کیل ۓ اور ایک اٹینڈنٹ کیل ۓ،ایک طرف آرامدہ صوفے لگے تھے،جن پر عدیل اور اسفند آڑھے تِرچھے لیٹے تھے۔

افضل اُس سِنگل بیڈ پر لیٹے تھے۔

"جو طوفان اُنکی زندگی میں آیا تھا،وہ اُس میں سے صرف اپنی اولاد کی وجہ سے نکلے تھے۔"

※ ※ ※

باب نمبر چھ

"سہارا"

جب ہم جان لیتے ہیں

جیون کی گہرائی کو

اپنوں کی جُدائی کو

نم ہوتی بینائی کو۔

اور جب ہم۔۔۔

گر پڑتے ہیں،

بپھرے ہوئے طوفانوں میں

دل کے اُجڑے ویرانوں میں۔

اور پھر یکدم ہی،

سب چھَٹ جاتا ہے،

نظروں کا دھوکہ ہٹ جاتا ہے۔

پھر ہم جان جاتے ہیں،

www.novelsclubb.com

یہ احساس پاتے ہیں،

ہم تنہا نہیں تھے۔

دشت کی سیاہی میں،

ہمیں جس نے بچایا تھا،

طوفان کے زمانوں میں

واحد سہارا وہ،

ہمارا سپاس رہتا تھا۔

"ہمارا خدا تھا وہ،

شہ رگ کے پاس رہتا تھا!"

اُس نے دیکھا وہ ایک کھُلے میدان میں بھاگ رہا ہے، ہرے گھاس کا نرم قالین اُس کے پاؤں کے نیچے ہے۔ وہ چند لمحے بھاگنے کے بعد رُک جاتا ہے، جھک کر اپنے سانس کو بحال کرتا ہے اور پھر نظر اُٹھا کر چاروں طرف دیکھتا ہے۔

پاؤں کے نیچے ہر سُو ہرا گھاس اور سر کے اوپر شفاف نیلا آسمان۔

وہ مُسکرایا اور پھر آگے کی طرف بڑھنے لگا، وہ خوش تھا اور کسی کے پیچھے جا رہا تھا۔ تھوڑا آگے جانے کے بعد اُسے بڑے بڑے دو درخت نظر آئے جن کے تنے ساتھ ساتھ تھے، دونوں کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ تھا اور اُس فاصلے میں ایک بڑا جھولہ لگا تھا۔ جھولے کی رسیوں پر رنگ برنگے پھول لگے تھے اور کچھ جھولے پر بھی پڑے تھے اور وہ جھولے پر آرام آرام سے جھول رہی تھی۔

وہ پاؤں اوپر کیے جھولے کے ہتھے کے ساتھ ٹیک لگائے، گود میں رکھے پھولوں کو گجروں کی شکل میں پِرو رہی ہے۔ وہ اب اپنی رفتار آہستہ کر چکا تھا اور چلتا چلتا اُسکے جھولے کے قریب گیا۔ جھولے کو

جھٹکا دیا، رفتار تیز ہوئی تو اُس نے حیرت سے گردن موڑ کر دیکھا اور پھر وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ وہ سفید پوشاک نما لباس میں ملبوس ہے جس کے لمبے کونے ہوا سے پھڑ پھڑاتے ہوئے جھولے کے دائیں بائیں جانب پھیلے ہیں۔

وہ ایک بار پھر جھولے کو جھُلاتا ہے اور اِس بار وہ زرا زیادہ تیزی سے جھولنے لگتا ہے۔ وہ پھر سے ہنس دیتی ہے۔ اب وہ اپنے ہاتھ میں پکڑے پھولوں کو ایک خوبصورت شکل میں ڈھال چکی ہے اور اُنہیں اپنی دونوں کلائیوں میں پہن کر اُن پر اپنی مخروطی اُنگلی پھیر رہی ہے، جھولا پھر سے آہستہ ہو گیا ہے۔

اب وہ چلتا ہوا آگے آتا ہے اور اُس کے ساتھ ہی پاؤں لٹکائے جھولے پر بیٹھ جاتا ہے۔ اُس کے بیٹھنے پر وہ اپنے پاؤں سمیٹ لیتی ہے۔

''میں نے تمہیں پریشان کیا نا؟'' وہ پوچھتا ہے، اُسکے چہرے پر بچوں سی معصومیت ہے۔

''نہیں تو!'' وہ حیرانگی سے دیکھتی ہے۔

"لیکن تم نے تو مجھے بہت تنگ کیا ہے۔" اب کے اُسکی معصوم آنکھوں میں شرارت بھی اُبھرتی ہے۔

"یہ تو ہے!" وہ اُس شرارت کو بھانپ لیتی ہے اور کھلکھلا کر ہنستی ہے۔

ہرے گھاس کے کھلے فرش اور نیلے آسمان کے خوبصورت چھت کے نیچے اب اُنکی باتوں کی آوازیں اور قہقہوں کی کھنک سُنائی دے رہی ہے۔

اور پھر آہستہ آہستہ منظر دُھندلا سا جاتا ہے اور آوازیں بھی گڈمڈ ہونے لگتی ہیں، پھر ایک نئی طرز سے اُسکے خواب میں خلل پڑتا ہے۔اُسکی آنکھ کمرے میں ہونے والے شور کی وجہ سے کھُلی تھی، وہاں ہر طرح کی آواز تھی۔ہنسنے کی، سرگوشیوں کی، باتیں کرنے کی اور قہقہے لگانے کی بھی۔بے حد بدمزہ ہو کر اُس نے آنکھیں کھولیں، کوئی بھی اُسکی طرف متوجہ نہیں تھا۔اُسکی حسیات نے ساتھ دیا

تو اُسے احساس ہوا کہ کمرے میں آوازوں کے ساتھ ساتھ کھانے پینے کی چیزوں کی خوشبو بھی شامل تھی۔اُسے کوفت ہوئی۔

’’اسماعیل اُٹھ گیا!‘‘کسی نے چیخنے والے انداز میں کہا،آواز اتنی اُونچی تھی کہ اسماعیل نے آنکھیں دوبارہ بند کرلیں۔رات جب اُسے ہوش آیا تھا تب تو کمرے میں صرف سوئے ہوئے اسفند اور عدیل تھے اور اب۔۔۔ماتھے پر بل لئے اُس نے دوبارہ آنکھیں کھولیں اور اگلا منظر دیکھ کر اُسکی آنکھیں کھلی کی کھلی ہی رہ گئیں۔وہ سب اُسکے اِرد گرد،اِس طرح اُسے دیکھ رہے تھے جیسے وہ کوئی سرکس کا عجیب و غریب جانور ہے اور بھاگ کر اُنکے پاس آگیا ہے۔

عائشہ،عُمائمہ،ہاجرہ،ا،عدیل،آصفہ تائی،اُسکی اپنی ماں اور مناہل۔مناہل؟

اُس نے ہاتھ اُٹھا کر آکسیجن ماسک اُتارنا چاہا، عدیل نے لپک کر اُسکی مشکل آسان کی، ماسک اُترا تو اُس نے ایک گہرا سانس لیا۔

''مرنے والے کو بھی سکون نہ کرنے دینا تم لوگ!'' سخت چِڑ کر کہا جس پر اُن سب کے قہقہے سماعتوں کو برباد کر دینے والے تھے۔ اُن سب کو ایسے دیکھ کر وہ ہلکا سا ہنسا، درد کی ایک ٹیس اُسکے پیٹ کے اطراف میں اُٹھی۔

''چلو اب تم سب گھر جاؤ! نرس دو تین بار آکر ڈانٹ چکی ہے۔'' اُن سب کو اُسکے گرد سے چھٹتا دیکھ کر شائستہ نے کہا۔

''یار اسفندیہ تو ٹھیک ہو گیا ہے، میں تو سوچ رہا تھا بھلا اِسکی یادداشت وادداشت چلی جاتی، تھوڑا اور مزہ آتا۔'' عدیل نے واپس صوفے پہ بیٹھتے ہوئے بلا کی سنجیدگی سے کہا۔

شائستہ جو اُسکے سر کی طرف سے بیڈ اُونچا کر رہی تھیں، بمشکل مُسکراہٹ دبائی۔

''عدیل یادداشت پیٹ میں تھوڑے ہی ہوتی ہے، گولی اگر سر میں لگتی تو چانسز ہے تھے۔'' اسفند نے بھی اُسی سنجیدگی سے کہا۔ دوسرے صوفے پر بیٹھی مناہل پر کیا بیتی تھی اِس جملے سے، کتنا ظالم تھا ناوہ!

دونوں نے اُسماعیل کو دیکھا، وہ کھا جانے والی نظروں سے اُنہیں گھُور رہا تھا۔

''اِس کے تو سر میں بھی گولی لگنے سے یادداشت نہیں تھی جانی۔'' عدیل نے ایک اور تبصرہ کیا۔

''کیوں؟'' دُنیا بھر کی حیرانگی اسفند کے پاس ہی تو پائی جاتی تھی۔ عُمائمہ نثار ہوئے جانے سے خود کو روک سکتی تھی بھلا؟

''کیونکہ یادداشت جانے کیلئے عقل کی ضرورت ہوتی ہے جو اِس کے سر میں نہیں گھٹنوں میں پائی جاتی ہے۔'' کہہ کر عدیل ہنسنے لگا، اب کی بار کمرے میں موجود آصفہ سمیت سب ہنس دیئے۔

www.novelsclubb.com

''مناہل جاؤ، نرس کو بلالاؤ، ڈرِپ ختم ہوگئی ہے۔'' آصفہ نے ہنسی روک کر اُسے مخاطب کیا۔ وہ سر ہلاتی اُٹھی اور عُمائمہ کو لیۓ کمرے سے باہر آ گئی۔

''یہ کب آئی واپس؟'' اسماعیل نے آہستہ آواز میں آنکھوں میں خوشی اور تکلیف بیک وقت لیۓ پوچھا۔ کمرے میں کچھ سیکینڈز کیلۓ خاموشی چھا گئی۔

''اُسی رات لے آیا تھا میں، وہ لڑکے پروفیشنل کڈنیپرز نہیں تھے، جلدی پکڑے گۓ۔'' اسفند نے بتایا، اُسکے چہرے پر اب کوئی مُسکراہٹ نہیں تھی۔

''ہم یہ ٹاپک اب اُسکے سامنے ڈِسکس نہیں کرینگے، جتنا تکلیف دہ ہمارے لیۓ ہے، اُس سے کئی گنا زیادہ اُسکے لیۓ ہے۔'' شائستہ نے بیٹے کے پٹی لگے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''بالکل وہ ڈِسٹرب ہے، مزید نہیں ہونی چاہۓ۔'' عدیل نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔

اسماعیل نے سر ہلا دیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ سب واپس جانے کی تیاریوں میں تھے، آج اسماعیل کے پاس شائستہ اور عدیل رُکے تھے۔ مناہل نے جاتے ہوئے ایک نظر اسماعیل کو دیکھا، وہ اُسے ہی دیکھ رہا تھا، آنکھیں بے تاثر تھیں، مناہل کو خوف آیا اور پھر وہ باہر نکل آئی۔اِس واقعے کے بعد وہ ہر ایک کو ایسی نظر سے دیکھ رہی تھی جیسے کوئی ابھی پھٹ پڑے گا اور وہ سب بُری باتیں دُہرائے گا جو ایک اغواء شدہ لڑکی کو کہی جاتی ہیں۔ وہ غلط تھی، وہ سب اُسکا خاندان تھے، اُسکے اپنے تھے، وہی اپنے جو زندگی کی تاریک راتوں میں سورج کی سُنہری چمک بن کر آتے ہیں۔اُسکے سُنہرے اپنے۔

اُس کے جانے کے بعد اسماعیل نے آنکھیں موندلیں، وہ ابھی تھوڑی دیر پہلے دیکھا جانے والا خواب یاد کرنے لگا، وہ اور مناہل اُس خواب میں خوش تھے، مطمئن تھے، کیوں تھے؟ اب اُسے اندازہ ہو گیا تھا۔وہ مُسکرادیا۔

※ ※ ※

''عُمائمہ ! ڈیڈ آئے ہیں !'' فرنٹ سیٹ پر بیٹھی عائشہ نے گاڑی اندر داخل ہوتے ہی عُمائمہ کو آواز دی، نبیل صاحب کی گاڑی سامنے ہی کھڑی تھی۔

''ہیں؟ کراچی سے !؟'' اُس نے حیرانگی سے کہا، سب نے بے اختیار بدمزہ ہو کر اُسے دیکھا۔

''اچھا اچھا سمجھ گئی !'' اُنکے تاثرات دیکھتے اُس نے دونوں ہاتھ بلند کر کے کہا اور گاڑی سے اُترنے لگی۔

جب سب اندر چلی گئیں تو اسفند کچھ دیر وہیں بیٹھا رہا، بار بار نفی میں گردن ہلاتا، وہ مسلسل عُمائمہ پر ہنس رہا تھا، کتنی بُری بات تھی نا!

ایسا اکثر ہوتا تھا، وہ عُمائمہ کی باتوں کو بظاہر نظرانداز کر دیتا تھا، لیکن پھر بعد میں اُنہیں باتوں کو یاد کر کے ہنستا رہتا تھا۔ اب تو یہ اُسکی عادت بن چکی تھی۔

''السلام علیکم ڈیڈ !'' لاؤنج میں داخل ہوتے ہی دونوں نے نعرہ لگایا۔

''وعلیکم السلام میری شہزادیوں!''اُنہوں نے گود میں بٹھائی جویریہ کو صوفے پر کیا اور دونوں بازو پھیلائے کھڑے ہوگ ئے۔

وہ دونوں مُسکراتی ہوئیں آئیں اور باپ سے لپٹ گئیں۔

''میں نے آپکو بہت مِس کیا ڈیڈ!''یہ عُمائمہ تھی۔

''ارے واہ! یہ تو ہمارے لیے اعزاز کی بات ہے، ورنہ یہاں آکر تو تم یہ بھی بھول جاتی ہو کہ کراچی واپس بھی جانا ہے۔''اُس کے سر پر پیار کیا۔

وہ ہنس دی، بات تو سچی تھی۔

''کھانا لگ گیا ہے۔''رعناء نے کچن میں سے آواز دی۔

''چلو بھئی، اُٹھو سب! پھر ہاسپٹل بھی لے کر جانا ہے کھانا۔''امّاں کو اب بس وہیں کی فکر تھی۔

※ ※ ※

''برخوردار! پھر اور کتنے دن رہنے کا ارادہ ہے یہاں؟'' نبیل اسفند کے ساتھ اسماعیل کی خیریت پوچھنے ہاسپٹل ہی آگ ۓ تھے۔

''انکل میں تو خود تنگ آگیا ہوں، لیکن یہ لوگ مجھے چھوڑ ہی نہیں رہے۔'' وہ شدید تپا ہوا تھا۔

''ہاں اتنے دن ہو گ ۓ کوئی اُلٹا کام نہیں کیا، کسی سے گالیاں نہیں کھائیں۔۔۔ چچ۔۔۔ چچ۔۔۔''

عدیل نے اُس سے بھی بُرا منہ بنایا۔

''بس کردو تم میرے بچے کو کیوں تنگ کر رہے ہو، بیمار کا مزاق نہیں اُڑاتے!'' شائستہ خود بھی ہنسی تھیں، مگر بروقت دوسرے بیٹے کی سائیڈ لی۔ عدیل نے ہنس کر اسماعیل کو دیکھا، وہی کھا جانے والی گھوری۔ وہ اور ہنسا۔

''ڈاکٹرز کہہ رہے ہیں بس آج یہاں رہنے دیں، کل ڈِسچارج کر دینگے۔''اسفند جوڈاکٹرز کے ساتھ میٹینگ کر کے آیا تھا، بتایا۔

''شکر الحمدُللہ!''اسماعیل نے بے اختیار دونوں ہاتھ اُٹھا کر منہ پر پھیرے۔

نبیل بھی مُسکرا دی ئے۔

وہ واقعی وہاں سے تنگ آگیا تھا۔

※※※

سردیوں کا ایک اور خوبصورت دن اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ طلوع ہوا تھا اور بجّو اماں کے آنگن میں آج کسی جشن کا سا سماں تھا۔ بجّو اماں کی آنکھیں بار بار نم ہو جاتیں، وہ خوشی کے آنسو تھے۔ اُنھوں نے پہلی دفع اسماعیل کو اِتنے دِنوں سے نہیں دیکھا تھا۔ اب اُن سے مزید انتظار نہیں ہو رہا تھا۔

تقریباً گیارہ بجے کے قریب عدیل اپنی گاڑی پورچ میں داخل کر رہا تھا، پھر اسماعیل کو وہیل چیئر پر بٹھایا اور اندر کی طرف رُخ موڑا۔

بجّو اماں آصفہ کا سہارا لیئے لاؤنج کے دروازے کی تین سیڑھیاں اُتر کر اسماعیل کے قریب آ گئیں اور اُس سے لپٹ گئیں۔ وہ ایک بار پھر مکمل ہو گئی تھیں۔

عدیل اسفند اور نبیل نے مل کر اسماعیل کی وہیل چیئر اُٹھا کر لاؤنج میں داخل کی۔ ٹی وی لاؤنج میں اُسکے استقبال کیلیئے سب ہی موجود تھے۔ سوائے مناہل کے۔ اسماعیل کو حیرانگی ہوئی۔

تھوڑی دیر وہیں سب کے پاس بیٹھنے کے بعد اُسے کمرے میں بھیج دیا گیا، وہ ابھی زیادہ دیر نہ ہی بیٹھ سکتا تھا اور نہ ہی چل سکتا تھا۔ زخم ابھی تازہ تھا، وقت تو لینا تھا۔

اسماعیل آنکھیں موندے لیٹا تھا جب دروازے پر دستک ہوئی۔

وہ مناہل تھی، ہاتھ میں فروٹس کی ڈِش پکڑے۔

''السلام علیکم!''اندر آکر سلام کیا۔

''وعلیکم السلام''اسماعیل مُسکرایا۔

''بیمار کا حال تو پوچھتی جاؤ!''وہ ٹرے رکھ کر جانے کیلئے مڑی ہی تھی کہ پیچھے سے آواز دی۔

وہ اُسی طرح کھڑے مُسکرادی، اتنے دِنوں سے یہی آواز، یہی شوخ لہجہ تو وہ مِس کر رہی تھی۔

''کیسے ہو؟''آنکھوں میں چمک لیئے پوچھا۔

''آہ۔۔۔ہم تو مریضِ عشق ہیں، علاج آپکے پاس ہے، آپ ہی بتائیں کیسا ہوں؟''دل پر ہاتھ رکھ کر مصنوعی آہ بھری۔

مناہل کھلکھلا کر ہنس دی۔

''گولی کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا تم پہ، ابھی بھی اُتنے ہی بے غیرت ہو!''

''لو بھلا، گولی لگنے سے اگر کوئی سُدھر جاتا تو کیا ہی بات تھی۔'' وہ بھی بمشکل ہنسا۔ ابھی بھی ہنسنے سے پیٹ میں درد اُٹھتا تھا۔

''ویسے جب مجھے گولی لگی تھی، میں نے کسی کو غم سے نڈھال ہوتے، بیہوش ہوتے دیکھا تھا۔'' آنکھیں گول گول گھُمائیں۔ مناہل کا دل دھڑکا۔

''ہیں! کون تھا؟۔۔۔ مجھے تو نہیں یاد آرہا!'' اپنی ہنسی اور تاثرات چھپاتی بظاہر پُر سوچ انداز میں چلتی وہ کمرے سے باہر کی طرف جانے لگی۔

''رُک جاؤ ڈرامے باز لڑکی!'' اسماعیل نے پیچھے سے آواز دی۔

مناہل کمرے کا دروازہ بند کر کے وہیں باہر کھڑی ہنسنے لگی۔ ٹی وی لاؤنج میں ٹی وی کے سامنے بیٹھی بجّو اماں نے غور سے اُسے دیکھا، آنکھیں چھوٹی کر کے۔

''منّو!'' وہیں بیٹھے آواز دی۔

اُنکی آواز پر وہ بُری طرح اُچھلی، گڑبڑا کر اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر تیزی سے سیڑھیاں چڑھ گئی۔

وہ مُسکرا دیں۔

رات کے کھانے کے بعد جب عُمائمہ سیڑھیاں اُترتی لاؤنج میں آئی تو وہاں پر چھائی خاموشی پر حیران ہی رہ گئی۔اماں فون پر بات کر رہی تھیں اور رعناء سمیت سب بیٹھے بڑے غور سے اُنہیں دیکھ رہے تھے۔

''کس کا فون ہے؟'' صوفے پر بیٹھتے ہوئے مناہل سے پوچھا۔

''سیفی بھائی کے گھر سے فون ہے، چُپ رہو!'' مناہل نے سرگوشی کی۔

تقریباً دو تین منٹ کی گفتگو کے بعد فون بند ہوا۔

''کیا کہہ رہے ہیں؟''شائستہ ،رعناءاور عائشہ نے بیک وقت پوچھا اور جھینپ کر ایک دوسرے کو دیکھا۔

''تم چُپ نہیں رہ سکتیں؟''عُمائمہ نے بغیر آواز نکالے،آنکھیں بڑی کر کے عائشہ کو گھورا۔

''فوزیہ اور ریاض فنکشن کرنا چاہ رہے ہیں۔''اُنہوں نے گہرا سانس لے کر بتانا شروع کیا۔

''کیا مطلب منگنی؟''رعناء نے فوراً کہا۔

''وہ دونوں تو منگنی کا ہی کہہ رہے ہیں لیکن سیف نکاح کا کہہ رہا ہے،وہ اب مزید کوئی رِسک نہیں لینا چاہتا۔''

''کیوں پہلے کو نسا رِسک لیا ہے اُس نے؟اماں ہم کوئی مکر تو نہیں نا رہے، عجیب ہی ہیں!''آصفہ نے بدمزہ ہو کر کہا۔

''ہم نہیں مکر رہے لیکن وہ لوگ اب مکرتے نظر آرہے ہیں۔''رعناء نے قیافہ لگایا۔

''اماں پھر آپ ہی بتائیں کیا کرنا ہے؟''شائستہ کا منہ لٹک گیا۔ بھلا بیٹیوں کے بارے میں کوئی ایسی باتیں کرتا ہے؟

''اگر سیف نکاح چاہتا ہے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے، جہاں ہم نے منگنی کا فنکشن کرنا ہے وہاں نکاح ہو جائے گا تو یہ تو بڑی ہی اچھی بات ہو گی، میں نے اُن سے کہا ہے کہ ہم مشورہ کر کے بتاتے ہیں، آنے دو افضل، سُہیل اور بھائیوں کو، کرتے ہیں کچھ۔''گہرا سانس لے کر اُنہوں نے اپنی تسبیح سنبھالی۔

''یہ سب میری وجہ سے ہو رہا ہے۔''بڑبڑاتی ہوئی مناہل اُٹھی اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی، ایک خاموش نگاہ سب نے ایک دوسرے پر ڈالی۔

''ہمارا معاشرہ ایسی لڑکیوں کو کبھی سر اُٹھا کر جینے نہیں دیتا جنہیں کوئی اغواء کر کے لے جائے، پھر چاہے وہ اغواء صرف چند گھنٹوں کا ہی کیوں نہ ہو۔''

دوسری طرف فوزیہ نے فون بند کر کے اپنے سامنے بیٹھے سیف کو دیکھا اور پھر ساتھ بیٹھے اپنے شوہر کو۔ شکل سے وہ بہت سخت چِڑی ہوئی لگتی تھیں۔

''امی اب آپ زیادتی کر رہی ہیں۔'' سیف نے بھی اُسی سنجیدگی سے کہا۔

''میں زیادتی کر رہی ہوں؟'' وہ حیران ہوئیں، ''بھلا آپ خود بتائیں ریاض کوئی ایسے خاندان میں رشتہ کیسے کر سکتا ہے جن کی بیٹی کو کوئی اغواء کر کے لے جائے اور پھر چھوڑ بھی جائے؟''

اُنکے لہجے میں بیک وقت تلخی، طنز اور ہِتک تھی۔ سیف کو تکلیف ہوئی۔ وہ اپنے خاندان سے محبت کرتا تھا، لیکن وہ ہاجرہ کے خاندان کی بے پناہ عزت کرتا تھا اور اب ایسے الفاظ اُسے پریشان کر رہے تھے۔

''تمہاری ماں ٹھیک کہہ رہی ہے سیف۔'' ریاض نے لحاظ رکھے بغیر کہا۔

"بابا آپ بھی اِس طرح سوچیں گے میں نہیں جانتا تھا، آپ دونوں کے سامنے ہی میں مناہل کو واپس لے کر آیا تھا، میں خود اُس واقعے کا گواہ ہوں، جیسا آپ لوگ سوچ رہے ہیں ویسا کچھ بھی نہیں ہے۔" وہ اب روہانسا ہو رہا تھا۔

"ہونہہ۔۔۔ کیا واپس لے آئے تھے؟ عزت ایک بار گھر سے جنازے کی طرح نکل جائے تو پھر وہ دوبارہ ہزار سال زندہ ہو کر بھی آتی رہے تو ہم اُسے دوبارہ قبول نہیں کرتے!" وہ انتہا پر تھیں۔

"ٹھیک ہے پھر جو آپکو سوچنا ہے سوچیں، میں اِسی ہفتے جا کر ہاجرہ سے نکاح کرونگا اور اُسے لے آؤنگا، اب آپ عزت سے میرے ساتھ شامل ہو جائیں گے تو آپکا ہی فائدہ ہے۔" کہہ کر سیف وہاں سے اُٹھ گیا۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے اِسکا! آپ سمجھاتے کیوں نہیں ہیں؟" اپنے پیچھے فوزیہ کی آوازیں اُس نے کمرے تک سُنی تھیں۔

※※※

''بجّواماں یہ کون آرہا ہے؟''عُمائمہ نے اپنے سر پر دوپٹہ اوڑھتے ہوئے پوچھا۔

دوپہر کے وقت بجّواماں معمول کے مطابق لان میں اپنے تخت پر بیٹھی سبزی کاٹنے میں مصروف تھیں، جب عُمائمہ کی آواز پر سر اُٹھا کر دیکھا۔

''السلام علیکم اماں!''سیف اب اُنکے قریب آگیا تھا۔

''وعلیکم السلام سیف بیٹا! آؤ بیٹھو۔''اُنہوں نے آنکھیں بڑی کر کے عُمائمہ کو اشارہ کیا۔

''السلام علیکم!''عُمائمہ نے کہا اور حیران سی کھڑی ہوگئی۔ پھر اُنکے اشاروں پر اثبات میں سر ہلاتی اندر کی طرف بھاگی۔

''مناہل! ہاجرہ آپی! مام! ممانی! کہاں ہیں سب؟''تقریباً بھاگتی ہوئی وہ ٹی وی لاؤنج میں آکر آوازیں دینے لگی۔

''یا میرے اللہ خیر!'' شائستہ نے کچن میں کھڑے اُسکی آواز پر بے اختیار اپنے دل پر ہاتھ رکھا، ہاجرہ کفگیر اُٹھائے ہی باہر کو بھاگی۔

''کیا ہوا؟'' مناہل نے سیڑھیوں سے لٹک کر آواز دی۔

''سیفی بھائی آئے ہیں!'' پھولے ہوئے سانس کے ساتھ عُمائمہ نے بالآخر کہا۔

''ہیں! کب؟ کہاں ہیں؟'' ہاجرہ نے عُمائمہ کی طرف آنے کے بجائے لاؤنج سے باہر جھانکا۔

مناہل تیزی سے سیڑھیاں اُترتی نیچے آئی۔

''کہاں ہیں؟''

''باہر بجّو اماں کے پاس بیٹھے ہیں، انکل اور آنٹی تو نہیں آئے بس وہی آئے ہیں۔''

کہہ کر وہ دَھپ سے صوفے پر ڈھیر ہو گئی، کتنا تھک گئی تھی بیچاری!

"ویسے تم یہ بات اتنا ہنگامہ کیے بغیر بھی بتا سکتی تھیں۔" ہاجرہ جھانکا تانی سے فارغ ہو کر اب کمر پہ ہاتھ رکھے عُمائمہ کو سُنا رہی تھی۔

"چلیں جائیں اب جا کر اپنے شوہر کی خاطر داری کریں۔" عُمائمہ نے ٹی وی آن کرتے ہوئے مُسکرا کر کہا، مناہل اب کھڑکی سے باہر جھانکنے میں مصروف تھی۔

"شش چُپ کر جاؤ! کتنی بے شرم ہو، ماما نے سُنا نا تو تمہارے ساتھ ساتھ میری بھی شامت آئے گی۔" ہاجرہ نے اُس کے کندھے پر تھپڑ مارتے ہوئے کہا۔

"کون؟ کس کا شوہر آیا ہے؟" عائشہ جو اسماعیل کی وہیل چیئر دھکیل کر لاؤنج میں لا رہی تھی، چہک کر بولی۔

عُمائمہ نے چونک کر اُسکی طرف دیکھا، اسماعیل بھی ماتھے پر بل لیے اُنہی کی طرف متوجہ تھا، عائشہ میسنی بنی مُسکرا رہی تھی۔

''اب بھگتو اِس کو بھی!'' کہہ کر ہاجرہ واپس کچن کی طرف مڑ گئی۔

''اُف کب بولنے کی عقل آئے گی مجھے!'' عُمائمہ نے اپنا سر پیٹا۔

''کسی کا شوہر نہیں آیا، کام کرو تم اپنا۔'' مناہل نے بر وقت مداخلت کی۔

''نہیں ہم نے خود سُنا تھا۔'' اسماعیل نے سنجیدگی سے کہا۔

''سیفی بھائی آئے ہیں، عائشہ تم اسماعیل کو بھی باہر لے جاؤ۔'' مناہل نے بھی اُسی سُنجیدگی سے کہا۔

''اچھا واہ! میری خیریت پوچھنے آئے ہوں گے۔'' اسماعیل نے اپنی شرٹ سے نادیدہ گرد جھاڑتے ہوئے کہا۔۔

"تمہاری خیریت پوچھنے آئے ہوتے تو سیدھا اندر آتے، ابھی تک بجو اماں کے ساتھ نہ بیٹھے ہوتے۔" مناہل نے منہ بنا کر کہا

''چلو عائشہ باہر لے جاؤ مجھے، یہاں تو لوگ مجھ سے جلتے ہیں" مسکراہٹ دبائے کہا۔۔

عائشہ "جی بھائی" کرتی وہیل چیئر باہر لے جانے لگی۔

"مناہل جاؤ اوپر سے اپنی ماں اور پھپھو کو بھی بلا لاؤ، رعناء ابھی تک سیف سے نہیں ملی تھیں، مل لیں آ کر"

اس سے پہلے کے وہ اسماعیل کو کوئی ٹکا سا جواب دیتی شائستہ نے کچن میں سے آواز دی۔

''دیکھ لو نگی میں تمہیں بھی!'' آنکھیں چھوٹی کر کے، ہاتھ منہ پر پھیر کر، ٹی وی لاؤنج سے باہر جاتے اسماعیل کو دھمکی دینا ضروری سمجھا اور پھر عُمائمہ کی طرف مڑی۔

''اُٹھو تم بھی! نیوز بریک کر کے تم خود کیوں سکون سے بیٹھو ہیں!'' بازو سے کھینچتی تقریباً گھسیٹتے ہوئے اُسے اُٹھانے لگی۔

''میرا بچہ خیریت ہے نا؟'' بجّو اماں فکر مند تھیں۔

''جی امّاں، میں بس آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا تھا۔'' سیف نے سنجیدگی سے کہا۔

’’ظاہر ہے یہاں تک آئے ہو، کوئی اہم بات ہی ہو گی، پہیلیاں نہ بُجھواؤ، کیا بات ہے؟‘‘ وہ اب اُسکی تمہید سے چِڑ رہی تھیں۔

’’امی اور بابا اب اِس رشتے سے زیادہ خوش نہیں ہیں، میں نہیں چاہتا کہ کچھ بھی خراب ہو اِس لئے آپکے پاس آیا ہوں، آپ سے ریکوئیسٹ کرنا چاہتا ہوں کہ آپ جلدی فیصلہ کریں۔‘‘ سر جھُکائے کہا۔

’’اور اگر ہمارا فیصلہ انکار میں ہوا تو؟‘‘ بجّو اماں نے بظاہر سبزی کاٹتے ہوئے سرسری سے انداز میں کہا۔

سیف نی حیرانگی سے اُنہیں دیکھا، اُسکی آنکھوں میں تکلیف اُبھری، یہ ایک آخری چیز تھی جس کے بارے میں وہ سوچنا بھی نہیں چاہ رہا تھا۔

کنکھیوں سے دیکھتی بجّو اماں نے بمشکل اپنی مُسکراہٹ دبائی۔

کیسا جذبہ ہے نا محبت جس نے اُنکے بچوں کو ایسے ایسے تعلقات میں باندھا ہوا تھا کہ اُنکا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اُن پر رشک کرتیں، شاباش دیتیں اور اُن سب کے سروں کے صدقے اُتارتیں، یقیناً وہ اِس سب کے حقدار تھے کیونکہ وہ محبت جیسے ناپید جذبے کو زندہ رکھنے کی سر توڑ کوشش کر رہے تھے۔

اُنہیں سیف پر ترس آ رہا تھا۔

"دیکھو میاں!" اُنہوں نے چھری رکھ کر ہاتھ جھاڑے اور مکمل طور پر اُسکی طرف متوجہ ہوئیں،

"یہ بال میں نے دُھوپ میں سفید نہیں کیے، میں نہیں چاہتی تھی کہ یہ بات تم سے کروں لیکن اب اگر تم خود اپنا مقدمہ لڑنے آئے تو پھر سُنو، میں جانتی ہوں کہ فوزیہ اور ریاض کو اب اِس رشتے سے اعتراض ہو گا، اور کیوں ہو گا میں یہ بھی جانتی ہوں۔ لیکن میرا بچہ، میں اپنی بیٹی تم اکیلے کو کبھی بھی نہیں دونگی۔ عزت دار خاندانوں میں بیٹیاں عزت سے بھیجی جاتی ہیں اور عزت سے ہی لائی جاتی ہیں۔ تم اپنے ماں باپ کو سمجھاؤ، مناؤ، ہماری طرف سے بے فکر رہو۔ جہاں ضرورت پڑی تم مجھے

اپنے ساتھ کھڑا پاؤ گے لیکن اِس معاملے میں تمہارے ماں باپ بہت اہم اور ضروری ہیں۔۔۔"

رُک کر اُسکے سر پر ہاتھ پھیرا،

"اور اگر اللہ تعالیٰ نے تمہارا اور میری ہاجرہ کا نصیب ایک لکھا ہے تو پھر میں کون؟ تم کون؟"مُسکرا کر

اُسکا کندھا تھپکا۔

"ٹھیک ہے امّاں!"سیف بھی ہلکا سا مُسکرایا۔

تھوڑی ہی دیر بعد رعناء اور آصفہ بھی لان میں آ گئیں، سیف سے کافی گرمجوشی سے ملیں، سیف

سے پہلی بار مل رہی تھیں لیکن تھوڑی ہی دیر میں وہ سب میں گھل مل گیا تھا۔

"شرم کرلو! اندر چلو!"ہاجرہ کچن سے باہر آئی تو وہ سب گردنیں کھڑکیوں سے باہر نکالے جھانک

رہی تھیں۔

"کیا ہے ہاجرہ آپی! "آپکا تو دل نہیں چاہ رہا سیفی بھائی کو دیکھنے کا، ہمیں تو دیکھنے دیں۔" عائشہ نے اسی طرح کھڑے منہ بنایا۔

"میں ماما کو بلاتی ہوں کچن سے، صبر کرو تم لوگ، ماما! "آوازیں دیتی ہاجرہ واپس مڑ گئی۔

"خود سب سے پہلے جا کر دیکھ کر آئی ہوئی ہونگی۔" عائشہ بڑبڑائی، عائمہ اور مناہل نے مسکرا کر ایک دوسرے کو دیکھا، اب جو مزا ہاجرہ کو تنگ کرنے کا آنا تھا وہ تو اس طرح لٹکنے میں بھی نہیں آرہا تھا۔

دونوں اندر کی طرف لپکیں۔۔

"کیوں تم دونوں چڑیلوں کی طرح میرے پیچھے پڑ گئی ہو!" ہاجرہ اپنے کمرے کی چیزیں سمیٹ رہی تھی جب وہ دونوں آئیں۔

وہ ایک چیز اُٹھا کر کمرے کے ایک کونے سے دوسرے میں رکھنے جاتی تو وہ اُسکے پیچھے پیچھے جاتیں، اِسی طرح تیسرا اور چوتھا کونہ۔ اب وہ چکرا گئی تھی۔

’’ہم تو بس یہ پوچھ رہے ہیں کہ بتائیں بھلا سیفی بھائی نے کونسے کلر کی شرٹ پہنی ہے۔"

"مجھے کیا پتا؟"جھلّا کر کہا

’’یار اتنی دیر سے آپ یہی کہہ رہی ہیں، بتادیں تا کہ ہم بھی آپکی جان چھوڑیں"عمائمہ نے بیڈ پر ڈھیر ہوتے ہوئے کہا، ساری شیٹ خراب کر دی، ابھی ہی تو سہی کی تھی۔۔۔ہاجرہ نے ضبط سے اسے گھورا۔

"مجھے کیسے پتا ہو گا"ہاجرہ نے بازو سے کھینچ کر اسے اٹھایا اور دروازے کی طرف دھکیلا۔

"چلو نکلو اب دونوں یہاں سے، میرا دماغ مت کھاؤ"پھر واپس مڑ کر بیڈ شیٹ ٹھیک کرنے لگی۔

"آپ ہم سب سے پہلے باہر جھانک کر آئی تھیں"مناہل نے آنکھ دبائی، ہاجرہ نے بمشکل اپنی ہنسی روکی،

"ہے نا!"عمائمہ چہک کر اس کے سامنے آئی۔

"بس بہت ہو گیا! نکلو اب۔" ہاجرہ نے ان دونوں کو پکڑ کر دروازے سے باہر نکالا اور دروازہ بند کر دیا

"نہیں نہیں تھوڑا اور ہنس لیں!!" مناہل نے دروازے کے باہر سے آواز دی

ہاجرہ نے گڑبڑا کر ادھر ادھر دیکھا، وہ واقعی ہنس رہی تھی۔

"بدتمیز۔۔!!"

ہاجرہ بڑبڑاتے ہوئے دوبارہ چیزیں سمیٹنے لگی۔۔۔

※ ※ ※

"افضل میاں وہ لوگ بیٹی کے نکاح کی تاریخ مانگ رہے ہیں کچھ ہوش کرو!" بجّو اماں نے رات کے کھانے کے بعد اُن سب بڑوں کو اپنے کمرے میں طلب کر رکھا تھا۔ مناہل نے لاکھ کوشش کی اندر

جانے کی، کبھی چائے کے بہانے تو کبھی بجّو اماں کی دوائی کے بہانے، مگر ہاجرہ اور عُمائمہ نے اُسکی ساری کوششوں پر پانی پھیر دیا اور اُسے اپنے شکنجے میں جکڑے رکھا۔

''ابھی اسماعیل ہوتا نہ میرے ساتھ پھر میں دیکھتی آپ دونوں کو!'' کہہ کر وہ بیچاری بھی جمی رہی۔

''جی اماں میں جانتا ہوں، آج آفس میں بھی ریاض کی کال آئی تھی، وہ اگلے مہینے کی تاریخ کا کہہ رہے ہیں۔'' افضل نے سنجیدگی سے کہا، بجّو اماں زیرِلب مُسکرائیں، سیف اپنا مقدمہ جیتتا نظر آرہا تھا۔

''ہاں اور سیف آج یہاں آیا ہوا تھا۔'' آصفہ نے بتایا۔

''اماں بتائیں نا پھر کیا کرنا ہے؟'' شائستہ نے ہر بار کی طرح منہ لٹکایا۔

''میں کیا بتاؤں؟ شائستہ تُو خود بھی کوئی فیصلہ کر، بیٹی تیری پہلے ہے ہماری وہ بعد میں ہے۔ افضل نے تجھے آج بھی وہی بیس سال کی لڑکی کی طرح رکھا ہوا ہے۔ لیکن اب کچھ عقل سے کام لے، جب بیٹیوں کے رشتے آنے لگ جائیں تو پھر ماں باپ کو اپنا بچپنا چھوڑ دینا چاہیئے۔''

''اماں ہم تو متفق ہیں، لڑکا سب نے دیکھ رکھا ہے۔''فضل نے ماں کے آگے ہتھیار ڈالے۔

''ٹھیک ہے پھر صبح اُنکو کال کر دینا اور بتا دینا کہ ہماری طرف سے ہاں ہے، وہ جب چاہے آ کر تاریخ پکی کر جائیں۔''

بالآخر وہ سب مطمعٔن ہو گ ئے۔

''رعناء اور آصفہ تم دونوں تیاریاں دیکھنی شروع کر دو، بچوں کو بھی بتا دو، پھر کہینگے ہماری شاپینگ نہیں ہوئی۔''بجّو اماں اُنہیں اچھی طرح جانتی تھیں۔

کمرے میں پھیلا تناؤ اب زائل ہو رہا تھا۔

※※※

''مُجھ غریب کو بھی کچھ کھانے کو بھی مل سکتا ہے؟''اسفند کی آواز پر وہ بُری طرح ڈری۔

''ہاہ! ڈرا دیا آپ نے مجھے!''عُمائمہ نے بے اختیار دل پر ہاتھ رکھا۔

رات کے تقریباً ایک بجے کا وقت تھا جب عُمائمہ کو سوئے ہوئے بھوک لگی۔ وہ اُٹھ کر دبے پاؤں کچن میں آگئی تھی اور اب اوون کے پاس کھڑی کھانا گرم ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔ رات اتنی خاموش اور گہری تھی کہ اوون کی آواز بھی گونجتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

اسفند ابھی ابھی فرم سے آیا تھا۔ گھر میں مہمانوں کی وجہ سے وہ اپنا کام وہیں ختم کر کے آتا تھا، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اُسے ایک دو بج جاتا تھا۔

وہ کوٹ بازو پر ڈالے اُسکے ڈرنے پر ہنس دیا۔

''کھانا نہیں کھایا تھا رات کو؟'' وہ اب فریج میں سے پانی کی بوتل نکال رہا تھا۔

''کھایا تھا، لیکن مجھے آدھی رات کو بھوک لگنے کی عادت ہے۔'' عُمائمہ نے جھینپ کر کہا اور نامحسوس انداز میں کیبنٹ میں سے گلاس نکال کر اسفند کو دیا۔

اسفند نے مُسکرا کر گلاس لیا اور پانی اُنڈیلنے لگا۔

''آپ روز اِسی وقت آتے ہیں؟''عُمائمہ بیک وقت حیران اور فکر مند تھی۔

''ہاں جی تقریباً۔'' پانی کا گھونٹ بھر کر کہا۔

''تھک جاتے ہونگے۔'' وہ اب پوری طرح اسفند کی طرف متوجہ تھی۔اُسکی بھوک،اوون کی گونجتی آواز، کھانے کی خوشبو،سب چیزیں کسی پسِ منظر میں چلی گئی تھیں۔

''ہاں تھک تو جاتا ہوں لیکن۔۔۔''اُسکی بات پوری ہونے سے پہلے ہی اوون کا ٹائمر ختم ہو گیا۔

''کھانا گرم ہو گیا ہے۔''اسفند نے ہاتھ میں پکڑے گلاس سے اوون کی طرف اشارہ کیا۔

''کیا؟''کھوئی ہوئی عُمائمہ۔

''کھانا! گرم ہو گیا ہے۔''اب اُس نے ہر لفظ پر زور دے کر کہا۔

''اوہ ہاں! سوری''عُمائمہ فوراً اوون کی طرف پلٹی۔

''ہوش میں رہو عُمائمہ !'' بڑبڑاتے ہوئے کھانا نکالنے لگی۔

''میں فریش ہو کر آتا ہوں، اکٹھے کھاتے ہیں۔'' اسفند نے گلاس شیلف پر رکھا اور مُسکرا کر باہر نکل گیا۔

''شیور۔''

وہ خود سے ہی بڑبڑائی اور مُسکراتے ہوئے کھانا ڈائیننگ روم میں لے جانے لگی، ٹیبل سیٹ کرنے کے بعد وہ مسمرائزڈ سی اُن چیزوں کو دیکھتی رہی۔ مُسکراتے ہوئے گلابی چہرے پر خوشی کی چمک دور سے نظر آتی تھی۔

دس منٹ بعد اسفند کپڑے تبدیل کر کے واپس آیا۔ وہ اُس وقت کافی کیلئے پانی چولہے پر رکھ رہی تھی۔

''کافی بنانے لگی ہیں؟'' اُس نے حیرانگی سے کہا۔

''نہیں کھانے کے بعد بناؤ نگی۔''وہ مُسکرائی۔

''چلیں پھر۔''اُس نے راستہ دیا۔

''کھانا اچھا بنا ہے۔''وہ دونوں اب ڈائینیگ ٹیبل پر آمنے سامنے بیٹھے تھے۔اسفند کو واقعی بہت بھوک لگی تھی،آج سے پہلے اِتنی نہیں لگی تھی۔

''ہاجرہ آپی نے بنایا ہے،مزے کا کیسے نہ ہوتا۔''عُمائمہ ہنسی۔

''اِن سب چیزوں میں آپ نے کچھ نہیں بنایا؟''اُس نے کباب اپنے پلیٹ میں رکھتے ہوئے کہا۔

''اُونہوں! میں نے کچھ نہیں بنایا،اور پتہ ہے اگر بناتی تو یہ کھانا ابھی تک یہاں نہ ہوتا۔''کہہ کر اُس نے مُسکراہٹ دبائی۔

''کیوں؟۔۔۔آہاں! اتنا مزیدار ہوتا کہ اُسی وقت ختم ہو جاتا۔''اُس نے خود ہی سوال کر کے خود ہی جواب اخذ کیا۔

اسفند کی بات پر وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

''جی نہیں۔۔۔اتنا بد ذائقہ ہوتا کہ پھینکنا پڑتا۔'' کہہ کر وہ ایک بار پھر ہنسنے لگی۔

وہ پہلے حیران ہوا اور پھر ہنس پڑا۔

''مجھے نہیں پتا تھا۔''اسفند نے اپنی ہنسی روکی۔

''یہی نا کہ مجھے کھانا بنانا نہیں آتا!''اُس نے ہنستے ہوئے گلاس لبوں کو لگایا۔

''نہیں یہ کہ آپ ہنستے ہوئے اتنی اچھی بھی لگ سکتی ہیں۔''عُمائمہ پہلے ساکت ہوئی اور پھر اُسکے چہرے کا رنگ بدلا،اگلے ہی لمحے اُسے پانی کا بہت بُرا اچھو لگا اور وہ کھانسنے لگی،بُری طرح۔

اسفند گھبرا گیا۔اُسکے ہاتھ سے گلاس لیا اور بوکھلاہٹ میں دوبارہ بھر کے اُسے تھمایا۔اُسے پانی دوبارہ پینے کا کہا۔بُری طرح کھانسنے کی وجہ سے اب اُسکی آنکھوں میں بھی پانی آگیا تھا۔گلاس دوبارہ تھام کر

اُس نے بمشکل دو تین گھونٹ پانی پیا۔ تقریباً دو تین منٹ کھانسنے کے بعد اُسکی کھانسی رُکی۔ البتہ اب تک اُسکی ناک اور آنکھیں سُرخ ہو چکی تھیں۔ اسفند نے شرمندہ سا ہو کر ٹشو باکس اُسکے آگے کیا۔

ٹشو سے آنکھیں اور ناک رگڑنے کے بعد اُس نے نظر اُٹھا کر اسفند کو دیکھا، وہ کھانا چھوڑ کر اُسے ہی دیکھ رہا تھا، بڑی فکر مندی سے۔ دونوں کی نظریں ملیں اور پھر دونوں ہنس دیئے۔ چند لمحے، چند ساعتیں، ڈائننگ روم میں ایک بار پھر اُن دونوں کی کھلکھلاہٹیں گونجیں۔

''تعریف مہنگی پڑ گئی۔'' اُس نے ہنسی روک کر کہا۔

''نہیں بس ٹائمینگ تھوڑی سی غلط تھی۔'' وہ بھی ہنس رہی۔

''میں کافی بناتی ہوں۔'' ایک اور ٹشو نکالتی وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''نہیں رہنے دیں، پہلے ہی بہت لیٹ ہو گیا ہے۔'' اسفند بھی کھڑا ہو گیا اور اپنے سامنے سے برتن اُٹھانے لگا۔

''نہیں رہنے دیں، میں اُٹھا لیتی ہوں، آپ جائیں۔''مُسکرا کر کہا۔

''شیور؟''

''یَس!''

''اوکے، اللہ حافظ!

مُسکراتا ہوا اسفند ڈور سلائیڈ کرتا باہر نکل گیا۔وہ وہیں کھڑی مُسکراتی رہی، بلاشبہ اُسکی فیری ٹیل مکمل تھی۔

※※※

''مناہل!''

اسفند اسماعیل کے کمرے سے باہر نکل رہا تھا جب سامنے سے گزرتی مناہل پر نظر پڑی۔

''جی بھائی؟''وہ اُسکے قریب آ گئی،''آپ آفس نہیں گئے آج؟''

''گیا تھا، ابھی آیا ہوں، اسماعیل کو ہاسپٹل لے کر جانا ہے، شائستہ تائی کو بلاؤ وہ تیار ہونے گئی تھیں، ابھی تک نہیں آئیں۔''اُس نے کہتے ہوئے گھڑی دیکھی۔

''پتا نہیں یہ عورتیں وقت پر تیار ہونا کب سیکھیں گی۔''خفگی سے سوچا۔

''اِدھر آئیں!''سرگوشی نما آواز میں مناہل نے اُسے جھکنے کا کہا۔

''بھابھی کو بھی بُلالاؤں؟''اسفند کے کان میں کہا اور آنکھیں مٹکائیں۔دو تین سیکینڈز کیل ئے اسفند کو سمجھ ہی نہ آئی کہ اُس نے کہا کیا ہے، پھر جب سمجھ آیا تو اُس کا رنگ سُرخ ہوا، کان تک سُرخ ہوئے۔مناہل حد سے زیادہ محظوظ ہوئی۔اُس نے گھور کر مناہل کو دیکھا اور دونوں ہاتھ پہلوؤں پر رکھے۔

''زیادہ زبان نہیں لگ گئی تمہیں؟!''کمال مہارت سے اپنے تاثرات کو ضبط کیا اور سنجیدگی سے کہا۔

''مجھے کہاں؟آپ بتائیں! بڑی باتیں ہورہی تھیں۔۔۔!''مناہل نے اسکی ڈانٹ کو بھی اُسی مہارت سے نظرانداز کیا،البتہ اِس بات پر اسفند کے واقعتاًتاثرات بدلے، تیزی سے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر مناہل کو بازو سے پکڑ کر ایک طرف کیا۔

''رات کو!۔۔۔ تمہیں کیسے پتا؟''آہستہ آواز میں پوچھا۔

''ہیں! رات کو؟اچھا! بتائیں ناآپ نے عُمائمہ سے بات کی تھی؟''مناہل نے آنکھوں میں چمک لیۓ پوچھا۔اب وہ ایکسائیٹیڈ ہورہی تھی۔

''کیامطلب؟تم ہوامیں تیر چھوڑرہی ہو؟''تاثرات پھر سے بدلے،''تمہیں کچھ نہیں پتا؟''

''نہیں تو! سچ میں! قسم لے لیں۔۔۔پلیز بتائیں نا۔''وہ بھی پھر اسفند کی ہی بہن تھی۔

''چلو بھاگو یہاں سے!''اسفند واپس کمرے کی طرف مڑ گیا، مناہل شدید بدمزہ ہوئی۔بھلا آدھی باتیں بتا کر کون چھوڑتا ہے،اب اُسکے پیٹ میں درد ہونے لگا تھا۔

''بھا بھی تو۔۔۔''اپنے ہی سر پر چپت رسید کر کے جملے کی دُرستگی کی،

''عُمائمہ تو یہیں ہے نا،اب آگے کی سٹوری وہ بتائے گی۔''آنکھوں کو گول گول گھما کر وہ سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

''اسفند میاں ابھی تم خود ہی اپنا بھانڈا پھوڑنے لگے تھے!''اُس نے خود کو بھی خوب سُنائیں۔

آنکھیں چھوٹی کر کے مناہل کو دیکھا،وہ سر ہلاتی،بڑبڑاتی ہوئی سیڑھیاں چڑھ رہی تھی اور اسفند جانتا تھا وہ اب سیدھی عُمائمہ کے پاس جائے گی۔

''چلیں اسفند؟''شائستہ تائی نے اُسکا کندھا تھپتھپایا۔

''جی تائی جان۔''گہرا سانس لے کر وہ مڑ گیا۔اللہ ہی وارث ہے اب!

※ ※ ※

''میں اندر آجاؤں؟''رعناء نے بجّو اماں کے کمرے کے دروازے کے باہر سے سر اندر کر کے کہا۔

''آجامیری بچی! یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے؟''وہ بیڈ پر بیٹھی مغرب کی نماز کے بعد تسبیح پڑھنے میں مصروف تھیں۔

''امّاں یار ایک مسئلہ ہے۔''رعناء نے بُرا سامنہ بنایا اور دروازہ بند کر کے اندر آگئیں۔

''ایک تو پہلی بات یہ ہے کہ میں تیری یار لگتی ہوں! ہیں؟''وہ بدمزہ ہوئیں۔

''امّاں!''رعناء اُنکے غصے کو نظر انداز کر کے اُن سے لپٹ گئیں۔

''ارے بتا بھی کیا مسئلہ ہے؟ ایسے چمٹ کیوں رہی ہے۔''اُنہوں نے رعناء کو گلے لگا کر کہا۔

''نبیل نے کچھ کہا ہے؟''رازداری سے پوچھا، رعناء ہنس دیں۔

''اماں پچیس سال ہو گ ئے ہیں میری شادی کو، پہلے کبھی نبیل کی شکایت کی ہے جو اب کرونگی، ویسے بھی اُنہوں نے کچھ نہیں کہا۔''

''تو پھر کیا ہے؟''اُنہوں نے پھر پوچھا۔

''کراچی واپس جانا ہے۔'' منہ لٹکایا۔

بجّو اماں نے گھور کر دیکھا۔

''اماں جانا تو پڑے گا نا، چھٹیاں ختم ہونے والی ہیں میری اور پھر دو دن بعد عُمائمہ کے پیپرز شروع ہیں۔''

''میری ایک بات سُن۔'' اُنکا موڈ بدلہ،

''بلکہ مجھے ایک بات بتا، پچھلے پندرہ سال تُو نے پڑھائی کے بہانے کر کے چھٹیاں نہیں کیں، پھر اپنے بچوں کی پڑھائی کیلئے اور اب نوکری کرتے ہوئے بھی چھٹیاں ہی آڑے آرہی ہیں، یہ مجھے بتاؤ کیسی زندگی گزار رہے ہو تم لوگ؟'' وہ تپ گئی تھیں، رعناء نے مزید منہ پھُلایا۔

''خاندان کی پہلی بیٹی کا نکاح ہے اور تم سب کو اپنی اپنی نوکریوں کی پڑی ہے، عجیب ہی ہو تم لوگ بھی! جاؤ! جاؤ بھئی ابھی جہاز پکڑو، مجھے نہ بلانا اب!''

اُنہوں نے دوپٹہ کانوں کے پیچھے اڑسا اور رعناء کو مکمل نظرانداز کر کے تسبیح پڑھنے لگیں۔

رعناء نے بڑی جِدّو جُہد کر کے اپنے ہنسی روکی، اگر وہ اِس ''نازُک صورتحال''میں ہنستیں تو اُنکے

ساتھ کیا ہو سکتا تھا یہ بخوّ اماں ہی جانتی تھیں۔

''اچھا اماں! سُنیں تو۔۔۔''منانے کی کوشش کی۔

''ہونہہ!''ناک سُکیڑی۔منہ پھیر لیا۔

''اماں بتائیں نا اب کیا کروں۔''رعناء نے ہاتھ سے تسبیح لے لی۔

''جاؤ اپنے گھر! یہ تو تمہارا پرایا گھر ہے نا!''منہ پھیرے ہوئے ہی رکھا۔

''اماں میرا پیٹ درد کرنے لگ گیا ہے۔''رعناء نے مصالحت کی ایک اور کوشش کی۔

''کیوں؟''چونک کر دیکھا۔

"ہنسی روک روک کر!" کہہ کر رعناء قہقہوں سے ہنسنے لگیں، وہ مزید نہیں روک سکتی تھیں۔

بجّو اماں نے مزید خفگی سے دیکھا۔

"سوری سوری!" منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسی روکی۔

"شائستہ! مجھے بھوک لگی ہے، کھانا لگاؤ!" بجّو اماں نے اُنہیں نظر انداز کر کے باہر آواز لگائی۔

"اچھا اماں ایک کام ہو سکتا ہے!" رعناء کی آنکھیں چمکیں۔ امّاں نے منہ پھیرے رکھا۔

"ایسا کرتے ہیں نبیل اور عُمائمہ کو بھیج دیتے ہیں، ویسے بھی پیپرز اُسکے ہیں، وہ جانے اور اُسکا کام۔"

رُک کر بجّو اماں کے تاثرات دیکھے۔ ہائے بیچاری عُمائمہ۔

"کیا کہتی ہیں؟"

"اور تیری چھٹیاں؟" اصل مسئلہ ہی یہ تھا۔

"وہ میں کر لونگی کچھ نہ کچھ، اب تو منہ اِدھر کریں۔" رعناء نے اُنکا گھٹنا ہلایا۔

''ہاں ٹھیک ہے، لیکن عُمائمہ کے ساتھ بھی توزیادتی ہے نا۔''اب اُنہیں عُمائمہ کی فکر ہو رہی تھی۔

''چھوڑیں اماں! پانچ ہی تو پیپرز ہیں، دے کر واپس آجائے گی، یا اگر نبیل کے پاس ٹائم نہ ہوا تو عدیل اور میں جا کر لے آئینگے۔''

کھڑکی کے باہر ڈھلتے سورج کی آخری کرن نے کہا، دیکھو ذرا یہ عُمائمہ کی سگّی ماں ہی ہیں نا!

''ہاں ٹھیک ہے!''اُنہوں نے سر ہلایا۔

رعناء نے سکون کا سانس لیا، اور سر اُنکی گود میں رکھ دیا۔ماں کو کسی چیز کیلیۓ منانا سب سے مشکل کام تھا۔

''بجّو اماں! اسفند بھائی آگۓ ہیں۔''مناہل نے دروازہ کھول کر اندر اطلاع دی اور پھر ٹی وی لاؤنج کی طرف بھاگ گئی۔رعناء نے بجّو اماں کی گود سے سر اُٹھایا۔

''اسفند تو اسماعیل کو لے کر گیا تھا ناہاسپٹل۔''

''ہاں اسماعیل بھی آگیا ہو گا۔'' بجّو اماں نے رعناء کا سہارا لیا اور اُٹھنے لگیں۔

لاؤنج میں نبیل سمیت آصفہ، شائستہ، ہاجرہ، سب ہی موجود تھے۔ اسماعیل اُن سب کے سامنے کھڑا ٹی وی پر لگے کسی گانے پر ناچ رہا تھا اور وہ سب اپنے اپنے پیٹ پکڑے دوہرے ہو رہے تھے۔

''کوئی حال نہیں اِن سب کا!'' اماں نے دور سے اُنہیں دیکھ کر ہنستے ہوئے کہا۔

''آجائیں بجّو اماں!'' کہہ کر اسماعیل نے آگے آتیں اماں کا بازو پکڑا اور اُنہیں گھمایا۔ وہ ارے ارے کرتی رہ گئیں اور پھر ایک صوفے پر اُنہیں بِٹھا دیا۔

''بے شرمو! یہ کیا کر رہے ہو؟'' اُنہوں نے اپنا چکراتا سر تھاما۔

''اماں دیکھیں اب میں بالکل ٹھیک ہو گیا ہوں، اب آپکو کون بچائے گا مجھ سے!'' کہہ کر اسماعیل نے اُنہیں گُدگُدی کی، اُن سمیت وہ سب کھلکھلائے۔

''اماں مجھے تو لگتا ہے اسفندر اِسے کچھ پلا کر لایا ہے۔'' سُہیل نے ہنس کر کہا۔

"استغفرُاللہ! بابا میں سیدھا ہاسپٹل سے اِسے گھر لایا ہوں! توبہ توبہ!" اسفند نے باری باری دونوں کان چھوئے۔

"بے شک اللہ تعالیٰ نے خاندان کو ایک دوسرے کے دُکھ سُکھ کا ساتھی بنا کر بھیجا ہوتا ہے۔بس ہم میں سے کچھ دُکھوں کے وقت اپنوں کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں اور کبھی خوشی کے وقت انہیں اپنے ساتھ شامل نہیں کرتے۔غلط کرتے ہیں!"

※ ※ ※

"ایک ضروری اعلان سُنیں!" رات کے کھانے پر رعناء نے چمچ سے گلاس بجا کر سب کو متوجہ کیا۔

"جلدی جلدی سُنانا، میرے پاس بھی کچھ ہے بتانے کو!" افضل نے بھی جلدی جلدی نوالہ نِگلا۔

"دو دن بعد یعنی کمینگ منڈے کو عُمائمہ کا پہلا پیپر ہے۔" عُمائمہ نے گردن جھکائی، مُسکراہٹ غائب ہو گئی۔

''نبیل کے بھی کراچی سے فون پہ فون آرہے ہیں، تو میں نے یہ ڈیسائیڈ کیا ہے کہ ہم اپنے اِنجوائے منٹ کیوں خراب کریں، جن کے کام ہیں اُن کے کام جانیں اور وہ خود، اِس لیے نبیل اور عُمائمہ ہفتے کی شام کو واپس چلے جائینگے۔''

ٹیبل پر عجیب سی خاموشی چھا گئی۔ عُمائمہ نے نظر اُٹھا کر سامنے بیٹھی ہاجرہ کو دیکھا۔

''یہ کیا؟'' بھنویں اُچکائیں۔

''میں کیا کر سکتی ہوں۔'' بمشکل مُسکرائی۔

''ہفتے کی شام، یعنی کل؟'' مناہل جیسے کسی نیند سے جاگی تھی۔

''ہاں!'' ساتھ بیٹھا اسفند بڑبڑایا۔

''چلو جی یہ تو ہو گئی آج کی بُری خبر!'' نبیل نے اُن کے اُترے چہرے دیکھ کر کہا۔

''تو اب میں اچھی خبر سُناؤں؟'' افضل ایکسائیٹِڈ تھے۔

''کیا؟ عُمائمہ کے پیپرز کینسل ہوگ ئے؟'' مناہل اُن سے زیادہ ایکسائیٹڈ ہوئی۔

''نہیں بیوقوف! چُپ رہو!'' اسفند نے اُسے کُہنی ماری۔

''نہیں بچے! اچھی خبر یہ ہے کہ ریاض اور فوزیہ کل آرہے ہیں تاریخ پکی کرنے، میرا خیال ہے کہ اگلے مہینے کا دوسرا ہفتہ رکھینگے۔'' افضل مُسکرائے۔

''ہاں اور تب تک عُمائمہ کے پیپرز بھی ہو جائینگے، سارے مسئلے ختم!'' بجّو اماں نے بھی ہنس کر کہا۔

وہ سب مُسکرادی ئے۔

لیکن کیا اُن سے مُسکرایا جارہا تھا؟

※ ※ ※

''کچھ چاہ ئے کیا؟'' ہاجرہ سِنک کے سامنے کھڑی برتن دھونے میں مصروف تھی جب عُمائمہ کچن میں آئی۔

''نہیں کچھ نہیں۔'' کھوئے ہوئے لہجے میں کہا۔

عُمائمہ نے کیبنٹ میں سے دو مگ نکالے پھر پانی گرم ہونے کیلئے رکھا اور کافی پھینٹنے لگی۔

کچن میں اب برتن دھونے کے علاوہ تیزی سے کافی پھینٹنے کی آواز بھی شامل ہو گئی۔ ہاجرہ کو خاموشی سے کوفت ہونے لگی۔

''کس کیلئے بنارہی ہو کافی؟ پھپھو کے لیئے؟'' ہاجرہ نے اُسی طرح کھڑے پوچھا۔

جواب ندارد۔

ہاجرہ نے دو تین سیکنڈ کے توقف کے بعد مڑ کر دیکھا۔ عُمائمہ اب کافی پھینٹتے ہوئے کچن کے چکر لگا رہی تھی۔

''عمائمہ!'' ہاجرہ نے پھر آواز دی، کوئی اثر نہیں۔

''یااللہ !اِس لڑکی کی اِس عجیب وغریب عادت سے تو مجھے اب ڈر لگنے لگا ہے۔''ہاجرہ گہرا سانس لے کر واپس مڑ گئی۔

''لڑکی ! جا گو !''اب کے ہاجرہ نے مُٹھی میں پانی بھر کر اُسکے منہ پر ڈالا۔

''ہاں !۔۔۔کیا ہو گیا؟''ہڑ بڑائی ہوئی عُمائمہ۔

''کتنی دیر اور چھینٹو گی اُسکو !''ہاجرہ نے اُسکے ہاتھ سے مگ لے کر شیلف پر رکھا۔

''اوہ سوری !''وہ پھیکا سا مُسکرائی اور دوپٹے سے منہ پر لگا پانی صاف کرنے لگی۔

ہاجرہ نے اُسے غور سے دیکھا،ایسا اُس کے ساتھ تب ہو رہا تھا جب وہ ابھی آئی ہی تھی اور اب ہو رہا تھا جب اُس نے کل چلے جانا تھا۔

''ٹھیک ہو ؟''ہاجرہ نے اُسکا کندھا چھوا۔وہ اب پانی کپوں میں اُنڈیل رہی تھی۔

''جی ہاجرہ آپی ٹھیک ہوں۔''پھر سے کھویا ہوا لہجہ۔

''یہ کافی کس کیلیٔے بنائی ہے؟''مگ اُٹھا کر ٹرے میں رکھے۔

''یہ۔۔۔یہ اسفند کیلیٔے بنائی تھی۔''

''دونوں کپ؟''ہاجرہ نے بروقت مُسکراہٹ دبائی،اب اُسے سمجھ آرہا تھا کہ عُمائمہ کو اصل میں مسئلہ کیا تھا۔

''نہیں ایک اپنے لیٔے بنایا تھا۔''اب وہ کپ کے کنارے پر اُنگلی پھیر رہی تھی۔

''جاؤ پھر دے آؤ اُسکو۔''ہاجرہ مُسکرائی،عُمائمہ چونکی۔اُسکی فیری ٹیل ٹوٹی۔

''میں دے کر آؤں؟''بدلہ ہوا لہجہ۔

''ہاں تم نے اُسی کیلیٔے بنائی ہے تو تم ہی دے آؤ۔''ہاجرہ نے کندھے اُچکائے۔

''نہیں،ہاجرہ آپی آپ دے آئیں،میں۔۔۔میں نے ابھی پیکینگ بھی کرنی ہے۔''کہہ کر وہ کچن سے نکل گئی۔

ہاجرہ آوازیں دیتی ہی رہ گئی۔

"آہ عُمائمہ! کتنے غلط وقت پر جاگی ہو تم۔" ہاجرہ بڑبڑائی اور ٹرے اُٹھالی۔

"اسفند کہاں ہے؟" ہاجرہ نے ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی مناہل اور عائشہ سے پوچھا۔

"بجّو اماں کے کمرے میں۔" مناہل نے ٹی وی سے نظریں ہٹائے بغیر ہی کہا۔

"دونوں ہی پاگل ہیں!" بڑبڑاتے ہوئے پاس پڑے ٹیبل پر ٹرے رکھی اور بجّو اماں کے کمرے کی طرف مڑی۔

"کون دونوں؟" مناہل نے پیچھے سے آواز دی۔

"میں اور تم!" خفگی سے کہا۔

"ایں؟ میں پاگل؟ میں نے اِنکو کیا کہا ہے اب؟" مناہل نے منہ بنایا۔

''شش!'' پاس بیٹھی عائشہ نے ٹوکا، وہ پھر سے ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئی۔

''اسفند ایک کام کرو گے؟''

ہاجرہ نے کمرے کے دردوازے سے منہ نکالا۔

وہ جو بجّو اماں کی گود میں سر رکھے، آنکھیں موندے پتا نہیں کونسے جہان میں تھا، چونک کر آنکھیں کھولیں۔

''جی ہاجرہ آپی؟''

''چین نہ لینے دینا تم میرے بچے کو!'' اماں جو اُسکے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کچھ پڑھ رہے تھیں، ہاجرہ پر بِگڑیں۔

''یہاں آؤ!'' ہاجرہ نے اُنکی ڈانٹ کو بڑے مزے سے کھایا۔

''اوکے آرہا ہوں۔'' اسفند اُٹھ گیا۔

''آپ سو جائیں اب۔''اُنکا ہاتھ چوما اور پاؤں میں چپل گھسیٹرتا باہر نکل گیا۔

بجّو اماں مُسکرا دیں۔

''کافی پئیو گے ؟''ہاجرہ کی آنکھیں چمکیں۔

''ہاں جی کیوں نہیں !لیکن آپکو کیسے پتا کہ مجھے اِس وقت کافی چاہیئے ؟''اسفند واقعی حیران ہوا تھا۔

''مجھے نہیں عُمائمہ کو۔''مُسکرائی۔

''ہیں ؟عُمائمہ کو ؟''اسفند کو لگا اُس نے غلط سُنا ہے۔

''اُف بیوقوف !کافی ٹھنڈی ہو رہی ہے !''ہاجرہ اُسے اُس ٹیبل تک لائی اور ٹرے کی طرف اشارہ کیا۔

''اٹھاؤ ٹرے۔''

''ٹھیک ہے۔''اسفند نے ٹرے اُٹھالی،''اب کیا کروں ؟دو کپ کافی پیئوں ؟''

''ایک تمہارا ایک عُمائمہ کا۔''

اسفند بے اختیار ہنسا۔

''یہ کیا ڈرامہ کر رہی ہیں ؟''سر سری سے انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔

''زیادہ بنو مت !''ہاجرہ نے اُسکے بازو تھپڑ رسید کیا،اسفند کی مُسکراہٹ سِمٹی۔

''اُس نے بنائی ہے کافی، تمہارے لیئے اور اپنے لیئے، لیکن عین موقع پر اُسے اپنی پیکینگ یاد آ گئی،

اب تم یہ کافی لے جاؤ خود بھی پی لو اور اُسے بھی دے دو۔''

اسفند نے پہلے سے زیادہ حیرانگی سے دیکھا۔

''ٹھنڈی ہو رہی ہے کافی یار !''ہاجرہ نے اُسے سیڑھیوں کی طرف دھکیلا۔

وہ نفی میں گردن ہلاتے، بظاہر بُرا سامنہ بناتے سیڑھیاں چڑھنے لگا، گردن جھُکا کر ایک بار مگ سونگھے، خوشبو اچھی تھی۔ وہ مُسکرا دیا۔

"کھانے پینے کی چیزوں کو ایسے نہیں سونگھتے!" ٹی وی پر ہی نظریں جمائے مناہل نے اونچی آواز میں کہا، اسفند تیزی سے سیڑھیاں چڑھ گیا۔ ہاجرہ نے مناہل کو دیکھا، دونوں کھسیانے انداز میں ہنسیں۔

"دونوں پاگل!" مناہل نے کہا۔

"شش!" ہاجرہ نے مزید کچھ کہنے سے پہلے عائشہ نے دونوں کو گھورا۔

※※※

"Knock Knock!"

اُس نے دروازہ بجاتے ہوئے کہا۔

عُمائمہ نے چونک کر گردن اُٹھائی اور بند دروازے کو دیکھا، پھر آس پاس پھیلے کپڑوں کے ڈھیر میں سے اپنا دوپٹہ ڈھونڈ کر اوڑھا۔

“Yess!“““

”میم آپکی کافی ٹیرس میں پڑی ٹھنڈی ہو رہی ہے، پلیز آجائیں۔“ دروازہ کھول کر اسفند نے مسکین سی شکل بنائی۔

عُمائمہ کھلکھلائی، اور اُٹھ کھڑی ہوئی، اسفند نے اُس کیلئے راستہ چھوڑا۔

”کافی اچھی بنی ہے۔“ اُس نے پہلا گھونٹ بھرتے ہی کہا۔

”آپ نے بنائی ہے کیسے اچھی نہ بنتی۔“ مُسکرا کر کہا۔

عُمائمہ کی آنکھوں میں حیرت اور چمک بیک وقت اُبھری اور پھر وہ ہنس دی۔

”ہاجرہ آپی نے بتایا تھا۔“ اسفند نے اُسکی حیرت دیکھتے ہوئے کہا۔

دونوں کے درمیان خاموشی کا وقفہ آیا۔

ٹیرس کی کُرسیاں ترِچھی کر کے رکھی تھیں، سامنے دور تک پھیلا اندھیر آسمان تھا، دُھند کے علاوہ کچھ نظر نہیں آ رہا تھا، آس پاس کے گھروں کی روشنیاں بھی دُھندلائی ہوئی تھیں۔

''پیکینگ ہو گئی؟'' اسفند نے کافی کی کڑواہٹ اپنے اندر اُتاری۔

''نہیں ابھی رہتی ہے۔'' اُس نے اپنے کپ پر ہی نظریں جمائے کہا۔

''کتنے بجے کی فلائیٹ ہے؟'' اسفند نے پھر پوچھا۔

''شام سات بجے کی۔''

پھر خاموشی۔

''اُفف کتنے بورِنگ ہیں دونوں! بھلا یہ بھی کوئی باتیں ہیں کرنے والی۔'' مناہل نے شدید بدمزہ ہو کر کہا۔

''شش! چُپ رہو! یار دونوں کتنے اچھے لگ رہے ہیں نا!'' ہاجرہ نے محویت سے اُنہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں ٹیرس کے گلاس ڈور کا پردہ آگے کیے، دو سٹولز اُٹھا کر پردے کے پیچھے ہی بیٹھی تھیں، ہال کی آدھی لائیٹیں بند کر دی تھیں اور وہ بمشکل نظر آ رہی تھیں۔

ہمیشہ کی طرح یہ آئیڈیا بھی مناہل کا ہی تھا۔

کتنے پیپرز ہیں؟'' اسفند نے اُسکے چہرے کی طرف دیکھا۔

پیپرز تو بس پانچ ہی ہیں، لیکن درمیان میں گیپ ہے، مطلب کہ جیسے ایک پیپر منڈے کو ہے تو اگلا فرائڈے کو، پھر اگلا ٹیوزڈے اور ایسے ہی آگے بھی۔'' منہ بنا کر کہا۔

''اوہ! تو اصل مسئلہ یہ ہے، یعنی تقریباً پندرہ دن تو لگ ہی جائینگے ختم ہونے میں۔'' اسفند نے سر ہلایا۔

''جی۔''عُمائمہ نے کافی کا گھونٹ بھرا۔

''ہائے کتنی ظالم ہے نا یہ دُنیا!''ہاجرہ نے تبصرہ کیا۔

''شش چُپ! میرا بھائی بھی اپنی پرائیویسی کی معاملے میں بڑا ظالم ہے!''مناہل نے سرگوشی کی۔

''میں ڈوبی تو تمہیں لے کر ڈوبونگی صنم!''ہاجرہ نے مناہل کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''اچھا بس بس، کوئی بھی نہیں ڈوبے گا اگر ہم دونوں چُپ رہیں۔''

اور بس اُسی پل اسفند کوئی احساس چھو کر گزرا، جیسے اُسے کوئی دیکھ رہا ہو، عمائمہ کافی کے گھونٹ بھر رہی تھی، اُسے نہیں دیکھ رہی تھی، پھر وہ تیسرا احساس کیا تھا؟ سیکینڈز کے ہزارویں حصے میں اُسے مناہل کا خیال آیا۔

نامحسوس طریقے سے اُس نے کافی کا آخری گھونٹ بھرا، مگ ٹیبل پر رکھا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔ عُمائمہ نے حیرت سے اُسے دیکھا۔

پھر وہ عُمائمہ کی طرف جھکا،اُسکے کان کے قریب، عُمائمہ کا رنگ سُرخ ہوا، ہاتھ سے مگ چھوٹتے چھوٹتے بچا۔

''استغفرُ للہ! توبہ توبہ!'' مناہل نے بے اختیار کہا۔

''ایویں تو نہیں تمہارے بھائی کو اپنی پرائیویسی عزیز!'' ہاجرہ نے منہ پھیر لیا۔

''مناہل سلائیڈینگ ڈور کے پیچھے ہی ہے۔'' اسفند نے اُسکے کان میں کہا، اُس نے گردن موڑنی چاہی۔

''نہ نہ! پیچھے مت دیکھئے گا!'' اُسکے سر پر ہاتھ رکھ کر روکا، عُمائمہ کو لگا اب وہ سانس نہیں لے پائے گی۔

''میں آتا ہوں۔'' کہہ کر اسفند سیدھا ہو گیا، ایک نظر عُمائمہ کے سُرخ چہرے پر ڈالی، مُسکرایا اور اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

عُمائمہ کی رُکی ہوئی سانس بحال ہوئی،ایک گہرا سانس لے کر مگ میں آخری گھونٹ بھرا اور ٹیبل پر رکھ دیا۔

چہرہ پوری طرح موڑ لیا، مناہل اور ہاجرہ کو اب اُسکے تاثرات بالکل بھی نظر نہیں آرہے تھے۔اور پھر وہ ہنس دی، پورے دل سے،اُس نے اپنے ہاتھ سامنے پھیلائے،اُن میں ابھی بھی کپکپی تھی۔گال کا گڑھا واضع تھا۔

''ختم ہوا سین یا نہیں؟''ہاجرہ نے اُسی طرح مڑے ہی کہا۔

''ہو گیا ختم!''مناہل نے بدمزہ ہو کر کہا،''مجھے نہیں پتا تھا بھائی ایسی حرکت بھی کر سکتے ہیں۔''

''خود ہی تو کہہ رہی تھیں، کتنے بورِنگ ہیں،اب آرہا ہے مزہ؟بے شرم!''ہاجرہ نے پھر باہر جھانکا۔

''کہاں گیا اسفند؟''

''اپنے کمرے میں گ ئے ہیں، ہو سکتا ہے کوئی گفٹ دینا ہو؟'' مناہل ایک آنکھ دبائی۔

''ایک تو عُمائمہ نے بھی منہ پھیر لیا ہے، یار اُسکا منہ دیکھنے والا ہوتا۔'' ہاجرہ نے ہنس کر کہا۔

''کہاں رہ گ ئے بھائی!'' مناہل نے گردن مزید آگے سرکائی۔

''یہاں ہوں!'' کہہ کر اسفند نے ہال کی لائیٹس جلادیں۔

مناہل نے بے اختیار آنکھیں بند کیں اور ہاجرہ ساکت بیٹھی رہی۔

وہ قدم قدم چلتا اُن تک آیا۔

''ڈوب گ ئے ہم صنم!'' مناہل بڑبڑائی، ہاجرہ نے اپنا سر پیٹا۔

''یہاں آئیں!'' سختی سے کہا۔

''اسفند میں تو بس دیکھنے آئی تھی کہ کافی ٹھنڈی تو نہیں۔۔۔''ہاجرہ اب اُسکے سامنے کھڑی تھی،

مناہل ابھی اپنی جگہ پر ہی کھڑی تھی۔

''ہاں اِسی لیٔے آپ نے مجھے کافی دے کر بھیجا تھا نا۔''اُسی سنجیدہ غصے سے کہا۔ہاجرہ پر گڑھوں پانی پڑ گیا۔

اُس نے گردن جھکالی اور ہزار بار اُس لمحے پر لعنت ڈالی جب اُس نے مناہل کی بات مانی تھی۔

''بھائی اِنکو میں اپنے ساتھ۔۔۔''مناہل بھی آگے بڑھی۔

''تم تو چُپ ہی کر جاؤ مناہل! تم کتنی ہاتھ سے نکل چکی ہو مجھے اندازہ ہو رہا ہے، کر لیتے ہیں تمہارا بھی کچھ۔''

''سوری بھائی!''گردن جھکالی۔

''ہاں سوری اسفند! میں ماما کو دیکھ لوں۔''کہہ کر ہاجرہ سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

www.novelsclubb.com

‘‘میں۔۔۔میں سچ میں شرمندہ ہوں بھائی۔’’کہہ کر مناہل بھی نیچے جانے لگی۔

ہاجرہ وہیں سیڑھیوں کی اُوٹ میں اُسکا انتظار کر رہی تھی اور پھر اُسے لے کر ہی نیچے اُترنے لگی۔

‘‘کیا سوچتا ہوگا اسفند میرے بارے میں،اُف مناہل اب دوبارہ کبھی تمہاری بات نہیں مانونگی۔’’

ہاجرہ نے منہ لٹکایا۔

‘‘بس کریں اب، ہمیں ڈانٹ رہے ہیں،اپنا نہیں پتا کیا کر رہے تھے؟توبہ توبہ۔’’

مناہل نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

“Shut up!“

ہاجرہ نے اُسے جھاڑا۔

اوپر ریلینگ پر ہاتھ رکھے کھڑا اسفند اُنہیں دیکھ کر مُسکرایا اور واپس مڑ گیا۔

وہ واپس آیا تو عُمائمہ ٹرے اُٹھائے واپس جانے کیل ئے کھڑی تھی۔

''کیا ہوا؟''اسفند نے حیرانگی سے دیکھا۔

''کچھ نہیں،رات بہت ہو گئی ہے،ابھی پیکینگ بھی کرنی ہے اور ویسے بھی آپ نے صبح آفس بھی

جانا ہے۔''

''پیکینگ تک تو ٹھیک ہے لیکن میں صبح آفس نہیں جا رہا۔''مُسکرا کر کندھے اُچکائے۔

''کیوں؟''پھر جیسے کچھ یاد آیا،''اوہ ہاں صبح فوزیہ آنٹی نے بھی تو آنا ہے نا،کام ہو گا گھر پر۔''

اسفند ہنس دیا۔

''اب کیوں ہنسے؟''

''کچھ نہیں آپ جائیں،رات واقعی بہت ہو گئی ہے۔''اُس نے راستہ چھوڑا۔

عُمائمہ ہال میں آئی اور گلاس ڈور کے بالکل ساتھ پڑے سٹولز دیکھ کر حیران ہوئی، اسفند کو دیکھا۔

"ہاجرہ آپی بھی یہیں تھیں۔" وہ پھر مُسکرایا۔

عُمائمہ بھی مُسکرادی، وہ اگر ساری زندگی ایسے ہی مُسکراتا رہے تو کتنا اچھا ہو!

"آپ مجھے مِس کرینگے؟" عُمائمہ نے اُسکی آنکھوں میں دیکھا، جیسے وہ کچھ سُننا چاہتی تھی۔

"آپ بھلا کوئی بھولنے والی چیز ہیں جو میں مِس کرونگا، آپ ہمیشہ یاد ہی رہتی ہیں۔" اسفند نے یقین دہانی کروائی، بہت سامان رکھا۔ عُمائمہ کا مان اُسے ہی رکھنا تھا۔

وہ مُسکرادی اور پھر مڑ گئی۔ اسفند نے اُسے سیڑھیوں سے غائب ہونے تک دیکھا اور اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

زندگی میں پہلی دفعہ اُن دونوں نے ٹھنڈی کافی اِتنی دیر لگا کر پی تھی۔

※※※

باب نمبر سات

''نعمت''

جب ہم آزمائے جاتے ہیں،

عشق میں!

اُس رب کے،

اُس کریم ذات کے۔

تو پھر ہم ضرور

نوازے جاتے ہیں،

کسی ایسی چیز سے

جس پر ہمارا ایمان ہو،

دل ودماغ راضی ہو۔۔۔

خوشی سے سرشار ہو۔۔۔

تو اُس مشکل میں

وہ دلی سکون ہمیشہ،

ہمارے لیٔے ثابت ہوتا ہے

ایک بابرکت نعمت!

جو اُس رب کی عطاء ہو۔۔۔

جو اُس کریم سے انعام ہو۔۔۔۔

جو خوبصورت ہو۔۔۔

اور سب سے اوپر،

وہ ابدی ہو!

اپنے سفر کا آغاز وہیں سے کرتے ہیں جہاں بجّو اماں کے آنگن میں سردیوں کی میٹھی دھوپ ڈائینینگ روم کے شیشوں سے آنکھ مچولی کھیلتی نظر آ رہی تھی۔

''مام آپکا فون کہاں ہے؟'' رعناء اور بجّو اماں بیٹھی ناشتہ کر رہی تھیں جب عُمائمہ اپنا فون ہاتھ میں پکڑے اُنکے پاس آئی۔

''پتا نہیں، شاید روم میں ہے، کیوں؟'' ناشتے سے گردن اُٹھا کر کہا۔

''احمر بھائی کی کال ہے، وہ کہہ رہے ہیں کل سے فون کر رہے ہیں اور آپکا نمبر آؤٹ آف ریچ آ رہا ہے۔'' فون رعناء کی طرف بڑھایا۔

''یار پتا نہیں کہاں رکھ دیا ہے میں نے، ہیلو!''پہلا جملہ عُمائمہ کو کہتے فون کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''السلام علیکم مام!''احمر کا بے فکر لہجہ سُنائی دیا۔

''وعلیکم السلام میرا بچہ!''رعناء مُسکرائیں۔

''کیسے ہو؟''

''میں ٹھیک ہوں، آپکا فون کہاں ہے؟ میں کل سے ٹرائی کر رہا ہوں۔''وہ اُکتایا ہوا لگتا تھا۔

''ارے میرا بچہ آف ہو گیا تھا، چارج کرنے رکھا تھا کہیں، یہیں کہیں ہو گا۔''

رعناء اُس سے بات کرتیں، بجّو اماں کو اشارے سے ایکسیوز کرتیں اُٹھیں اور لاؤنج سے ہوتی باہر آ گئیں۔

''اچھا چھوڑیں فون کو، آپ بتائیں کیا کررہی تھیں۔''اُس نے لہجے کو خوشگوار بنایا، رعناء کی حیرت کی حد تھی۔فون کان سے ہٹا کر سکرین کو گھورا اور پھر کان کو لگایا، احمر؟ اور اُن سے بات کرنا چاہ رہا تھا؟ معجزہ ہی تھا!

''ناشتہ کررہی تھی، تم بتاؤ، پڑھائی کیسی جارہی ہے؟ یہ لاسٹ ائیر چل رہا ہے نا تمہارا۔'' وہ پھر سے مُسکرائیں۔

دوسری طرف احمر ہنسا۔

''آپکو یاد ہے کہ یہ میرا لاسٹ ائیر ہے؟ میں تو سمجھا تھا کہ آپ بھول بھی گئی ہونگی کہ آپکا کوئی بیٹا نیویارک میں بھی بیٹھا ہے۔''اُس کے لہجے کے طنز کو رعناء نے سات سمندر پار کھڑے بھی محسوس کیا تھا، مُسکراہٹ پھیکی پڑی۔

''کیسے نہیں یاد رہے گا، میں تو راہ دیکھ رہی ہوں کب میں اپنے بچے کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھو نگی، کتنا عرصہ ہوا تمہیں گلے سے لگائے ہوئے۔''

طنز نظرانداز کردیا، ماں تھیں، کرناپڑا۔

''السلام علیکم پھپھو!''اُنہیں کھڑے دیکھ کر اسفند جو شاید جاگنگ کر کے آرہا تھا، اُنکی طرف بڑھا۔

''وعلیکم السلام بچے!''رعناء مڑیں، فون ہنوز کان کے ساتھ ہی تھا۔

''آپ ابھی تک اُنہیں لوگوں کے گھر ہیں؟ واپس کیوں نہیں گ ئے؟''دوسری طرف احمر نے اسفند کی آواز پہچان لی تھی۔

''اُونہوں! وہ کوئی لوگ نہیں ہیں! تمہارے ننھیاں والے ہیں۔''مُسکرا کر سرگوشی کی۔

''واٹ ایور!''وہ شدید بدمزہ ہوا۔

اسفند اب اُنکے پاس آگیا تھا۔

''احمر یہ اسفند ہے، بات کرو۔''رعناء نے فون پر تعارُف کروایااور مُسکرا کر فون اسفند کو تھمایا۔

''السلام علیکم احمر!''وہ بھی مُسکرایا۔

''وعلیکم السلام۔''دوسری طرف اُس نے منہ بنایا۔

''کیسے۔۔۔؟''اِس سے پہلے وہ کچھ اور کہتا کال ڈِسکنکٹ ہوگئی،اسفند فون کان سے ہٹاکر دیکھا،اُسکے کان کی لوئیں سُرخ ہوئیں پھر بمشکل مُسکرایااور فون رعناء کی طرف بڑھادیا۔

''کیاہوا؟''رعناء نے فون ہاتھ سے لیتے اُسے غور سے دیکھا۔

''سِگنل ڈراپ ہوگئے ہیں پھپھو۔''عام سااندازاپنایا،رعناء گہرا سانس لے کر رہ گئیں۔

''آجائیں اندر۔''کہہ کر وہ مڑ گیا۔وہ جانتا تھا نہ ہی رعناءاُسے کال کرینگی اور نہ ہی وہ اب کال بیک کریگا۔جو کالز کاٹ دیتے ہیں وہ کال بیک کرنے کا حوصلہ بھی نہیں رکھتے۔

اپنوں کے دلوں میں آجانے والے کچھ فاصلے اُن سے جُڑے باقی رشتوں کو بھی بُری طرح متاثر کرتے ہیں۔اسفند اور رعناء بھی اُس وقت اُن فاصلوں کے اثرانداز ہونے سے پہلے ہی اُنہیں مٹانے کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ لیکن ایسے فاصلے ایک بار جنم لے لیں تو لاکھ کوششوں کے بعد بھی ختم نہیں ہو سکتے۔

※ ※ ※

تقریباً دس بجے کے قریب وہ ساری لڑکیاں ٹی وی لاؤنج میں آکر ڈھیر ہوئی تھیں۔

"تم سب اپنے اپنے کام ختم کر کے آئی ہو؟" اُنکے بیٹھنے سے پہلے ہی رعناء اُنکے سروں پر موجود تھیں۔

"Yess!"

"یک زبان ہو کر کہا۔

''میرا کام بھی پورا ہوا!'' اسماعیل بھی دانت نکالتا اپنے کمرے سے نکلا۔

''تمہارا کیا کام تھا؟'' مناہل حیران تھی۔

''ہاں میں نے تمہیں کوئی کام کرتے نہیں دیکھا۔'' ہاجرہ کی حیرانگی بھی بجا تھی۔

''اِس کا کام یہ تھا کہ یہ اُس وقت تک اپنے کمرے میں رہے گا جب تک تم سب اپنے اپنے کام پورے نا کر لو۔'' رعناء ہنسیں۔

''ہاں کیونکہ اِسکی وجہ سے ہمارا کوئی بھی کام پورا نہ ہوتا۔'' یہ سمجھدار عُمائمہ ہیں۔

اسماعیل نے پورے دانت نکالے، ایسے جیسے اپنی ساری تعریف بڑی شان سے قبول کی تھی۔

''بس ڈرامے کروالو اِس سے جتنے مرضی!'' مناہل بڑبڑائی، اونچی بڑبڑاہٹ۔

''ماما اب ہم تیار ہو جائیں؟'' عائشہ بے صبری!

"ہاں جاؤ، زیادہ سے زیادہ بھی ایک بجے تک آ جائینگے وہ لوگ۔" رعناء کہہ کر مڑیں، پھر جیسے کچھ یاد آیا،

"عُمائمہ، ہاجرہ! تم دونوں کچن میں چلو، شائستہ اکیلی لگی ہوئی ہے۔" اور پھر وہ مڑ گئیں، دونوں نے بُری سی شکل بنائی اور اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

"Best of Luck!"

اسماعیل نے پیچھے سے آواز دی۔

"ہونہہ! بیسٹ آف لک۔" مناہل نے منہ بگاڑ کر اُسکی نقل اُتاری۔

"میں نے تمہیں کیا کہا ہے؟" اسماعیل نے اُسے ٹھوکہ دیا۔

"جاؤ جاؤ کام کرو اپنا!" کہہ کر مناہل ہاتھ جھلاتی اُٹھی اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

※ ※ ※

"ہاجرہ آپی!" ہاجرہ کام ختم کر کے کچن سے نکل رہی تھی جب مناہل نمودار ہوئی۔

"کیا ہے؟" وہ ابھی تک ناراض تھی۔

"یار سوری نا!" مناہل نے منہ بنایا۔

"کس بات کا؟" وہ حیران ہوئی اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"آئندہ نہیں کرونگی نا!" وہ بھی ساتھ ساتھ چلنے لگی۔

"کیا نہیں کروگی؟" ہاجرہ چلتی رہی۔

"آئندہ آپکو ایسے کاموں میں نہیں دھکیلونگی۔" اپنی طرف سے مناہل نے بڑی سمجھدارانہ ترکیب بتائی تھی۔ ہاجرہ رُکی اور گھور کر اُسے دیکھا۔

"یعنی تم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آؤ گی؟"

''اب میرے پیچھے مت آنا!'' وہ پھر چل دی۔

مناہل نے اپنا سر پیٹا۔

''ہاجرہ آپی! سچ میں آئندہ ایسی کوئی حرکت نہیں کرونگی، نہ ہی آپکو لے کر اور نہ ہی اکیلے۔''

''وعدہ کرتی ہو؟'' ہاجرہ اپنے کمرے کے دروازے میں کھڑی ہوگئ اور ہاتھ پھیلایا۔

مناہل نے ایک نظر ہاجرہ کو دیکھا اور ایک نظر اُسکے ہاتھ کو۔

''وعدہ!'' پوری شدت سے ہاتھ اُسکے ہاتھ پر مارا۔

''جاہل!'' منہ بنا کر ہاتھ سہلانے لگی۔

''جاؤ جا کر تیار ہو اب۔''

''تھینک یو ہاجرہ آپی!'' کہہ کر وہ اُس سے گلے ملی اور سیڑھیوں کی طرف بھاگ گئ۔

ہاجرہ مُسکرائی اور اندر چلی گئی۔ صوفوں تک جا کر مناہل نے دوسرا ہاتھ سامنے کیا جس کی دو انگلیوں کا اُس نے کراس بنا رکھا تھا۔

"وعدہ نہیں کرتی، لیکن کوشش تو کر سکتی ہوں، ناکام کوشش!"

وہ بڑبڑائی اور مُسکراتے ہوئے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ دوسری سیڑھی پر قدم رکھتے ہی وہ رُکی اور گردن اُٹھائی، سامنے اسماعیل کھڑا تھا۔ آنکھیں چھوٹی کر کے اُسے دیکھ رہا تھا۔

"یہ کیا کر رہی تھی تم؟" دونوں ہاتھ سینے پر باندھے، ریلینگ کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا تھا۔

"تم سے مطلب؟ ہٹو راستے سے!" منہ بناتی وہ اس کے ایک طرف سے ہوتی اوپر جانے لگی۔

"ارے ارے! کچھ زیادہ ہی بدتمیز نہیں ہو گئی تم!" وہ اُسکی طرف گھوما۔ وہ جو اوپر جا رہی تھی، یک دم اُسے بریک لگا، واپس مڑی اور اسماعیل کو دیکھا۔

"اسماعیل!" اُسکی آنکھیں چمکیں، خُرافاتی چمک!

''ہاں؟''اسماعیل نے حیرانگی سے دیکھا۔

''یہاں آؤ تمہیں ایک بات بتاؤں!''وہ اُسی تیزی سے سیڑھیاں اُترتی واپس آئی اور اسماعیل کا بازو پکڑ کر گھسیٹتی ٹی وی لاؤنج میں لے آئی۔

''کونسی بات؟''

''کیا تم نے کسی کا راز پکڑا ہے؟''

اُسکی بھی آنکھیں چمکیں،اُسکے ساتھ تقریباً بھاگتا ہوا پوچھ رہا تھا۔

تھوڑی دیر کیلیئے ہم اُن دونوں کے بچپن میں چلے جاتے ہیں جہاں مناہل چھُپ چھُپ کر بڑوں کی باتیں سُنتی تھی اور پھر وہ باتیں اور راز آکر اسماعیل کو بتاتی تھی۔وہ دونوں اُن رازوں کے کوڈ ورڈز رکھ لیتے تھے اور پھر جب وہ بات گھر میں ریویل ہوتی تھی تو وہ دونوں ایک دوسرے کو فخر سے دیکھتے تھے۔

''اِس گھر کا کوئی راز مناہل سے بچ سکتا ہے کیا؟'' مناہل نے اُسکے سوال کے جواب میں ایک اور سوال کیا۔

''نہیں!'' اسماعیل نے نفی میں گردن ہلائی، وہ دونوں اب صوفے پر آمنے سامنے بیٹھے تھے۔

''تمہیں پتا ہے اسفند بھائی اور۔۔۔'' پُرجوش انداز میں تیز تیز کہتے اُس نے سر اُٹھا کر دیکھا، عدیل اور اسفند باتیں کرتے لاؤنج میں داخل ہو رہے تھے۔

''اسفند بھائی!'' مناہل نے اپنا سر پیٹا۔

''کیا اسفند بھائی؟ آگے بھی تو بولو!'' اسماعیل بدمزہ ہوا۔

''اسفند بھائی!'' مناہل نے منہ بنا کر پیچھے اشارہ کیا اور اُٹھ کھڑی ہوئی۔

اسماعیل نے گردن موڑ کر دیکھا اور پھر واپس مناہل کو۔

''یعنی اسفند بھائی کا کوئی ٹاپ سیکرٹ ہے!'' آنکھیں مزید چمکیں۔

''ہاں!'' مناہل نے پُرجوش سی سرگوشی کی۔

''بعد میں بتاؤ نگی، مجھے یاد کرادینا!''

''ہاں اوکے!''

''اِنکو بھی ابھی ہی آنا تھا!'' بڑبڑا کر وہ سیڑھیوں کی طرف مڑ گئی۔

※ ※ ※

ہاجرہ ظہر کی نماز پڑھ رہی تھی جب گاڑی کے ہارن کی آواز آئی۔ وہ نماز پڑھتے ہوئے ہی مُسکرادی، پھر سر جھٹک کر رکعت پوری کرنے لگی، سلام پھیر کر دُعا کیلئے ہاتھ اُٹھائے۔

''میرے اللہ تعالیٰ! پلیز سب اچھا کردیں۔'' آنکھیں بند کرکے دُعا مانگی اور جائے نماز طے کرتی اُٹھ کھڑی ہوئی۔

دوپٹہ کھولا، بال دُرست کیے، شیشے میں ایک نگاہ اپنے اوپر ڈالی، کانوں نے جھمکے تک گلابی چمک میں رنگے تھے، وہ مُسکرائی اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

سیف کی گاڑی پورچ میں رُکی، ڈرائیور مُستعدی سے اُترا اور ڈِکی کی طرف بڑھ گیا۔ فرنٹ سیٹ سے سیف اُترا اور پیچھے سے فوزیہ اور ریاض۔ اُن کے چہرے کھلے ہوئے تھے اور بچّوں اماں کا کل اِثاثہ جو وہاں استقبال کیلئے جمع تھا، اُنکے لیئے یہی کافی تھا کہ وہ اُنکی ہاجرہ کی خوشی میں خوش ہیں۔

فوزیہ اور ریاض کے آگے بڑھتے ہی ڈرائیور گاڑی میں سے تحفے، مٹھائیوں کے ٹوکرے اور باقی سامان نکال کر لانے لگا۔

"عدیل بچے!" رعناء نے لاؤنج میں آواز دی۔ عدیل، اسفند اور اسماعیل تیزی سے آگے آئے اور سارا سامان اُٹھانے لگے۔

"یہ سب چیزیں ڈائینینگ روم میں رکھنا!" کچن کی طرف مڑتی ہوئی ہاجرہ نے ایک چور نظر باہر دیکھا اور اُنہیں ہدایت دی۔

"اسماعیل! اوپر سے لڑکیوں کو بھی بلاؤ!" رعناء اُن سے مل کر اب کچن کی طرف جا رہی تھیں،

"ہاجرہ ڈرنکس نکالو!" دوسرا جملہ کچن میں کھڑی ہاجرہ کو کہا۔

"جی پھپھو!" دونوں نے ایک ساتھ کہا۔

"ہمیں بُلا رہے ہیں نا!" اسماعیل ابھی ٹی وی لاؤنج تک ہی پہنچا تھا کہ عُمائمہ، مناہل، عائشہ اور اُن کے پیچھے پیچھے آمنہ اور جویریہ تیزی سے اُسے پیچھے چھوڑتیں کچن کی طرف بڑھ گئیں۔ وہ بیچارہ دیکھتا ہی رہ گیا۔

"کیا عجیب چیزیں ہیں یہ لڑکیاں بھی!" بڑبڑاتا ہوا واپس مڑا۔

''مناہل تم میرے ساتھ ڈرنکس لے کر چلو،اور تم دونوں چائے بناؤ،بن جائے تو مجھے آواز دینا۔''

مناہل کو ٹرالی تھماتے اُنہوں نے مڑ کر اُن دونوں کو کہا اور آگے بڑھ گئیں۔ مناہل نے دانت نکالے۔

''میری بات سُنو!کوئی بھی چیز کھولنی نہیں ہے!'' گزرتے ہوئے ڈائینگ روم میں جھانکا، جہاں

اسماعیل، آمنہ اور جویریہ للچائی ہوئی نظروں سے ٹیبل پر پڑی چیزوں کو دیکھ رہے تھے۔

''سُن لیا ہے؟''

''جی سُن لیا ہے۔''تینوں کے منہ دیکھنے والے تھے ویسے۔

''السلام علیکم!'' مناہل نے اندر آکر سلام کیا۔اسفند نے چونک کر دیکھا، پھپھو تو ڈھول کو ہی ساتھ

لے آئی تھیں۔

مناہل باری باری سب کو گلاس تھماتی رہی اور اسفند اُسے گھورتا رہا۔

''مناہل جاؤ، میں کرتا ہوں۔''

وہ مُسکرایا اور آخری دو گلاس اُسکے ہاتھ سے لے لیئے، وہ جانتا تھا یہ گلاس دے کر وہ وہاں جم کر بیٹھ جائے گی۔

دوسرے صوفے پر بیٹھے سُہیل اپنی اولاد کو دیکھ کر زیرِلب مُسکرائے۔چاہے مناہل کا زہن کتنا ہی خُرافاتی تھا، لیکن اسفند بھی تو اُسی کا بھائی تھا نا!

مناہل نے حیرت سے اُسے دیکھا، آنکھیں بخوبی پڑھیں، پھر مُسکرائی اور باہر آگئ۔

باہر آکر تاثرات بدلے، آنکھیں چھوٹی کر کے اسفند کی شان میں کوئی نیا قصیدہ بڑبڑایا اور کچن کی طرف جانے لگی۔

''ہاجرہ آپی آپ کتنی خوشنصیب ہیں ناں!'' عُمائمہ مسحور تھی۔

''ہاں تم بھی!'' ہاجرہ نے مُسکرا کر کہا، مسٹرِی ہنسی۔

''شاید!'' بدلی ہوئی رنگت لیئے مُسکرائی۔

اُسی پل مناہل کچن میں آئی، شیلف کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی اور منہ مزید پھُلا لیا۔

''تمہیں کیا ہوا ہے اب؟'' عُمائمہ نے حیرت سے دیکھا۔

''براہِ راست کمرے سے نکالا ہے مجھے!'' اُسی طرح کھڑے کہا۔

''کس نے؟'' کہتے ہوئے عُمائمہ نے اپنی ہنسی روکی۔ وہ جانتی تھی، وہی تو جان سکتی تھی۔

''اسفند بھائی نے!''

ہاجرہ اور عُمائمہ نے پہلے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر مناہل کو، اگلے ہی لمحے دونوں کے قہقہے کچن میں گونجے۔ پھر سمٹ کر مہمانوں کا لحاظ کرتے ہوئے دونوں نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھے۔

ہاں یہ محبت ہی تو ہے جو بلا وجہ کھلکھلانے پر مجبور کرتی ہے!

''چلو کسی کے قابو تو آتی ہو نا تم۔'' ہاجرہ نے ہنسی روک کر کہا۔

''اسماعیل اُٹھو پھپھو کو بلاؤ۔''عُمائمہ نے ٹرے سیٹ کر کے اُسے آواز دی۔

''مناہل تم پہلے والی ٹرے لے آؤ۔''رعناء نے آکر ہدایت دی۔

کچھ منٹ بعد وہ خالی گلاس لے آئیں تو رعناء نے ہاجرہ کو چائے لے کر آنے کا کہا اور آگے چل دیں۔

''واہ! پورے فلمی طریقے سے مام ہاجرہ آپی کو لے کر جا رہی ہیں۔''عُمائمہ اور مناہل ہنس دیں۔

※ ※ ※

چائے دے کر آئے اب اُنہیں ایک گھنٹہ ہونے کو تھا اور وہ سب ڈائننگ ٹیبل کے گرد بیٹھے اپنے صبر کا امتحان لے رہے تھے۔

''یار ہاجرہ آپی، تھوڑا سا سائیڈ سے جھاڑ لیتے ہیں نا۔''اسماعیل نے منت کی۔

''نہیں!''ہاجرہ کہہ کر فون پر لگ گئی۔

''دیکھیں نایہ گلاب جامن کتنے ٹیسٹی لگ رہے ہیں۔''عائشہ نے بھی رال ٹپکائی، عُمائمہ مُسکرا دی۔

''نہیں۔۔''ہاجرہ نے پھر انکار کیا۔

''یار ہاجرہ آپی اتنے سارے ٹوکرے ہیں،ان میں سے اگر ایک ایک گلاب جامن بھی ہم غریب کھا لینگے تو کوئی فرق نہیں پڑیگا۔''یہ مناہل تھی۔اُسکی نظریں تواُن ٹوکریوں سے ہٹ ہی نہیں رہی تھیں۔

''کہانا نہیں۔''مصروف سے انداز میں کہا۔

''میرے پاس ایک آئیڈیا ہے!''اسماعیل نے چُٹکی بجائی۔

''کیا؟''اُن سب نے اکٹھے ہی پوچھا،ہاجرہ نے بھی۔

پھر سب نے ہاجرہ کو گھُور کر دیکھا۔

''یار دل تو میرا ابھی کر رہا ہے ناں!''جھینپ کر کہا۔

''کیا آئیڈیا؟''عُمائمہ نے کہا۔

www.novelsclubb.com

''سب سے پہلے تو ہاجرہ آپی کو کمرے میں منتقل کر کے آتے ہیں۔'' مناہل آستینیں چڑھاتی کھڑی ہو گئی۔

''اچھا ناں اگر آئیڈیا اچھا ہوا تو میں بھی ساتھ دونگی۔'' اُس نے ہتھیار ڈالے۔

''بولو کیا آئیڈیا ہے؟'' مناہل واپس بیٹھ گئی۔

''دیکھو، آمنہ کا ہاتھ سب سے چھوٹا ہے۔'' اب کی بار سب نے آمنہ کو دیکھا، آمنہ نے بے اختیار اپنے دونوں ہاتھ اپنے پیچھے سرکائے۔

''ہاں تو؟'' ہاجرہ نے حیرانگی سے دیکھا۔

''تو ہاجرہ آپی، کہ دیکھیں، یہ سب ڈبے ہیں، اور یہ ایک ٹوکری ہے۔'' اُس نے ایک ٹوکری گھسیٹ کر سامنے کی۔

''اور اِس میں صرف گلاب جامن ہیں، اور اِس میں چھوٹے چھوٹے سوراخ بھی ہیں۔''

"Exactly!"

مناہل کی آنکھیں چمکیں۔

"تو پھر آمنہ تم سمجھ گئی ہونا؟" اسماعیل نے آمنہ کو دیکھا۔

"اسفند بھائی کہتے ہیں چوری کرنا بہت بُری بات ہے۔" اُس گیارہ بارہ سال کی آمنہ نے اسفند کی باتیں اپنے دماغ میں ایک خاص جگہ پر سٹور کی تھیں۔

"ایک تو یہ اور اِسکے اسفند بھائی۔" اسماعیل نے اپنا سر پیٹا، عُمائمہ کی مُسکراہٹ مزید گہری ہوئی۔

"زیادہ اسفند بھائی کی چمچی بننے کی ضرورت نہیں ہے، جو ہم نے کہا ہے کرو!" مناہل نے اُسے ڈپٹا۔

اگر ایک بہن اسفند سے دور بھاگتی تھی تو ایک ہر وقت اسفند کے پیچھے پیچھے رہتی تھی۔

"دیکھو آمنہ چوری تو وہ ہوتی ہے جو ہم اکیلے میں کریں، لیکن یہاں تو ہم سب ہیں۔" اسماعیل نے اُسے سمجھانا چاہا۔

ہاجرہ نے افسوس سے سر ہلایا اور پھر ساتھ بیٹھی عُمائمہ کو دیکھا، وہ بس مُسکرائے جا رہی تھی۔ اُسے پکا یقین تھا کہ وہ یہاں ہوتے ہوئے بھی یہاں نہیں ہے۔

عُمائمہ اور اُسکی فیری ٹیلز!

''اسفند بھائی کہتے ہیں چوری وہ ہوتی ہے جو ہم کسی کی چیز اُسکی اجازت کے بغیر لیں۔'' آمنہ کا انداز اٹل تھا، اسفند جیسا۔

اسماعیل نے ایک گہرا سانس لے کر مناہل کو دیکھا۔ مناہل نے ''میں کچھ کرتی ہوں'' کا اشارہ کیا اور آمنہ کی طرف گھومی۔

''آمنہ اِسکا مطلب ہے کہ تم ہمیں مٹھائی نکال کر نہیں دو گی؟''

''نہیں!'' کھٹاک سے جواب آیا۔ مناہل مُسکرائی۔

''تو پھر ٹھیک ہے، میں اسفند بھائی کو بتادونگی کہ تم نے اپنی اِس مہینے کی پاکٹ منی سے بھی ویڈیو گیمز خریدلی ہیں اور وہ بھی اپنی دوست سے، یوزڈ ویڈیو گیمز!''

کہہ کراُس نے کُرسی کی پُشت سے ٹیک لگالی۔ایک نظر اسماعیل اور ہاجرہ کا دیکھا۔حیرت کے مارے انکے منہ کھُلے کے کھُلے رہ گ ئے۔اِس میں کوئی شک نہیں رہاتھا کہ اُس گھر کا کوئی بھی راز مناہل سے نہیں چھُپ سکتا۔

آمنہ کے تاثرات بدلے، چہرے پر ندامت اُبھری، پھر سوچا کہ مناہل کو کیسے پتا چلا؟ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا، اُن دو ویڈیو گیمز میں سے تو ایک اب خراب بھی ہو گئی تھی۔

''یہ بلیک میلینگ ہے!''اُس نے احتجاج کرنا چاہا۔

''سُو تو ہے!'' مناہل نے کندھے اُچکائے۔

''یہ لو آمنہ۔''اسماعیل نے ٹوکری اُس کے آگے کی۔وہ بُری سی شکل بنا کر اُسکا جائزہ لینے لگی۔

اب وہ سب اپنی اپنی کُرسیوں پر آگے ہو کر بیٹھے بڑے اشتیاق سے آمنہ کو دیکھ رہے تھے۔

''ہاجرہ آپی!''اسفند نے کچن میں آواز دی۔وہ سب بُری طرح چونکے،وہ اب کچن سے نکل کر ڈائینیگ روم میں آرہا تھا۔

''ہاجرہ آپی،مبارک ہو!''مُسکرا کر کہا۔

''کیا ڈیٹ فِکس ہوئی؟''ہاجرہ اور عُمائمہ نے بیک وقت پوچھا۔

''اگلے مہینے کا دوسرا جمعہ!''

''شکر الحمدُللہ!''ہاجرہ نے بے اختیار کہا۔

''پھپھو کہہ رہی ہیں مٹھائی لے کر آئیں۔''اسفند نے ٹیبل پر نظر ڈالی۔

''ہاں یہ لے جاؤ۔''ہاجرہ نے ایک ڈبے کی طرف اشارہ کیا۔

’’نہیں یہ والا نہیں، وہ ٹوکری دیں جو افضل تایا بنوا کر لائے تھے۔‘‘

عُمائمہ نے بے اختیار ضبط سے آنکھیں بند کیں۔

اب سین کچھ یوں تھا کہ آمنہ کا ہاتھ ٹوکری کی اندر تھا اور وہ پینِک ہو گئی تھی جس کی وجہ سے ہاتھ اُس سے باہر بھی نہیں نکالا جا رہا تھا۔اسفند اُن سب کے سر پر کھڑا وہی ٹوکری مانگ رہا تھا اور ہاجرہ جانتی تھی کہ اگر اور دو تین منٹ تک وہ وہاں سے نہ ہِلا تو رعناء یا شائستہ میں سے کوئی نا کوئی تو اندر آ ہی جائینگی۔وہ سب اب بُری طرح پھنس چکے تھے۔

’’وہ؟۔۔۔والی۔‘‘ہاجرہ اٹکی۔

’’جی وہی والی۔‘‘اسفند حیران ہوا۔

’’آپ جائیں ہم بھجواتے ہیں۔‘‘عُمائمہ نے بر وقت مداخلت کی۔

’’اوکے!‘‘مُسکرایا اور مڑ گیا۔

''شکریہ عُمائمہ !''اُسکی جان میں جان آئی، پھر تیزی سے بھاگتی ہوئی آمنہ کی طرف گئی اور اُسکا ہاتھ نکالنے لگی۔

''ہاجرہ آپی، پھنس گیا ہے میرا ہاتھ۔''وہ اب رونے کے قریب تھی۔

مناہل اور اسماعیل کو تو جیسے سانپ ہی سونگھ گیا تھا۔

تقریباً دو منٹ کی تگ ودو اور کھینچاتانی کے بعد آمنہ کا ہاتھ اُس ٹوکری کے چھوٹے سے سوراخ سے باہر نکلا، عُمائمہ نے اُسے اپنے پاس بِٹھا لیا اور ہاتھ سہلانے لگی۔

''اُٹھو اب دے کر آؤ اندر!''ہاجرہ نے اسماعیل کو گھورا۔

※※※

تقریباً پانچ بجے کے قریب سیف کی فیملی کھانا کھا کر چلے گئے اور وہ سب سارا سامان ٹی وی لاؤنج میں رکھے بیٹھے تھے۔ میٹھا کھا کھا کر اب اُن کا بُرا حال تھا۔ مناہل کو تو اب مٹھائی دیکھ کر ہی اُلجھن ہو رہی تھی۔

"بڑی تمیز کا مظاہرہ کیا ہے آج تم سب نے۔" بجّو اماں نے ساتھ بیٹھے اسماعیل کا کندھا تھپکا۔

"امّاں اِسکی داد ہاجرہ اور اسفند کو دیں، ہاجرہ نے اپنے بھائی کو سنبھالہ اور اسفند نے اپنی بہن کو۔" سہیل ہنسے۔

"ہاں اور نتیجتاً پورے گھر میں سکون تھا۔" رعناء نے بات مکمل کی۔

"شکر ہے للہ کا سب اچھے سے ہو گیا۔" شائستہ کو اب سکون کی نیند آئے گی۔

"ہاں رعناء بھی اب یہیں ہے نا سب اپنی اپنی تیاری پوری کر لینا۔" بجّو اماں کو بس یہی چاہئے تھا۔

"عدیل بچے میری گاڑی ٹھیک ہو گئی؟" نبیل کو یاد آیا، وہ آتے ہوئے بائے روڈ آئے تھے۔

''جی انکل کل لے آؤنگا۔''گاڑی کی خرابی کی وجہ سے اب عُمائمہ اور وہ بائے ائیر جا رہے تھے۔

''رعناء وہ گاڑی اب تمہارے حوالے ہے، شوروم کی گاڑی ہے دھیان سے۔''اُنہوں نے رعناء کو ہدایت دی، ساتھ آنکھیں بھی نکالیں۔

''فکر نہ کریں۔''کاش رعناء تھوڑی سی سنجیدگی دکھاتیں۔

''عُمائمہ بچے کھانا وغیرہ کھالو، تھوڑی دیر تک نکلنا ہے۔''نبیل نے رعناء کو حال پر چھوڑا اور اُس کی طرف متوجہ ہوئے۔

''جی ڈیڈ۔''بمشکل مُسکرا کر اُٹھ گئی۔

''میں بھی آؤں؟''ہاجرہ بھی ساتھ چلنے لگی۔

''میں بھی!''مناہل پیچھے رہتی بھلا؟اُن سب نے مُسکرا کر دیکھا۔

''جاؤ بھئی جاؤ لیکن کوئی میلوڈرامہ نہیں کرنا۔''افضل نے احتیاطً کہا۔

وہ سر ہلاتی آگے بڑھ گئیں۔

اوپر آ کر وہ تینوں مل کر سامان نکالنے لگیں۔ بیگز گھسیٹ کر سیڑھیوں کے پاس تک رکھ دی ئے۔

عُمائمہ اپنی آنکھوں کی نمی چھُپائے سر جھُکائے کام کرتی رہی۔

بیگز رکھ کر وہ اُوپری ہال میں ہی بیٹھ گئیں۔

''میں کافی بنالاؤں؟'' بیٹھتے ہی مناہل کو یاد آیا۔

''نہیں رہنے دو اب ٹائم نہیں ہے۔'' ہاجرہ نے عام سے انداز میں کہا اور یہ بات جیسے اُس کیل ئے آخری حد ثابت ہوئی اور وہ رونے لگی، ہچکیوں سے۔

''یار عُمائمہ!'' مناہل نے اُسے اپنے ساتھ لگایا۔

''عُمائمہ اِس طرح مت روؤ دیکھو تم نے تھوڑے دن تک پھر آ بھی تو جانا ہے نا۔'' ہاجرہ نے بھی چُپ کرانے کی کوشش کی۔

''دیکھو عُمائمہ تم پچھلی بار ایسے روئی تھی تو فلائیٹ کینسل ہو گئی تھی۔''مناہل نے کوشش کی۔

''ہاں اور اُس سے پچھلی بار گاڑی خراب ہو گئی تھی۔''ہاجرہ نے بھی ساتھ دیا، لیکن وہ اُسی طرح روتی رہی۔دونوں نے بے بسی سے ایک دوسرے کو دیکھا،اُسے روتے دیکھنا بہت مشکل کام تھا اور چُپ کروانا اور بھی زیادہ مشکل۔

''میں اِس لیے نہیں رو رہی۔''تھوڑی دیر بعد کہا۔

''تو پھر؟''ہاجرہ حیران ہوئی۔

''فرائیڈے کو میرا پیپر ہے۔''

''ہاں ہم سب کو پتا ہے فرائیڈے کو تمہارا پیپر ہے۔''مناہل بھی حیران ہوئی۔

''نہیں اگلے فرائیڈے کو بھی۔''پھر سے رونے لگی۔

''یا میرے اللہ!''ہاجرہ نے اپنا سر پیٹا۔

''یعنی جس دن ہاجرہ آپی کا نکاح ہے اُس دن بھی تمہارا پیپر ہے؟'' مناہل کے چہرے پر اب فکر مندی تھی۔

''ہاں سیکینڈ لاسٹ پیپر۔''

''عُمائمہ پہلے بتانا چاہیے تھا نا، ہم ڈیٹس آگے کر دیتے۔'' ہاجرہ نے اُسکے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''نہیں ایسے۔۔۔ایسے ایک ہفتہ اور آگے چلا جاتا۔'' رونے کے درمیان کہا۔

''میں ابھی بجّو اماں کو کہتی ہوں وہ کال کر دینگی۔'' ہاجرہ اُٹھی۔

''نہیں ہاجرہ آپی!'' عُمائمہ نے اسکا ہاتھ پکڑا۔

''عُمائمہ ابھی بھی ڈیٹس آگے ہو سکتی ہیں۔'' مناہل نے اُسے منانا چاہا۔

''نہیں مناہل فوزیہ آنٹی اور افضل انکل پہلے ہی متنفر ہو گئے ہیں، اب مزید نہیں۔'' اُسکو ہاجرہ کی زیادہ فکر تھی۔

"لیکن عُمائمہ۔۔۔" ہاجرہ نے پھر کہنا چاہا۔

"رہنے دیں ہاجرہ آپی، میں پیپر دیکر آجاؤنگی۔" عُمائمہ نم آنکھوں سے مُسکرائی۔

"ایسے ہمیں کیا مزہ آئے گا عُمائمہ۔" مناہل کا بھی منہ بنا۔

"لاسٹ پیپر کب ہے؟" ہاجرہ واپس بیٹھ گئی۔

"ٹیوزڈے کو ہے، پھر میں دو دن رُک جاؤنگی نا، آپ ناراض نہ ہوں۔" عُمائمہ نے اُسکا دوسرا ہاتھ بھی تھاما۔

"یہ غلط بات ہے عُمائمہ۔"

"اگر آپ لوگوں کا ملنا ملانا ختم ہو گیا ہو تو نیچے آجائیں۔" اسماعیل نے سیڑھیوں سے آواز دی اور بیگز نیچے لے جانے لگا۔

※ ※ ※

اسفند گاڑی میں بیٹھا اپنے سامنے اُن سب کو دیکھ رہا تھا۔ عُمائمہ جیسے ہر ایک سے ملتے ہوئے اپنے آنسو ضبط کر رہی تھی وہ یا تو عُمائمہ جانتی تھی یا پھر اسفند۔

وہ بچپن سے ہی ایسا ہی کرتی تھی۔ جتنے زیادہ ٹائم کیلیے رُکتی تھی، اُتنا زیادہ جاتے وقت روتی تھی اور ہر بار اُسکے رونے کی وجہ سے نبیل جانے کا ارادہ ترک کر دیتے تھے اور بظاہر عُمائمہ کو کہتے کہ اُسکے رونے کی وجہ سے ٹریجڈی ہوئی ہے، یہ اِس لیے کہ تا کہ وہ اگلی بار نہ روئے، لیکن مجال ہے جو وہ سمجھ لیتی۔

اسفند نے ہارن بجا کر اُنہیں متوجہ کیا اور کلائی میں پہنی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ اب بس رونے کی قریب تھی۔ اسفند کیلیے اُن بڑی آنکھوں کو ویسے ہی دیکھنا بہت مشکل تھا اوپر سے وہ روتے ہوئے اور زیادہ سُرخ ہو جاتی تھیں۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ روئے۔

''عُمائمہ اگر ہم تم سے ایکسیوز کرنا چاہیں تو تم ہمیں معاف کر دو گی؟''ہاجرہ نے کھڑکی کے اندر سر گوشی کی۔وہ اب گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔

''ہاجرہ آپی اب آپ شرمندہ کر رہی ہیں۔''عُائمہ کو جھماکے سے یاد آیا کہ وہ کیا بات کر رہی تھیں۔

''تم بہت اچھی ہو عُمائمہ۔''مناہل کھڑکی سے آدھی اندر لٹکی۔

''چلو اب جانے دو مناہل۔''اسفند نے مُسکرا کر کہا۔

''اوکے بھائی۔''

کہہ کر وہ دونوں پیچھے ہٹ گئیں،اسفند نے گاڑی ریورس کی اور گیٹ سے باہر لے گیا۔

اگر اُن سب کو سی آف کرنا مشکل تھا تو اُس سے بھی زیادہ مشکل اِسفند کو سی آف کرنا تھا۔

وہ لوگ ساڑھے چھ بجے ائیر پورٹ پہنچ گ ئے تھے، فلائیٹ آدھے گھنٹے بعد تھی۔اسفند اُن کے ساتھ ہی ویٹنگ ایریا میں بیٹھا تھا۔وہ اور نبیل بزنس کی باتیں کر رہے تھے اور وہ اُنہیں ایسے سُن رہی تھی جیسے دُنیا کا سب سے اہم کام یہی تھا۔

پندرہ منٹ بعد فلائیٹس کی اناؤنسمینٹ ہونے لگ گئی تھی اور عُمائمہ کا دل باہر آنے کو تھا۔

''ٹھیک ہے اسفند میاں!''نبیل اُٹھ کھڑے ہوئے۔

''اپنا خیال رکھی ئے گا، للہ کے امان میں۔''اسفند اُنکے گلے ملا۔

''ضرور میرا بچہ!''

''للہ حافظ!''مُسکرا کر کہا۔

اور پھر وہ دونوں بیگ اُٹھائے مڑ گ ئے۔

''اللہ حافظ عُمائمہ !'' وہ مڑی تو اسفند نے سر گوشی کی۔ وہ یہ لفظ کبھی بھی اُسکے سامنے نہیں کہہ سکتا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اِس کے بعد عُمائمہ کے ناقابلِ برداشت آنسوؤں سے وہ نہیں نمٹ سکتا۔

وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے تو اسفند باہر آ گیا اور ائیر پورٹ کی سیڑھیوں پر بیٹھ گیا۔ ٹھنڈ بہت تھی اور ہر چیز دُھند میں لپٹی تھی۔ لیکن وہ بھی کیا کرتا یہ اُسکا معمول تھا۔ وہ وہاں تب تک بیٹھا رہا جب تک آسمان پر جہاز کی دُھندلائی ہوئی روشنیاں نہیں نظر آئیں، اور پھر وہ اُٹھ کر پارکنگ کی طرف بڑھ گیا۔

دوسری طرف جہاز میں بیٹھی عُمائمہ دھند کی وجہ سے اندازہ نہیں کر پارہی تھی کہ وہ کہاں کھڑا ہوگا، بس باہر دیکھے جارہی تھی۔

دل کے چُنے ہوئے لوگوں کو الوداع کرنا بلاشبہ ایک ہمت طلب کام ہے۔

※※※

وہ ابھی ابھی پیپر دے کر آئی تھی، اپنی چیزیں ٹی وی لاؤنج میں رکھ کر کچن میں کھڑی فریج میں سے پانی کی بوتل نکال رہی تھی، جب ٹیبل پر پڑا اُس کا فون بجا۔

بوتل ہاتھ میں پکڑے ہی وہ باہر آئی اور فون دیکھا۔

''بجّو اماں کالنگ۔''

اطمینان اور خوشی کی ایک لہر اُسکے جسم میں دوڑی۔

پانی کا گھونٹ بھر کر بوتل رکھی، فون اُٹھایا اور صوفے پر بیٹھ گئ۔

''السلام علیکم!''

بجّو اماں سمیت سب نے پُرجوش انداز میں کہا۔

''وعلیکم السلام!'' وہ پورے دل سے مُسکرائی، ''کیسے ہیں سب؟''

سکرین پر مناہل سمیت وہ سب بجو اماں کے ساتھ بیٹھے اور ارد گرد کھڑے/بیٹھے تھے۔

''ہم سب ٹھیک ہیں، میرا بچہ تم سُناؤ؟''بجو اماں نے مُسکرا کر کہا۔

''اور پیپر کیسا ہوا تمہارا؟''ہاجرہ نے کہا۔

''میں بھی بالکل ٹھیک ہوں،اور پیپر بھی بہت اچھا ہوا،مام فکر نہ کریں اِس بار بھی میرا ہی جی پی اے ہائییسٹ ہو گا!''پہلا جملہ ہاجرہ کو دیکھ کر دوسرا اماں کو دیکھ کر کہا۔

''انشاءللہ!''رعناء اور بجو اماں نے مُسکرا کر کہا۔

''کھانا کھایا؟''یہ رعناء تھیں۔

''ابھی ہی تو آئی ہوں، تھوڑی دیر تک کھاتی ہوں۔''اُس نے اپنی کپڑوں کی طرف اشارہ کیا۔

''ہاں ٹھیک ہے کھالینا اور خالی پیٹ کافی نہ پینا ورنہ پیپر زو ہیں رہ جانے ہیں تمہارے۔''رعناء نے ہدایت دی۔

اُسی وقت سکرین پر وہ نمودار ہوا۔

’’مناہل !۔۔۔‘‘اپنی بات مکمل کرنے سے پہلے اُسے کوئی احساس ہوا،چونک کر لیپ ٹاپ کی سکرین کو دیکھا۔

اسفند کو کچھ سیکینڈ کیل ئے سمجھ نہیں آیا کہ اُس نے اپنے اندر کیا کیا محسوس کیا تھا۔خوشی؟ سرشاری؟سکون؟

“Hey! What‘s up?“

پیپر کیسا ہوا؟‘‘

ہمیشہ کی طرح اُس نے اپنے آپ کو پہلے کمپوز کیا تھا۔

’’اچھا ہوا!‘‘مُسکرا کر کہا،گال کا گڑھا اُبھرا۔

’’گُڈ!‘‘کہہ کر وہ مناہل کی طرف متوجہ ہو گیا۔مناہل کو لیا اور سکرین کے سامنے سے غائب ہو گیا۔

بجو اماں سمیت رعناء، ہاجرہ اور شائستہ نے سکرین پر اُبھرنے والے عُمائمہ کے ہر رنگ کو بڑی غور سے دیکھا تھا۔

"عُمائمہ اب اگلا پیپر کب ہے؟" ہاجرہ نے اُسے جگانہ چاہا۔

"فرائیڈے کو ہے۔" وہ نہیں جاگی۔

"ٹھیک ہے میرا بچہ آرام کرو، پھر بات ہو گی۔" بجو اماں نے پردہ رکھنا چاہا۔

"اوکے بجو اماں للہ خافظ!" وہ مُسکرائی۔

""""للہ خافظ۔" اُن سب نے پھر اُسی انداز میں کہا۔

لیپ ٹاپ کی سکرین تاریک ہوئی تو اُن سب نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اسفند چلا گیا تھا، لیکن وہ منظر اُنکی آنکھوں کے سامنے سے ہٹ ہی نہیں رہا تھا۔ عُمائمہ کا گلابی ہوتا چہرہ، اُسکے چہرے کی وہ چمک جو اسفند کو دیکھ کر آئی تھی، وہ سب کیا تھا؟ یقیناً محبت!

اور محبت تو پھر ہزار پردوں میں بھی سب سے زیادہ واضع اور چمکدار ہوتی ہے۔

اگلے ہی لمحے ہاجرہ نے اُن سب کو نظریں چُراتے دیکھا۔یعنی اُن سب نے ابھی اُس محبت کو راز ہی رہنے دینا تھا۔وہ بے اختیار مُسکرا دی۔

میلوں دور بیٹھی عُمائمہ ،فون کی تاریک سکرین لیئے مُسکرا رہی تھی۔وہ جانتی تھی اُن دونوں نے بیک وقت ایک ہی چیز محسوس کی تھی۔اُسکے مُسکرا کر کہے ہوئے دو جملے عُمائمہ کیلئے کافی تھے۔

※※※

''مناہل!''

مناہل ٹیرس کی ریلینگ پر ہاتھ رکھے کھڑی تھی جب ہاجرہ نے آواز دی،اُسکی آواز پر وہ ڈر کر اُچھلی۔

''اُف ہاجرہ آپی! بندہ آرام سے آواز دیتا ہے۔''مڑ کر اُسے دیکھا،سامنے اُفق پر رات کا اندھیرا اور دُھند دور دور تک پھیلی تھی۔

www.novelsclubb.com

"میری بات سُنو!" سرگوشی کی۔

"کیا بات؟" وہ متجسس ہوئی۔

ہاجرہ نے چور نظر اسفند کے کمرے کو دیکھا۔

"اسفند بھائی ابھی آفس سے نہیں آئے۔" مناہل نے کندھے اُچکائے۔

"اچھا ہوا، سُنو اب!" اُسے لے کر وہ وہیں کُرسیوں پر ڈھیر ہوئیں۔

"دیکھو اگر ہم چھوٹوں کو اسفند اور عُمائمہ کا پتا چل سکتا ہے۔۔۔"

"اسفند اور عُمائمہ کا کیا؟" مناہل نے بات کاٹ کر ابرو اُچکائیں، بمشکل مُسکراہٹ دبائی۔

"ڈرامے نہ کرو!" ہاجرہ نے اسکے بازو پر تھپڑ رسید کیا، وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

"اچھا سُن لو میری ماں!" ہاجرہ ہنس نہیں رہی تھی۔

''ہاں ہاں بولیں۔'' وہ پوری طرح متوجہ ہوئی۔

''اگر ہمیں پتا چل سکتا ہے تو کیا بڑوں کو نہیں پتا چل سکتا؟'' رازداری سے کہا۔

''نہیں اُنہیں نہیں پتا ہوگا، اُنہوں نے نہ ہی کچھ دیکھا ہے اور نہ ہی کچھ سُنا ہے۔'' بے فکری سے کہا۔

''مناہل ! مناہل !اُنہوں نے دیکھا، اُنہوں نے دیکھا آج !'' ہاجرہ نے سنجیدہ تھی، مناہل کو بات

سمجھانا بھینس کے آگے بین بجانے کے مترادف تھا۔

''آج؟ آج کیا دیکھ لیا اُنہوں نے؟'' وہ حیران ہوئی۔

''دوپہر کو جب عُمائمہ کال پر تھی، اسفند آیا تھا نا تمہیں بلانے۔''

''ہاں تو؟ کھانا کھانے آئے تھے؟ اِس میں کیا؟''

''اِس میں یہ کہ تم تو اسفند کی طرف متوجہ تھی لیکن ہم سب عُمائمہ کی طرف،اور جو چمک اُسکے منہ پر اسفند کو دیکھ کر آئی تھی ناوہ قابلِ رشک تھی، لیکن وہ سب نے دیکھی،ماما نے بھی پھپھو نے بھی۔''وہ بیک وقت خوش اور فکر مند تھی۔

''تو کیا اتنی سی بات پر اُنہیں پتا چل گیا ہو گا؟''مناہل اب اُلجھی۔

''پاگل! وہ ہماری مائیں ہیں! ہم سوچتے بھی بعد میں ہیں اور اُنہیں پہلے پتا چل جاتا ہے۔''

''میرا تو نہیں پتا چلا!''اپنی ہی جون میں کہتی وہ یک دَم رُکی۔

''تمہارا کیا؟''ہاجرہ کی آنکھیں چمکیں۔

''میرا؟میرا کیا؟ہم اسفند بھائی اور عُمائمہ کی بات کر رہے ہیں،اِس میں میرا کیا؟''فوراًبات بدلی۔

''خیر کہنا یہ تھا کہ اگر کوئی بھی تم سے کچھ بھی پوچھے تو یہ جو دُنیا جہان کی باتیں تمہیں بنانی آتی ہیں نا وہی بنا کر کسی کو کچھ نہ بتانا، آئی سمجھ؟''ہاجرہ کو فلحال اُن دونوں کی پڑی تھی، مناہل کو تو وہ بعد میں بھی دیکھ لیگی۔

''اوکے نہیں بتاؤ نگی۔''پورے دل سے کہا۔

''اسماعیل کو بھی نہیں!''اُسے پتا تھا وہ اسماعیل کو ضرور بتائے گی۔

''اچھا یار ٹھیک ہے۔''وہ اب بدمزہ ہو رہی تھی۔ہاجرہ اُٹھ کر اندر آ گئی۔

''میرے اللہ تعالیٰ، اب مجھے اسماعیل سے بھی کوئی اور جھوٹ بولنا پڑے گا، سوری!''منہ آسمان کی طرف کر کے بڑبڑائی۔

※ ※ ※

آج وہ اپنا دوسرا پیپر بھی دے آئی تھی، صبح سب سے بات ہوئی تھی اور اب وہ عیشاء کی نماز پڑھ کر کچن میں آگئی تھی۔ کافی میکر میں کافی ڈالتے ڈالتے رُکی، پھر کافی مگ میں ہی ڈالی اور پھینٹنے لگی۔ مُسکراتے ہوئے کچن کے چکر لگانے لگی، بظاہر تو وہ اپنے گھر کے کچن میں نظر آرہی تھی، لیکن وہ وہاں تھی نہیں۔

کافی بنا کر وہ اُسی طرح ننگے پاؤں چلتے باہر آگئی، روِش کی ساری بتیاں جلی ہوئی تھیں، نبیل ابھی تک گھر نہیں آئے تھے۔ وہ اُسی طرح گھاس پر چلنے لگی۔ اور پھر لان میں رکھی کُرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گئی۔ ٹھنڈ کا احساس ہوا، کافی کا گرم مگ دونوں ہاتھوں میں پکڑ لیا اور ہاتھوں کو گرم کرنے کی کوشش کی۔ کافی کا گھونٹ بھرا اور مگ سامنے پڑے میز پر رکھ کر پاؤں اوپر کر لیئے اور گلے میں ڈالے دوپٹے کو پھیلا لیا۔ ٹھنڈ واقعی بہت تھی۔

''کیا سوچ رہی ہیں؟'' اُسکی آواز پر عُمائمہ نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔

''آپ؟ یہاں؟'' حیرانگی سے دیکھتی وہ مُسکرائی۔

اُس نے کندھے اُچکائے۔

''مجھے پتا ہے آپ میرا الیوژن ہیں۔'' کہہ کر اُس نے پیر نیچے اُتار لیے۔

''الیوژنز بھی تو ہم اپنی مرضی سے بناتے ہیں۔'' وہ اُسکے سامنے والی کُرسی پر بیٹھا تھا۔

''آپ مجھے مِس کر رہے ہیں؟''

''اگر میں کہوں نہیں؟''

''تو مجھے پتا ہے آپ جھوٹ بول رہے ہونگے۔''

''اور اگر کہوں ہاں؟'' ابرو اُچکائیں۔ سردی سے اُسکی ناک سُرخ ہو رہی تھی۔

''تو پھر بھی آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔''

www.novelsclubb.com

''وہ کیسے ؟''مُسکراہٹ دبائی۔

''کیونکہ آپ تو مجھے بھُلاتے ہی نہیں ہیں۔'' وہ مُسکرادی، جیسے اُسکی چوری پکڑلی تھی۔

''عُمائمہ !''ہلکی سی آواز میں پُکارا۔

اُس نے دونوں اَبرو اُچکائیں۔

''عُمائمہ !''اب آواز اونچی تھی۔

''ہاں !'' وہ ہڑ بڑا کر اُٹھی۔ نبیل اُسکے پاس پڑی کُرسی پر بیٹھے اُسکا کندھا ہلا رہے تھے۔

''ڈیڈ !''نیند سے بوجھل آواز۔

''بیٹے یہاں کیوں سورہی ہو؟''اُنہوں نے اُسکے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''ویسے ہی آکر بیٹھی تھی،پتانہیں کب سوگئی۔''اُس نے جمائی روکی۔

''چلو اندر، ٹھنڈ ہے بہت، بیمار ہو گئی نا تو تمہاری مام نے مجھے نہیں چھوڑنا۔'' وہ اب کُرسی سے اٹھ رہی تھی۔

''ہاں تو میں اُن سے کہو نگی، ڈیڈ لیٹ آتے ہیں مجھے اُنکا ویٹ کرنا پڑتا ہے، اِس لیٔے ٹھنڈ لگ گئی۔'' مُسکراہٹ دبائی۔

''توبہ توبہ! یہ عائشہ والی روح تمہارے اندر بھی آجاتی ہے کیا؟'' اُنہوں نے اسُکے گرد بازو پھیلایا، وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

ٹھنڈی کافی اُٹھائی اور چل دی۔

※ ※ ※

''یہ کیا ہو رہا ہے بجّو اماں؟'' فون اُٹھاتے ہی سکرین پر اُبھرنے والا منظر دیکھ کر عُمائمہ نے بے اختیار کہا۔

''یہ سب نکاح کی تیاریاں ہورہی ہیں میرا بچہ! آجاؤ اب تم بھی۔'' وہ فون لہرا لہرا کر لان کا سارا منظر اُسے دِکھا رہی تھیں۔

''جی بس کل والا پیپر دے کر آجاؤں گی۔'' اُسکا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اُڑ کر پہنچ جائے۔

کیمرے کا رُخ ابھی تک لان کی طرف ہی تھا، سامنے چھوٹی سیڑھی لگائے کھڑا اسماعیل، اوپر سے لٹکنے والی فیری لائیٹس کو فولڈ کر رہا تھا۔

''اسفند بھائی یہ والی لائیٹ نہیں جل رہی!'' سرِ شام ہی ساری بتیاں جلا کر چیک کی جا رہی تھیں کہ بعد میں کوئی مسئلہ نہ ہو۔

''اُسکا سوئچ جنکشن والا ہوگا، آن کر کے دیکھو ہو جائے گی۔'' اسفند نے کہیں دور سے آواز دی۔

عُمائمہ کو اُس دن کے بعد وہ صرف ادھر اُدھر چلتا پھرتا ہی نظر آیا تھا، اُس نے دوبارہ بات کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اب بھی اُسکی بس آواز آرہی تھی، وہ نظر نہیں آرہا تھا، شاید پچھلی طرف کی لائیٹس سہی کر رہا تھا۔

''میں کر کے دیکھ رہا ہوں، نہیں ہو رہی!'' اسماعیل نے پھر آواز دی۔

''آرہا ہوں یار!'' اسفند کی آواز آئی اور پھر وہ دور سے چلتا ہوا سکرین پر نظر آیا۔

وہ کالی پینٹ کے ساتھ کالی ہی شرٹ میں ملبوس تھا، شرٹ گردن سے اوپر تک آتی تھی اور آستین کُہنیوں تک موڑ رکھے تھے۔ بے ترتیب بال اور پاؤں میں چپل پہنے وہ عُمائمہ کو اپنی فیری ٹیل کا مرکزی کردار لگا تھا۔

''دھیان سے میرے بچو!'' بجّو اماں کی اونچی آواز پر وہ چونکی۔ سکرین پر ابھی بھی وہ دونوں ہی نظر آرہے تھے۔ اسماعیل سیڑھی سے اُتر آیا تو اسفند اوپر جا کر اُسکا معائنہ کرنے لگا۔

دو تین سیکینڈ بعد ہی وہ ایک جھٹکا کھا کر سیڑھی سے نیچے گرا۔

"یا میرے اللہ!" اُنہوں نے نعرہ لگانے والے انداز میں کہا۔

سکرین کے اُس پار بیٹھی عُمائمہ ایک ہاتھ منہ پر رکھے بے اختیار کھڑی ہو گئی۔ اسماعیل جو قریب ہی کھڑا تھا، جھک کر اُسے اُٹھانے لگا۔

"کیا ہوا؟" وہ اپنے تخت پر ہی بیٹھی پوچھ رہی تھیں۔

"کرنٹ لگا ہے اماں!" اسماعیل نے بتایا۔

"ہائے کسکو لگا کرنٹ؟" اندر سے آتیں آصفہ فکرمند ہوئیں۔

"اسفند بھائی کو۔"

"میرا بچہ کہاں لگا؟ ٹھیک ہو؟" وہ اب اسفند کو کندھے سے تھامے کُرسیوں تک لا رہے تھے۔

''ٹھیک ہوں ماما، مائیز ساہی تھا، بس اوپر سے گرنے سے بازو پر لگی ہے۔'' تھکی ہوئی آواز میں کہا۔

عُمائمہ کے دل کو کچھ ہوا۔

''عمائمہ بچے میں پھر کال کرتی ہوں۔'' کہہ کر اُنہوں نے فون بند کر دیا۔ وہ جانتی تھی بجّو اماں اُس سے زیادہ پریشان ہو گئی ہو نگی۔

''اماں آپکو کہا تو ہے کہ ڈیکوریٹرز بُلا لیتے ہیں، وہ کر لینگے۔ اب بچے پروفیشنل تو نہیں ہیں نا۔'' آصفہ اُسکا بازو سہلا رہی تھیں۔

''ماما میں ٹھیک ہوں، اور۔۔۔'' بجو اماں نے اُسکی بات کاٹی۔

''ٹھیک کہہ رہی ہے آصفہ، کیا ہوا جو گھر میں جوان لڑکیاں ہیں، تھوڑی دیر کو کمروں میں بیٹھ جائینگی۔'' اُنہوں نے اپنی ہی بات کی نفی کی، اسفند اُنہیں اپنی لڑکیوں سے زیادہ پیارا تھا۔

''تو اور کیا، میرا بیچارہ بچہ۔'' آصفہ نے اُسکا سر چُوما۔

''اسماعیل تم عدیل کو کال کردو، وہ ڈیکوریٹرز کو جانتا ہے لے آئے گا۔''اسفند نے اُسی تکان زدہ آواز میں کہا۔

''جی بھائی میں کرتا ہوں۔''اسماعیل فون نکالتے ہوئے اُٹھا۔

''ایسی شکلیں کیوں بنائی ہوئی ہیں؟''مناہل نے اُنکی آتی ہوئے کہا، ہاتھ میں کپڑوں کے شاپر تھے۔

''بھائی کو کرنٹ لگا ہے، گرا ہے اوپر سے۔''آصفہ نے منہ بنایا۔

''ہیں اوپر سے؟!''مناہل نے اپنے دائیں طرف کھڑی گھر کی دو منزلہ عمارت کو گردن اُٹھا کر دیکھا۔

''پھر بھی زندہ ہیں، واہ!''حیرانگی سے ایک اور تبصرہ کیا اور ایک ہاتھ اسفند کے کندھے پر رکھا، وہی کندھا جس میں درد تھا، اُس نے گھور کر دیکھا۔

''اللہ نہ کرے! اوپر چھت سے نہیں سیڑھی سے۔''بجّو اماں نے کانوں کا ہاتھ لگائے۔

''اچھا اچھا!''مُسکراہٹ دباتی وہیں بیٹھ گئی۔

''آصفہ، سُہیل آنے والا ہے، اُسے کہو صدقہ دیتا آئے۔'' وہ اب سہی معنوں میں پریشان ہو گئی تھیں۔

''جی اماں کہتی ہوں۔'' کہہ کر وہ اُٹھ گئیں۔

''ہائے کتنے لوگوں کی جان بستی ہے نا آپ میں!'' مناہل اُسکے قریب سرگوشی کی۔

“Shut up!“

اُسے کہا اور منہ پھیر لیا، البتہ اُسکے اِس جملے پہ کوئی یاد تو آیا تھا۔

''اسماعیل یہ لو!'' وہ جو واپس آرہا تھا، مناہل نے اسکی طرف شاپر اُچھالے۔

''یہ کیا ہے؟'' اُس نے بمشکل کیچ کیا۔

''دوپٹے ہیں، چار ہیں، رنگ کروانے ہیں اور پیکو بھی۔ ہر دوپٹے کا کلر میں نے اُسکے ساتھ لکھ کر لگا دیا ہے۔''

''تو مجھے کیوں دے رہی ہو؟''اسماعیل نے منہ بنایا۔

''تجھے نہیں پتا کیوں دے رہی ہے؟رنگ کروا کر لانے کیل یئے۔''بجّو اماں نے لقمہ لگایا، مناہل نے کندھے اُچکائے، جیسے کہہ رہی ہو:

''ہاں عقل کے اندھے!''

اسماعیل کا اور زیادہ منہ بنا۔

''امّاں میرے پاس تو گاڑی بھی نہیں ہے میں کیسے جاؤں؟''اُسکے اپنے بھی تو دُکھ تھے۔

''ہاں تو گاڑی چوری نہیں تھی نہ کروانی، یہیں کھڑی ہوتی ورنہ آج۔''مناہل نے بے فکری سے کہا۔

''میری لے جاؤ۔''اسفند اپنی جیب میں چابی نکالنے لگا،اسماعیل کا چہرہ کھل اُٹھا۔

''نہیں!اسماعیل میرا بچہ، بائیک ہے نا،اُسی پر جا!''بجو اماں نے اسفند کے ہاتھ سے چابی لے لی۔

''اماں یہ غلط بات ہے۔'' پیر پٹختا اُٹھ کھڑا ہوا۔

میلوں دور عُمائمہ اپنے ٹی وی لاؤنج کے نا جانے کتنے چکر لگا چکی تھی۔ ہاتھوں کو بار بار آپس میں ملاتی، کھولتی وہ شدید پریشان نظر آ رہی تھی۔ اسفند کو کتنی چوٹ آئی ہو گی؟ وہ ٹھیک ہو گا یا نہیں؟ یہی باتیں اُسے چین نہیں لینے دے رہی تھیں۔

دفعتاً میز پر پڑا فون بجا۔ وہ چونک کر رُکی اور پھر تیزی سے فون کی طرف آئی۔

''ڈیڈ کالنگ۔۔۔''

ایک گہرا سانس لے فون اُٹھایا اور وہیں صوفے پر بیٹھ گئی۔

“Yess Dad!“

لہجے کو حتیٰ المقدور نارمل کیا۔

''عُمائمہ میں تمہیں لینے آ رہا ہوں، شاپینگ کرنے جانا ہے، تیار ہو جاؤ۔''اُنکا مصروف سا لہجہ سُنائی دیا۔

''او کے ڈیڈ!'' کہہ کر فون بند کر دیا۔

تھوڑی دیر فون ہاتھ میں ہی لیے بیٹھی رہی۔ پھر کانٹیکٹ لِسٹ نکالی، سب سے اوپر ہی نام جگمگا رہا تھا

''اسفند''

اُس نے نام پر اُنگلی رکھی۔ موبائل نے آگے دے تین چار آپشن مزید دیئے۔ عُمائمہ نے ایک گہرا سانس لیا اور سکرین تاریک کر دی۔ وہ خود کو اتنا آگے جانے کی اجازت نہیں دے سکتی تھی۔ ایسا کئی سالوں سے ہو رہا تھا، وہ نمبر نکالتی، دیکھتی، اور پھر کوئی بھی کال یا میسج کیے بغیر ہی رکھ دیتی۔

صوفے سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔اُسے تیار ہونا تھا۔شاپنگ کرنی تھی۔کل ہاجرہ کا نکاح ہے،وہ دوبارہ فیصل آباد جانے والی ہے۔یہی سوچ اُسکے ہونٹوں پر مُسکراہٹ لے آئی۔فون واپس رکھا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

※ ※ ※

''اماں میں بچیوں کو لے کر پارلر جارہی ہوں۔''رعناء چائے کا کپ میز پر رکھ کر،بتا کر، تیزی سے واپس مڑ گئیں۔

''ہیں؟ہیں؟کہاں لے کر جارہی ہے؟''بجو اماں ٹی وی دیکھتے دیکھتے چونکیں۔

''پارلر جارہی ہوں آصفہ اور شائستہ یہیں ہیں۔''کھڑے کھڑے ہی کہا۔

''سب کو لے جارہی ہو؟اُن چھوٹی دو کا کیا کام ہے؟ہاجرہ اور مناہل چلی جائیں بس۔''

''اماں انہوں نے بھی بال کٹوانے ہیں۔''رعناء نے منانا چاہا۔

''نہیں وہ گھر پر ہی کاٹ لینا،اب بحث مت کرو،ڈرامہ دیکھنے دو مجھے۔'' کہہ کر ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

رعناء نے گہرا سانس لیا، شکر کہ وہ اُن دونوں کیلئے مان گئی تھیں۔

''آپ لوگ کہاں جا رہے ہیں؟'' کچن سے نکلتا اسفند اُنہیں دیکھ کر حیران ہوا۔

''پارلر جا رہے ہیں، آجائینگے جلدی۔'' ہاجرہ نے مڑے بغیر کہا۔

''جلدی؟ مطلب؟'' اُس نے گھڑی دیکھی، شام کی تین بج رہے تھے۔

''ہاں آپ بس بجو اماں کو سنبھال لیجئے گا۔'' مناہل نے منت زدہ ہو کر کہا اور لاؤنج سے باہر نکل گئی۔ وہ بھی پیچھے ہی آیا۔

''جا کس کے ساتھ رہی ہو؟''

''میرے ساتھ!'' رعناء نے اُسکے سامنے چابی لہرائی۔

www.novelsclubb.com

"پھپھو؟" وہ حیران ہوا۔

"ہاں جو نبیل لینڈ کروزر دے کر گئے ہیں وہ یہاں پارک رکنے کیلئے تھوڑے ہی ہے۔" رعناء اب گاڑی کا لاک کھول رہی تھیں۔

"دھیان سے!" اسفند نے اُنہیں اندر بیٹھتے دیکھ کر کہا۔ رعناء نے اثبات میں سر ہلا دیا اور گاڑی ریورس کرنے لگیں، چوکیدار نے تیزی سے دروازہ کھولا۔

"کچھ نہیں ہو سکتا اِن عورتوں کا!" بڑبڑاتا ہوا اسفند اُنہیں دیکھتا رہا۔

پھر فون نکالا اور عدیل کو ملایا۔

"کہاں رہ گئے ہو یار!"

"بس آرہا ہوں۔" وہ کافی مصروف لگتا تھا۔

''ہاں اوکے، ڈیکوریٹرز بھی لے آنا، مناہل اور ہاجرہ آپی پھپھو کے ساتھ گئیں ہیں، تین چار گھنٹے تو اُنکے لگ ہی جائینگے، اُنکے آنے سے پہلے کام ختم ہو جائے گا۔''اُس نے بتایا۔

''یہ تو اچھا ہو گیا، بس میں پہنچ رہا ہوں۔'' کہہ کر فون بند کر دیا۔

''ہاں سب ہی پہنچ رہے ہیں!''فون ہاتھ میں پکڑے ہی سر گوشی کی۔

※※※

عُمائمہ کو مال میں گھومتے ہوئے اب تین گھنٹے ہونے کو تھے اور اُسے سارے جوڑے کالے رنگ میں ہی پسند آرہے تھے، جبکہ جو ڈیسائیڈڈ ڈیزائین تھا وہ کالے رنگ میں نہیں لینا تھا۔

''عُمائمہ بچے اب جو تمہیں پسند آیا لے لینگے۔''نبیل اب تھک رہے تھے۔

''ڈیڈ مجھے صرف بلیک ہی پسند آرہے ہیں، اور وہ لینے نہیں ہیں، میں کیا کروں؟'' وہ خود بھی اب تنگ آگئی تھی۔

''کس بات کی ٹینشن لے رہی ہو؟''اُنکی بات پر عُمائمہ چونکی۔

''ہاں میں جانتا ہوں تمہیں کوئی ٹینشن ہے،اِسی لیے صرف ڈَل کلرز پسند آرہے ہیں۔''

''ڈیڈ پیپرز کی ٹینشن ہے شاید۔''

وہ مال کے کوریڈور میں آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔

''میرے بیٹے نے پہلے تو کبھی پیپرز کی ٹینشن نہیں لی،اب کیا ہوا؟ بتاؤ کیا بات ہے؟''وہ اب کیفے کی طرف جارہے تھے،نبیل جانتے تھے اُسے بھوک لگی ہو گی۔

''ڈیڈ صبح اسفند کو کرنٹ لگا تھا،پتا نہیں کتنا زیادہ لگا،میں نے مناہل کو بھی کال کی ہے اور مام کو بھی،کوئی اُٹھا ہی نہیں رہا۔''اُس نے اپنا مسئلہ بتایا۔

''چلو جی،بس اتنی سی بات؟ ابھی اسفند سے ہی پوچھ لیتے ہیں۔''انہوں نے اُسکے لیے کُرسی نکالی اور میز پر آمنے سامنے بیٹھ گئے۔

''پہلے کچھ کھالیں؟''اُنہوں نے مُسکرا کر پوچھا۔

''جی ڈیڈ!''اُسکا چہرہ لمحوں میں چمک اُٹھا۔

تقریباً آدھے گھنٹے میں اُس نے معمولی باتوں پر ان گنت بار قہقہہ لگایا اور وہ مسلسل مُسکراتے ہوئے نبیل سے باتیں کرتی رہی۔ نبیل نے اپنی بڑی بیٹی کا یہ رُوپ پہلی بار دیکھا تھا اور وہ اِس بات پر خوش بھی تھے اور بے حد حیران بھی کہ ایک چھوٹی سی بات اُسکا موڈ کیسے اتنی جلدی ٹھیک کر سکتی ہے۔

''ڈیڈ اب کریں کال۔''کھانا ختم کر کے کہا۔

''اچھا بیٹے۔''کہہ کر اُنہوں نے اپنا فون نکالا اور نمبر ملانے لگے۔

''سپیکر پر رکھیے گا۔''سرگوشی میں کہا، اُنہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

وہ ڈرائیو وے میں کھڑا بڑبڑا رہا تھا جب ہاتھ میں پکڑا فون ایک بار پھر بجا۔

اُسی طرح منہ بنائے سکرین دیکھی، پھر تاثرات بدلے، چہرے پر مُسکراہٹ اُبھری اور حیرانگی بھی، پھر فون کان کو لگایا۔

''السلام علیکم نبیل انکل!'' ٹیبل پر اُسکی آواز گونجی۔ عُمائمہ کا دل اُچھل کر باہر آنے کو ہوا۔

''وعلیکم السلام اسفندبیٹے، کیسے ہو؟'' نبیل مُسکرائے۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں انکل، آپ کیسے ہیں۔'' وہ چلتا ہوا لان میں آگیا، صبح والی تھکن اب نہیں تھی۔

''میں بھی ٹھیک ہوں، تیاریاں کیسی جا رہی ہیں؟'' اُنہوں نے مُسکرا کر عُمائمہ کو تسلی دی۔

''بہت اچھی انکل، بس اب آپ لوگ آجائیں اب۔'' مُسکرا کر کہا، اِس بات سے بے خبر کہ ''وہ لوگ'' جسکا کا کہہ رہا تھا وہ اُسکی آواز میں مکمل طور پر کھوئی ہوئی تھی۔

''جی بیٹا بس کل ہم بھی وہیں ہونگے، پھپھو کہاں ہیں بھئی تمہاری؟ فون نہیں اُٹھا رہیں۔'' نبیل کو یاد آیا۔

''پھپھو تو پار لر گئی ہیں، مناہل اور ہاجرہ آپی کو لے کر، ڈرائیو کر رہی ہونگی، اِس لیے فون نہیں اُٹھا رہیں۔'' اسفند نے سرسری سا کہا۔

''ڈرائیو کیوں کر رہی ہیں؟ کس کی گاڑی پر گئی ہیں؟'' نبیل کو ٹھنڈ کے باوجود پسینہ آیا۔ وہ رعناء کی ڈرائیونگ سے واقف تھے۔

''وہ۔۔۔آپکی گاڑی پر گئی ہیں۔'' اسفند کو احساس ہوا کہ یہ بات بتانے والی نہیں تھی۔

''یا اللہ! میں کہہ کر بھی آیا ہوں کہ وہ میری گاڑی نہیں ہے، شوروم کی ہے۔'' عُمائمہ نے ہنسی روکنے کیلیے منہ پر ہاتھ رکھا اور دوسری طرف اسفند نے اپنا سر پیٹا۔

''میں نے روکنے کی کوشش کی تھی انکل، لیکن میں کیا کر سکتا تھا۔'' اُسکی آواز دھیمی ہوئی۔

''چلو کوئی بات نہیں بچے، وہ آئیں تو میری بات کروانا، اللہ میری گاڑی کی حفاظت کریں!'' نبیل نے منہ بنا کر کہا۔

اب کی بار عُمائمہ کے ساتھ ساتھ اسفند نے بھی اپنی ہنسی روکنے کی بھرپور کوشش کی۔

''آمین!'' کہہ کر اسفند نے الوداعی کلمات کہے اور فون بند کر دیا۔

فون بند ہوتے ہی وہ کھلکھلا کر ہنس دی، نبیل نے گھور کر دیکھا۔

※ ※ ※

''پھپھو ہم کچھ زیادہ ہی لیٹ نہیں ہو گئے؟'' ہاجرہ نے گاڑی کے باہر پھیلتے اندھیرے کو دیکھ کر کہا۔

''ہاں لیٹ تو ہو گئے ہیں، لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ ابھی تک بجو اماں کی کال نہیں آئی۔''

رعناء ڈرائیو کرتے ہوئے مُسکرائیں۔

''اسفند بھائی کو بتایا تھا میں نے کہ ہم لیٹ ہو جائینگے، گھر میں ڈیکوریٹرز آئے ہونگے، اِس لیئے اُنہیں بھی جلدی نہیں ہو گی۔'' ہُوبل نے کندھے اُچکائے۔

''پھپھو!'' ایک دم اُسے کچھ یاد آیا۔

''جی؟'' رعناء کے ساتھ ہاجرہ بھی حیران ہوئی۔

''پھر ہم کھانا کھا کر ہی جاتے ہیں نا!'' مسکرِی سے بھری شکل بنائی۔

رعناء کھلکھلا کر ہنس دیں، ہاجرہ نے پیچھے مڑ کر اُسے آنکھیں نکالیں۔

''پھپھو اب کہاں؟'' اُنہیں گاڑی موڑتے ہوئے دیکھ کر ہاجرہ نے کہا۔

''کھانا کھانے اور کہاں؟ اب مناہل کو بھوک لگی ہے تو ایسے تو ہم گھر نہیں جا سکتے نا!''

''یہ ہوئی نا بات!'' مناہل چہکی۔

''پھپھو مہمان آگۓ ہونگے ڈھولکی والے۔''ہاجرہ فکر مند تھی۔

''ہاں تو ماما اور شائستہ تائی ہیں نا گھر ہی،اسماعیل بھی ہے اُنکو اِنٹرٹین کرنے کیلۓ۔''مناہل بھی اپنی طرح کی ایک ہی تھی۔

''نا فکر کرو ہاجرہ زیادہ ٹائم نہیں لگے گا۔''

※※※

وہ گھر پہنچے تو رات کے اندھیرے پھیل چکے تھے۔

عُمائمہ نے کافی بنائی، نبیل کو دی اور اپنا کپ لیۓ اپنے کمرے میں آگئی۔اُسے پیپر بھی ریوائز کرنا تھا۔

کافی ختم ہوئی تو دوبارہ نیچے آئی۔نبیل وہیں ٹی وی لاؤنج میں سوگۓ تھے۔آج عُمائمہ نے اُنکو خوب تھکا دیا تھا پھر کہیں جا کر اُسکی شاپینگ پوری ہوئی تھی۔

"ڈیڈ!"اُنکا کندھا ہلایا۔

"جی بیٹا؟"ہڑبڑا کر اُٹھے۔

"ڈیڈ اندر کمرے میں چلے جائیں۔"ٹی وی بند کرتے ہوئے کہا۔

"ہوں۔۔۔اچھا!بیٹے ایک بار پیکینگ چیک کر لینا،کوئی چیز چھوڑ نہ جانا۔"نیند سے بوجھل آواز میں کہا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گ ئے۔

"جی ڈیڈ!"مسکرا کر کہا۔

ایک اور کپ کافی بنا کر وہ لائیٹیں بند کرتی اپنے کمرے میں آ گئی۔صبح کیل ئے بیگ تیار کی ئے اور پھر بلاوجہ ہی اپنی چیزیں کھول کر دیکھنے لگی۔

ہر چیز کو دیکھتی،مُسکرا کر کافی کا گھونٹ بھرتی وہ اپنی فیری ٹیل کی شہزادی لگ رہی تھی۔وہ شہزادی جسکی ہر چیز مکمل ہوتی ہے۔مکمل اور خوبصورت!

لیکن۔۔۔عارضی!

اُس کی سوچوں کا تسلسل فون کے بجنے سے ٹوٹا۔

''مناہل کالنگ۔۔۔''وہ مُسکرائی اور فون اُٹھایا۔

سکرین پر اُبھرنے والے منظر نے اُسے چند لمحوں کیلئے ساکت کیا تھا۔اوپری ہال کے سارے صوفے اور کُرسیاں ہٹا کر وہاں ڈھولکی کا اہتمام کیا گیا تھا۔ہر طرف سُرخ گلابوں سے بھری دیواریں ہی نظر آرہی تھیں۔گلابوں کی لڑیوں کے درمیان چمکتے ہوئے موتیوں اور شیشوں سے مزین لڑیاں بھی لٹکائی گئی تھیں۔عُمائمہ نے بے اختیار ''واؤ'' کہا۔

''اچھا لگ رہا ہے نا؟!''مناہل نے آنکھوں میں چمک لیئے پوچھا۔وہ کالے چمچماتے لباس میں ملبوس تھی۔لمبے بال کمر تک آرہے تھے اور کچھ کندھے سے آگے کو گر رہے تھے۔

"ہاں بہت اچھا لگ رہا ہے۔" وہ منظر اگر سکرین پر اتنا اچھا لگ رہا تھا تو اصل میں کتنا اچھا لگے گا،

عُمائمہ یہی سوچ رہی تھی۔

بجو اماں بھی اوپر ہی تخت پر بیٹھی تھیں۔ہاجرہ ہرا اور پیلا جوڑا پہنے تیار سی دُلہن، سامنے پڑے جھولے نما صوفے پر بیٹھی سب کی نظروں کا مرکز تھی۔اُسکے سامنے سُرخ رنگ کے ہی قالین تھے،اُن پر گاؤتکیے رکھے درمیان میں ڈھولک رکھے رعناءاور باقی مہمان بیٹھے خوشی کے گیت گا رہے تھے۔

"مام کو تو دیکھو بھول ہی گئی ہیں کہ عُمائمہ کراچی بیٹھی ہے۔" عُمائمہ نے ہنس کر کہا، مناہل کیمرہ گھُما کر اُسے سارا منظر دِکھا رہی تھی۔

"ہاں نا! بھئی ہم ہیں ہی اتنے اچھے!" مناہل نے گردن کڑائی۔

"اچھا جی! عائشہ کہاں ہے؟" عُمائمہ کو اپنی بہن یاد آئی۔

"وہ ہاجرہ آپی کی ڈیوٹی سنبھال رہی ہے، شائستہ تائی کے ساتھ کچن میں ہے۔"

"یہ ہوئی نا آج کی اچھی خبر!" وہ دونوں کھلکھلا کر ہنس دیں۔

"کب کی فلائیٹ ہے؟" مناہل اب سیڑھیاں اُتر رہی تھی۔

"بارہ بجے کی ہے، یونی سے سیدھا ائیر پورٹ ہی جائینگے۔" مُسکرا کر کہا۔

"یار جلدی آجاؤنا! میں تمہیں بہت مِس کر رہی ہوں۔" مناہل اب ٹی وی لاؤنج میں آگئی تھی۔ نچلے ہال کو بھی سُرخ رنگ سے ہی سجایا گیا تھا۔

"میں بھی یار!" منہ بنایا۔

"یہ پیپرز والی بات اگر تم پہلے بتا دیتیں تو اب منہ نہ بنانا پڑتا۔" مناہل کو وہ بات یاد تھی۔

"اب تو صبح آ ہی جانا ہے!"

اُسی لمحے باہر گاڑی کا ہارن سُنائی دیا اور پھر اسفند کی آواز۔

''مناہل اُوپر سے پھپھو کو بلاؤ! فوزیہ آنٹی آئی ہیں۔''

مناہل نے اثبات میں سر ہلایا اور سکرین پر واپس دیکھا۔

عُمائمہ میں تمہیں کال بیک کرتی ہوں۔''

''نہیں اب میں سوؤنگی، ورنہ صبح پیپر کون دیگا۔'' وہ ہنسی اور فون بند کر دیا۔

※ ※ ※

تھوڑی ہی دیر میں فوزیہ بھی اُن کے ساتھ ڈھولک کے گرد بیٹھی، باتوں میں مصروف تھیں۔

''سیف کے ساتھ آئی ہیں؟'' آصفہ نے پوچھا۔

''نہیں ڈرائیور کے ساتھ، ہاجرہ بیٹی کا لہنگا بھی تو لانا تھانا۔'' مُسکرا کر کہا۔

''بھئی اصل رونق تو یہاں لڑکیوں نے لگا رکھی ہے، ہمارے گھر تو اِس وقت خاموشی کا راج ہے۔''

اب وہ رعناء کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''جی بالکل، یہ بھی بجو اماں کا ہی آئیڈیا تھا۔'' رعناء نے اماں کی طرف اشارہ کیا، فوزیہ محض مُسکرا دیں۔

''سیف کے کزنز اور دوست وغیرہ نہیں آئے گھر؟'' آصفہ نے سچی بات پوچھی، فوزیہ کو کاٹ دار آرے کی طرح لگی۔

''نہیں ہم الگ ہی ہیں نا، فیملی سسٹم نہیں ہے، سب فنکشن پر ہی آئینگے۔'' بمشکل مُسکرا کر کہا۔

''اچھا اچھا، یہ بھی اچھی بات ہے۔'' آصفہ بھی مُسکرائیں، تپانے والی مُسکراہٹ۔

''رعناء آپکی بیٹی نظر نہیں آرہی۔'' فوزیہ نے بات بدلی۔

''اُسکے پیپرز ہیں، وہ کراچی چلی گئی تھی، صبح آجائے گی۔'' رعناء نے مُسکرا کر کہا۔

''اچھا۔۔۔گھر پر اکیلی ہے؟'' وہ حیران ہوئیں۔

''اکیلی کہاں ہے؟ نبیل وہیں ہیں نا۔''بجو اماں اب غیر آرامدہ ہوئیں، بات کا رُخ کہاں جا رہا تھا وہ سمجھ رہی تھیں۔

''اب ویسے خیال کرنا چاہیئے- کراچی جیسے بدنامِ زمانہ شہر میں جوان لڑکی اکیلی نہیں بھیجنے چاہیئے تھی،اور ویسے بھی چند دنوں پہلے والے واقعے کی بعد تو،توبہ توبہ۔''اُنہوں نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

یہ جوابی وار تھا،جو بجو اماں کے پورے خاندان کو چُپ کرا گیا تھا۔مناہل جو ہاجرہ کے ساتھ بیٹھی تھی، اپنی جگہ پر شل تھی۔

''مناہل مجھے نیچے چھوڑ آ، نیند آرہی ہے مجھے۔''بجو اماں نے مناہل کو مخاطب کیا۔

''آجائیں اماں۔''رعناء اٹھیں اور اُنہیں سہارا دیا۔فوزیہ زیرِلب مُسکرائیں،وار کام کیا تھا۔

''کہاں جارہی ہیں؟''سیڑھیوں سے اوپر آتی شائستہ نے بجو اماں کو جاتے دیکھا تو پوچھا۔

''جیسی اُس عورت کی زبان ہے نا،اُسے تم خود ہی جھیلو، جاہل عورت!''انہوں نے شائستہ پر غصہ نکالا۔

''فوزیہ آنٹی کا ڈرائیور آیا ہے!''اسماعیل نے باہر سے آواز دی۔

''جاؤ بتاؤ اُسے جا کر، جائے وہ یہاں سے۔''بجّو اماں نے ساتھ آتی مناہل کو کہا۔

وہ جی اماں کرتی واپس مڑ گئی۔

''اماں اتنا غصہ کیوں ہو رہی ہیں۔''رعناء نے اُنہیں نارمل کرنا چاہا۔

''اُس بات کو ہم اکیلے بیٹھ کر بھی نہیں دُہراتے جس کو اُس نے اتنے سارے لوگوں میں بیٹھ کر کہا ہے!''وہ سخت خفا تھیں۔

※※※

''اسفند!''

اسفند چونک کر مڑا۔ وہ اِس آواز کو لاکھوں میں بھی پہچان سکتا تھا۔

''عُمائمہ؟''

وہ اُس سے زیادہ زور سے چِلاتا اُسے پُکارتا اُسکی آواز کا پیچھا کرنے لگا۔ چاروں طرف برف سے ڈھکی چوٹیاں تھیں۔ اور وہ دونوں اُن چوٹیوں میں سے ایک پر تھے، لیکن وہ ایک دوسرے کو ڈھونڈ نہیں پا رہے تھے۔

تیزی سے چلتے اسفند کو دُھند میں لپٹا اُسکا گہرا سُرخ رنگ کا دوپٹہ نظر آیا۔

''عمائمہ!'' وہ پوری شدت سے آواز دیتا اُسکے پیچھے آنے لگا۔

دفعتاً وہ رُکا، کوئی احساس، جو یکدم اُسے چھو کر گزرا، آگے زمین نہ ہونے کا احساس۔ اُس نے آہستہ سے اپنا قدم بڑھایا اور محسوس کیا۔ آگے کھائی تھی۔ دُھند سے بھری اندھی کھائی۔

اُس نے پیر واپس کھینچ لیا اور تیزی سے واپس مڑا۔

''عمائمہ! عُمائمہ!'' وہ اب دیوانہ وار آوازیں دے رہا تھا۔

''اسفند!!'' اب اُسکی چیخ نما آواز گونجی۔

اسفند کو لگا وہ اُسی برف میں جم گیا ہے۔ وہ واپس مڑا، جس سمت سے آواز آئی تھی، وہ وہی جگہ تھی جہاں کھائی تھی۔ پھر اُسے اُسکا گہرے رنگ کا دوپٹہ ہوا میں لہراتا نظر آیا۔

ہوا کے ساتھ، بے لگام، آزاد اور موت سا ٹھنڈا۔

وہ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا۔

کمرے میں اندھیرا تھا، اُس نے تیزی سے ہاتھ بڑھا کر سائیڈ لیمپ آن کیا اور پھر اپنے ماتھے کو چھوا۔ وہاں پسینے کے ننھے ننھے قطرے تھے۔ اُسے اپنا خواب یاد آیا، بے اختیار اُسی جھرجھری آئی۔ کمبل اُتار تا وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ ٹھنڈے فرش پر ننگے پاؤں چلتا وہ ٹیرس کا ڈور سلائیڈ کرتا باہر آگیا۔ ٹھنڈی ہوا کا تھپیڑا اُس سے ٹکرایا۔ ہر چیز خاموش تھی، دُھند میں لپٹی روشنیاں، گہری رات اور بے انتہا ٹھنڈ۔ وہ

چلتا ہوا ریلینگ تک آیا اور اُن پر ہاتھ رکھا۔دُھند کے قطرے اُسکے ہاتھ کو نم کر گئے۔اُس نے نظر

اُٹھا کر سامنے لٹکنے والی فیری لائیٹس کو دیکھا،وہ موسم سے بے خبر اپنی مصنوعی روشنیاں پھیلا رہی

تھیں۔ایک بار پھر اُسے اپنا خواب یاد آیا۔وہ پوری جزئیات کے ساتھ اُسے دُہرا سکتا تھا،لیکن وہ دُہرانا

نہیں چاہتا تھا۔

سر جھٹک کر وہ واپس اپنے کمرے کی طرف مڑا،دور کہیں سے فجر کی پہلی ازان کی آواز آئی۔ایک گہرا

سانس لیا اور گردن موڑ کر دور تک پھیلے آسمان کو دیکھا اور اندر آگیا۔ڈور لاک کیا اور وضو کرنے

کیلئے چلا گیا۔

"بے شک وہ اللہ ہی ہے

جو نکالتا ہے،

انسان کو،

بُرے خوابوں سے بھی

اور بُرے

حالات سے بھی۔"

※※※

باب نمبر آٹھ

"رنگ"

کھِلتی ہوئی بہار کے سنگ

وہ برستا ہوا پہلا ساون

جو زائل کر دے

بدگمانی کی خزاں کے رنگ

اور وجود میں آئے

ایک ایسا باغِ گلؒ

جو سرشار ہو زندگی سے

اور مزین ہو گلابوں سے

ایسے گلاب،

جو اپنی خوشبو سے

چہروں کو کھلادیں

پھر اپنے ہی جیسے

کئی اور رنگ

قدرت میں بکھرا دیں۔

تو ایسے ہیں دیکھ لو،

"خدائے برتر کی عطاء کردہ

نعمتوں،خوشیوں کے رنگ۔"

اپنی کہانی کا بقیہ حصہ ہم وہیں سے شروع کرینگے جہاں شہرِ فیصل آباد کے ایک اِلائیٹ علاقے میں بنی کالونی کا وہ دو منزلہ بڑا بنگلہ،نکلتے ہوئے سورج کی سُنہری کِرنوں میں نہایا ہوا لگتا تھا،اور اُسکے ساتھ ساتھ سویا ہوا بھی۔یہ جمعہ کا دن تھا۔ہاجرہ کے نکاح کا دن۔اُسکی زندگی کا اہم ترین دن۔

اوپری منزل کے ہال کی جانب چلیں تو ہال میں مناہل بیٹھی کسی گہری سوچ میں تھی۔مناہل اور سوچ میں؟نہیں وہ یقیناً کچھ کر رہی ہو گی۔

ہاں اگر قریب سے دیکھا جائے تو ہال کی ملگجی روشنی میں وہ صوفے پر پاؤں اوپر کر کے بیٹھی، ایک ہاتھ گال تلے ٹِکائے، صوفے کے ہتھے کے ساتھ ٹیک لگائے اونگھ رہی تھی۔ اُسکا پسندیدہ مشغلہ۔

نیند گہری ہونے پر اُسکا ہاتھ ڈھلک گیا اور گردن نے جھٹکا سا کھایا۔ وہ چونک کر اُٹھی۔ نظریں اِدھر اُدھر دوڑائیں۔ پھر یاد آیا کہ وہ تو سب کو اُٹھانے کیل ئے اُٹھی تھی۔ ساری رات اتنی خوش تھی کہ نیند ہی نہیں آرہی تھی اور اب ایسی گہری نیند آرہی تھی گویا تھوڑی دیر بعد سکول جانا ہو۔

متورم بھوری آنکھیں لی ئے وہ صوفے سے اُٹھی اور سب سے پہلے اسفند کے دروازے کے قریب پہنچی۔ دروازے کے ساتھ کان لگایا ساتھ ہی جماہی روکی۔ کمرے کے اندر سے چیزوں کو اُلٹ پلٹ کرنے کی ہلکی ہلکی آوازیں آرہی تھیں۔ اُسکی آنکھیں چمکیں۔ نیند پل میں غائب ہوئی۔ پھر پوری قوت سے دروازہ بجایا۔

"اسفند بھائی! اسفند بھائی!" اب کے وہ آوازیں بھی دینے لگی تھی۔

اندر ڈریسینگ ٹیبل کے سامنے کھڑے اسفند نے ضبط سے بند دروازے کو گھورا، ہاتھ میں پکڑی ٹائی کو تیزی سے باندھا اور لپک کر دروازہ کھولا۔

"کیا ہو گیا ہے صبح صبح؟" دروازہ کھول کر واپس شیشے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"واہ واہ واہ!" مناہل نے گھوم کر اُسے دیکھا اور پھر دونوں ہاتھوں سے اشارے کرتی اُسکے سامنے آن جمی۔

"یہ اِس وقت ہی کیوں تیار ہو گئے ہیں؟"

اسفند نے ضبط سے اُسے دیکھا، جیسے کہہ رہا ہو:

"جان چھوڑ دو میری!"

پھر پرفیوم کی شیشی اُٹھائی، اُسے مکمل نظر انداز کیا۔

"ویسے آپکی اطلاع کیلیے عرض ہے کہ بھابھی کی فلائیٹ لیٹ ہے،ابھی سے تیار ہونے کا کوئی فائدہ نہیں۔"ڈھیٹ بنی مناہل نے کندھے اُچکائے اور بیڈ پر بیٹھ گئی۔اسفند نے پہلے اُسے دیکھا اور پھر آدھ کھُلے دروازے کو۔

"تم اپنی زبان بند نہیں رکھ سکتیں؟"

"نہیں!"تڑاک سے جواب آیا۔

اسفند نے گہرا سانس لے کر خود پر ایک آخری نگاہ ڈالی،کوٹ سٹینڈ سے کوٹ اُٹھا کر پہنا،نادیدہ شِکنیں دُرست کیں اور اپنی چیزیں اُٹھانے لگا۔

"میں جارہا ہوں،میرے آنے تک سب ریڈی رہنا،تم سب کو پارلر ڈراپ کرنا ہے۔"گھڑی دیکھتے ہوئے وقت کا اندازہ لگایا اور پُر وقار قدم اُٹھاتا باہر نکل گیا۔

"جا کہاں رہے ہیں؟"وہ بھی پیچھے لپکی۔

''آفس جا رہا ہوں میری ماں! ایک گھنٹے تک آؤنگا۔''مڑے بغیر جان چھڑانے والے انداز میں کہتا وہ سیڑھیاں اُتر گیا۔

''مناہل تم جلدی اُٹھ گئیں؟''عدیل نے اُسے سیڑھیوں کے پاس کھڑے دیکھا۔

''عدیل بھائی مجھے تو مارے ایکسائیٹمینٹ کے نیند ہی نہیں آئی،اور دیکھیں ہاجرہ آپی ابھی تک سو رہی ہیں۔''وہ چلتی ہوئی اُس تک آئی،عدیل ہنس پڑا۔

''چلو جاؤ باقیوں کو بھی اُٹھاؤ،سُہیل چچا کو بھی اُٹھاؤ،ڈیکوریٹرز آنے والے ہیں۔''کہہ کر وہ اپنے کمرے کی طرف مڑ گیا۔وہ بھی''جی بھائی''کرتی سیڑھیوں کی طرف جانے لگی۔

نکاح کا سارا انتظام چھت پر ہی کیا گیا تھا۔ایک طرف سٹیج،سامنے دونوں اطراف میں ایک ایک تخت اور پھر آگے پھیلی ہوئی کُرسیاں اور میز۔

⁜ ⁜ ⁜

''ڈیڈ آپ نے سارے بیگزر کھ لیے تھے نا؟'' عُمائمہ پیچھے مڑ کر بیگز چیک کر رہی تھی۔

''ہاں عُمائمہ سارے بیگز وہی ہیں جو تم صبح نکال کر آئی تھی۔'' ساتھ بیٹھے نبیل فون پر لگے تھے۔

''اللہ کرے آپ کوئی بھی بیگ بھولے نہ ہوں۔'' وہ سیدھی ہو گئی۔

''بھول بھی آیا تو کیا ہوا؟ پھر خرید لینگے۔'' بڑے سکون سے کہا، عُمائمہ نے پریشان سی ہو کر اُنہیں دیکھا۔

''مام نے مجھے مار ڈالنا ہے۔'' آنکھیں رعناء کی طرح پھیلائیں۔

''نہیں مارتیں۔'' وہ ہنس دیے۔

※ ※ ※

''بجو اماں! بجو اماں! کہاں ہیں؟؟'' مناہل کسی آندھی طوفان کی طرح ناشتہ کرتیں اماں پر نازل ہوئی تھی۔

"یہاں ہوں بھئ! کیا ہو گیا؟" ناشتہ چھوڑ کر کہا۔

"یار اماں! میں آپکو سارے گھر میں ڈھونڈ رہی ہوں اور آپ یہاں بیٹھی مزے سے ناشتہ کر رہی ہیں۔" وہ پھولے ہوئے سانس کے ساتھ اُنکے ساتھ ہی کُرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

"کیوں لڑکی؟ مجھے کیوں ڈھونڈ رہی تھی؟ میں آج تیری پار لر والی تو نہیں ہوں۔" عینک کے پیچھے سے گھُورا۔

"آپ میری نہیں لیکن میں آپکی ضرور ہوں۔" وہ اب اُنہی کی پلیٹ میں سے پراٹھا کھا رہی تھی۔

"کپڑے نکال دی ئے پھر میرے؟" بجو اماں نے لہجہ بدلہ۔ شوخ لہجہ۔

"آہاں!" مناہل نے ابرو اُچکائی۔

"جی مِلکئہ عالیہ! آپ آجائیں بس آپکا ہی انتظار ہے۔" مناہل نے کسی خادم کی طرح اپنے دونوں ہاتھ لہرائے۔

دونوں کھلکھلا کر ہنس دیں۔

"اور وہ ہماری دُلہن کہاں ہے؟" مناہل کو کھاتے ہوئے یاد آیا۔

"یہاں ہے دُلہن!" ہاجرہ ہاتھ میں پراٹھے کی ایک اور ڈِش پکڑے اندر آئی۔

"یااللہ!" مناہل نے اپنا سر پیٹا،

"کس نے کچن میں بھیجا آپکو؟ یار ہاجرہ آپی منہ کا حال دیکھیں! ٹھہر جائیں زرا میں ابھی پھپھو کو بتاتی ہوں۔" وہ اُٹھی اور اسکے ہاتھ سے ڈِش لے کر ٹیبل پر رکھی ایک کُرسی پر اُسے بٹھایا اور آستینیں موڑتی کچن کی طرف چلی گئی۔

"ڈرامہ ہے یہ پورا!" اُسے اسکے حال پر چھوڑے وہ بجو اماں کے طرف متوجہ ہو گئی۔

※※※

"Hello Ladies!"

اسماعیل نے کچن میں آکر نعرہ لگایا۔

''میرا بچہ کیسے ہو؟ کچھ چاہیئے؟''آصفہ نے پراٹھا بیلتے ہوئے بڑی اپنائیت دکھائی۔

''اچھا!۔۔۔میرا بچہ؟۔۔۔''مناہل نے چائے کپوں میں اُنڈیلتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا اور آنکھیں چھوٹی کر کے ماں کو دیکھا۔

''آصفہ چچی کھانا ہی دے دیں۔''مسکینوں جیسی شکل بنائی۔

''تمہاری اطلاع کیلئے عرض ہے کہ ناشتہ لگا ہوا ہے، جاؤ اور کھاؤ۔''مناہل نے ناک سکوڑی۔

''میں نے تم سے بات نہیں کی۔''اُسی کے انداز میں کہا۔ مناہل مُسکرائی، جیسے کہہ رہی ہو:

''اچھا! ٹھہر جاؤ زرا! ابھی تمہارے پر کاٹتی ہوں۔''

''ماما! آپ نے وہی گرین ڈریس پہننا ہے نا آج؟''آصفہ کی طرف مڑی۔

''ہاں بالکل!''اُنکی آنکھیں چمکیں۔

''اوہ! لیکن اُسکا دوپٹہ تو میں نے اسماعیل کو دیا تھا،اسماعیل! تم لے آئے؟''اُنکو کہتی کہتی وہ پپوٹے گھماتی اسماعیل کی طرف مڑی۔

آصفہ بیگم بھی پوری گھومیں۔

''ابھی ناشتہ کر کے لے آتا ہوں اِس میں کونسی بڑی بات ہے؟''کندھے اُچکائے۔

''نہیں نہیں! ابھی جاؤ،آکر ناشتہ کر لینا،یہ نہ ہو ملے ہی نہ بعد میں۔''آصفہ مکمل طور پر اُسکے گلے پڑ چکی تھیں۔اُسکو تقریباً دھکے دیتے ہوئے وہ کچن سے باہر نکالنے لگیں،اور مناہل یہ بات جانتی تھی کہ وہ اُسے لاؤنج سے بھی باہر تک چھوڑ آنے کا ارادہ رکھتی ہونگی۔

مناہل نے چائے سے بھرے کپوں کی ٹرے اُٹھائی اور کچن سے باہر آگئی۔

اسماعیل نے دانت کچکچا کر اُسے دیکھا۔

※ ※ ※

وہ سب بیٹھی مزے سے ناشتہ کر رہی تھیں جب باہر اسفند کی گاڑی کی آواز آئی۔ مناہل نے چونک کر گردن اُٹھائی۔ ہاجرہ اور عائشہ نے بھی اُسے غور سے دیکھا۔

''کیا؟'' ہاجرہ نے ابرو اُچکائیں۔

''عزت ہونے لگی ہے میری۔'' منہ بنا کر کہا اور ایک ہاتھ کی مُٹھی بنا کر تین اُنگلیاں سامنے کیں۔

''تھری!''

عائشہ نے ہنس کر کہا، مناہل نے اُنگلی مُٹھی میں دبائی۔

(اسفند گاڑی پارک کر کے، کوٹ بازو پر ڈالے اندر داخل ہوا)

''ٹو!''

ہاجرہ نے بھی مُسکرا کر کہا، مناہل نے ایک اور اُنگلی فولڈ کی۔ بجوّاماں ہنسیں۔

(اسفند نے ٹی وی لاؤنج کے صوفے پر بیگ رکھا اور مڑ کر ڈائیننگ روم کی طرف گیا۔)

"وَن!"

بجو اماں نے ہنس کر کہا اور مناہل نے مُٹھی پوری بند کر کے ایک نظر اُن سب کو دیکھا اور پھر آنکھیں میچ لیں۔

"مناہل! میں نے تمہیں کہا تھا ریڈی رہنا!" اندر آتے ہی غصے سے کہا۔ہاجرہ، عائشہ اور بجوّ اماں کھلکھلا کر ہنس دیں۔

"کیا ہوا؟" اُس نے حیرانگی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں، کچھ نہیں۔۔۔ کیری آن۔" ہاجرہ نے ہنس کر کہا اور اپنے سامنے پڑی پلیٹیں اُٹھا کر کچن میں جانے لگی۔

''بھائی آپ ناشتہ کریں، ہم سب بس ابھی آئے۔'' وہ اسفند کو کھانا نکال کر دینے لگی۔اسفند نے گھور کر دیکھا۔

''نہ غصہ کر میرا بچہ، اتنے تو کام ہیں گھر پر۔'' بجّو اماں نے اسکی حمایت کی۔اسفند نے اُسی طرح کھڑے اُنہیں دیکھا۔

''اماں مجھے یقین ہے اِس نے صبح سے بس سب کے دماغ ہی چاٹے ہیں۔'' وہ کُرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

''پندرہ منٹ ہیں بس!'' اُن سب کو جاتا دیکھ کر اسفند نے آواز لگائی۔

آدھے گھنٹے بعد وہ بجو اماں کو اُنکے کمرے میں چھوڑ کر باہر پورچ میں آیا تو وہ سب وہیں کھڑی تھیں، مناہل سب سے آگے تھی۔

اُس نے اسفند کو دیکھا اور پھر اپنی کلائی میں پہنی گھڑی کو، اسفند نے ابرو اُچکائیں، مناہل نے بُرا سا منہ بگاڑا۔

''پھپھو نہیں جائینگی؟''رعناء کے سواوہ سب جا رہے تھے۔

''نہیں وہ بجو اماں کے پاس رُکینگی۔''ہاجرہ نے بتایا۔

''میں نے تو کہا ہے میں بھی رُک جاتی ہوں، رعناء اکیلی کیسے کریگی سب کچھ۔''شائستہ نے منہ بنایا۔

''رہنے دو تم، بیٹی کا نکاح ہے اور تم نے پھر بُڈھوں کی طرح تیار ہو جانا ہے۔''آصفہ بھلا پیچھے کیوں رہتیں۔

''اچھا چلیں اب؟''اسفند نے گاڑی کے اندر سے آواز لگائی۔

※※※

دو بجے کے قریب جہاز فیصل آباد کے وسیع ائیر پورٹ پر لینڈ ہوا اور تقریباً ڈھائی بجے تک عُمائمہ اور نبیل باہر موجود تھے۔

''ڈیڈ ایسا کریں آپ مجھے پارلر ہی چھوڑ دیں، گھر سے ایڈریس پوچھ لیں۔''اُس نے کمال کا آئیڈیا دیا۔

''ہاں یہ بھی ٹھیک ہے لیکن تمہیں تھوڑے ریسٹ کی بھی ضرورت ہو گی۔''وہ فکر مند ہوئے۔

''چھوڑیں ڈیڈ ہم لیٹ ہو جائینگے ورنہ۔''اُس نے ہنس کر کہا۔

“Sure?“

“Yess Dad!“

''ٹھیک ہے میں اسفند سے ایڈریس پوچھتا ہوں۔''کہہ کر فون نکالنے لگے۔

''السلام علیکم نبیل انکل! پہنچ گئے؟''رابطہ جُڑتے ہی اسفند کی آواز آئی۔

''وعلیکم السلام بیٹا، ہم پہنچ گئے ہیں، مجھے ایڈریس سمجھا دو میں عُمائمہ کو پار لر ہی ڈراپ کر دیتا ہوں۔''

''انکل آپ تھکے ہوئے ہونگے، کہاں ٹیکسی ڈھونڈینگے، میں آجاتا ہوں۔''وہ مُسکرایا تھا۔

''نہیں میرا بچہ تم بس ایڈریس بتادو۔''

''اوکے انکل۔'' کہہ کر فون بند کیا اور لوکیشن بھیجنے لگا۔

چند سیکنڈز بعد ہی سکرین پر ایڈریس جگمگایا اور وہ دونوں سامان اُٹھائے پارکینگ کی طرف بڑھنے لگے۔

ٹیکسی پارلر کے باہر رُکی اور نبیل اُسکا بیگ اُٹھائے باہر نکلے، عُمائمہ بھی پیچھے ہی ہولی۔

''ڈیڈ میں چلی جاؤنگی۔'' اُس نے اُنکے ہاتھ سے بیگ لے لیا۔

''ہاں مجھے پتا ہے لیکن مجھے گوگل لوکیشنز پر زرا بھی بھروسہ نہیں ہے۔'' اُنہوں نے ہنس کر کہا اور ریسیپشن تک گ ئے۔ وہ مناہل والے واقعے کو دماغ سے نہیں نکال پائے تھے۔

بُکینگ افضل نے کروائی تھی، اُنہوں نے کنفرم کیا اور عُمائمہ کو جانے کا کہا۔

''جاؤ بیٹا، دیکھو اندر وہ سب ہیں تو مجھے بتاؤ، پھر میں جاؤں۔''

وہ اندر آئی تو اُسے سب سے پہلے مناہل نظر آئی۔ وہ آدھا ادھورا میک اپ کیے، اپنے ہاتھ میں شیڈز پیلیٹ اُٹھائے، بیوٹیشن کو کچھ سمجھا رہی تھی۔ ہماری سمجھدار مناہل۔

''مناہل!'' عُمائمہ نے دور سے آواز دی۔

مناہل نے چونک کر گردن اُٹھائی اور پھر گرد و نواح کی پرواہ کیے بغیر ایک چیخ ماری اور پھر اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ ارد گرد بیٹھی عورتوں نے بھی مڑ کر اُسکا یہ مظاہرہ دیکھا۔

''تم نے کتنی دیر لگادی بد تمیز!'' اپنے کپڑوں اور اُن نظروں کی پرواہ کیے بغیر وہ اُس سے گلے ملی۔

''اچھا اب بس کرو، یہ لوگ ہمیں باہر نکال دینے والی نظروں سے گھور رہے ہیں۔'' عُمائمہ نے مُسکراتے ہوئے آنکھیں نکالیں۔

''آؤ ڈیڈ کو بتا آئیں۔'' اُسے لیکر باہر کو لپکی۔

''میرے اللہ ! یہ مناہل ہے ؟'' نبیل نے اُسے دیکھتے ہی کہا۔ وہ آدھے میک اپ میں کوئی سفید بھوت لگ رہی تھی۔

''جی انکل۔'' مناہل کھسیانا سا ہنسی۔

''ڈیڈ اب ہو گئی تسلی ؟'' عُمائمہ نے مُسکرا کر کہا۔

''بھئی مجھے کیا پتا اِس پوڈر کے پیچھے مناہل ہی ہے۔'' اُنہوں نے کندھے اُچکائے، تقریباً ایک منٹ تک تو اُنکی کھلکھلاہٹیں وہاں گونجیں۔

''ٹھیک ہے میرے بچو، دھیان سے۔'' کہہ کر اُنہوں نے دونوں کے سر پر پیار دیا اور چل دیئے۔ وہ دونوں بھی اندر کو مڑ گئیں۔

''ہاجرہ آپی کہاں ہیں ؟'' عُمائمہ نے سرگوشی کی۔

''وہ الگ روم میں ہیں۔'' اُنکی سرگوشیاں بھی اب مدھم ہوتی جارہی تھیں۔

※※※

''میں آگیا ہوں!''نبیل نے بلاوجہ ہی گیٹ سے اندر آتے ہی نعرہ لگایا۔

چوکیدار جو اُنکے بیگز گھسیٹ کر لا رہا تھا،اُنہیں دیکھ کر ہنسا۔

''آگیا تمہارا پاگل۔''بجّو اماں اپنے کمرے میں بیٹھیں رعناء سے میک اپ کروا رہی تھیں۔اُنکی بات پر رعناء ہنسیں۔

''نبیل میاں!''اوپر چھت پر کھڑے سُہیل نے بھی انکی ہی طرح نعرہ لگایا۔اولاد کی خوشیاں اکثر ماں باپ کو شوخ بنا دیتی ہیں۔

''السلام علیکم انکل!''اندر سے آنے والا اسفند تھا۔

''وعلیکم السلام!کیسے ہو؟''اُنہوں نے اسکا شانہ تھپکا۔وہ مُسکرایا اور اپنی خیریت بتائی۔

''اوپر ہی آجاؤ سب!''سُہیل نے ایک اور نعرہ نما آواز لگائی۔

ضروری نہیں کہ ہر بار صرف اولاد ہی ماں باپ کی خوشی کا باعث ہوں، کئی بار ہمارے خون کے جُڑے ہوئے رشتے، ہمارے دلوں کے چُنے ہوئے رشتوں سے زیادہ مضبوط اور خوبصورت ہوتے ہیں۔

※ ※ ※

آدھا دن گزر گیا تھا اور ابھی آدھا باقی تھا۔ وہ سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ کوئی تیار ہو رہا تھا تو کوئی تیار کر رہا تھا۔ بھلا فنکشن والے گھروں کے کام کب پورے ہوا کرتے ہیں؟ ایسے میں اسماعیل فون کان کو لگائے اپنے کمرے سے نکلا۔ وہ عجیب شکلیں بناتا کچھ بڑبڑا بھی رہا تھا۔ بجو اماں جو اب تیار ہو کر ٹی وی لاؤنج میں ہی بیٹھی تھیں اُسے غور سے دیکھ رہی تھیں۔

''ابھی تک تیار کیوں نہیں ہوا؟'' اُنکی آواز پر وہ متوجہ ہوا۔

''بجو اماں ساری چلی گئی ہیں، میرے کپڑے کہاں ہیں؟ میری کوئی بھی چیز نہیں مل رہی مجھے۔'' وہ

فون اُسی طرح لگائے اُنکے پاس آ گیا۔

''اوپر سے ہاجرہ آپی فون بھی نہیں اُٹھا رہیں۔'' وہ جُھنجھلایا ہوا تھا۔

''کیوں نہیں اُٹھا رہا ہمارے اسماعیل کا فون؟'' اسفند جو سیڑھیاں اُترتا آ رہا تھا، اُسکے جملے میں لُقمہ لگایا

اور پھر اماں پر نظر پڑی۔

“Oh My God!“

''دیکھو تو زرا!'' وہ بے اختیار اُنکی طرف گیا اور اُنکے گھٹنوں کے پاس ہی نیچے بیٹھ گیا۔ وہ خود بھی ابھی

تک صبح والے لباس میں ہی ملبوس تھا، کوٹ اُتار رکھا تھا اور سلیوز کُہنیوں تک موڑ رکھے تھے۔

''کس پر قہر ڈھانے کا ارادہ ہے آپکا؟'' مُسکراہٹ دبائے کہا۔ اُسکے جملے پر پاس کھڑا اسماعیل بھی ہنسا۔

''پرے ہٹ بدتمیز!'' اماں نے ہاتھ چھڑا کر اُسکے کندھے پر مارا۔

''ہاں تو دیکھیں نا، سہی ہی تو کہہ رہے ہیں اسفند بھائی۔''اسماعیل نے مُسکراتے ہوئے ہر لفظ کو کھینچا۔

''لال جوڑا، آدھ کھُلے بال، فُل میک اپ! پھپھو نے تو کمال ہی کر دیا بھئی۔''اسفند کا لہجہ شوخ تھا۔

''بے شرمو! شرم نہیں آتی اپنی دادی کو چھیڑتے ہوئے۔''بجو اماں کا سفید چہرہ سُرخی کی نظر ہوا۔

''اماں ہم تو تعریف کر رہے ہیں۔''اُس نے اسماعیل کو دیکھ کر آنکھ دبائی۔

''ہاں تو اور کیا؟ اماں دکھائیں تو، دوسری شادی کی لکیر ہے کہ نہیں؟''اسماعیل بھی اُسکے ساتھ ہی بجو اماں کے پاؤں میں بیٹھ گیا۔

''استغفرُاللہ! استغفرُاللہ! چلو نکلو یہاں سے! بے شرم!''اُنہوں نے دونوں کو کندھوں سے پیچھے دھکیلا۔وہ دونوں وہیں بیٹھے ہنسنے لگے۔

''بجو اماں! مہمان۔۔۔''عدیل جو لاؤنج میں اُنہیں اوپر لے جانے کیلئے آرہا تھا دور سے اُن سب کو ہنستے دیکھ کر رُکا، بے اختیار اُسکے لبوں پر مُسکراہٹ دَر آئی۔

زندگی میں بعض مناظر ایسے ہوتے ہیں جنہیں انسان ہمیشہ کیلئے اپنے سامنے دیکھنا چاہتا ہے، لیکن وہ منظر صرف آنکھ کی گہرائی میں ہی قید ہو سکتے ہیں۔

اُنہیں وہیں چھوڑے وہ رعناء کے کمرے کی طرف مڑ گیا۔

"ہاں آجاؤ!" دروازہ کھٹکھٹانے پر رعناء کا مصروف لہجہ سُنائی دیا۔

"پھپھو آجائیں اوپر، مہمان آنا شروع ہو گئے ہیں۔" عدیل نے مُسکرا کر کہا۔

"بھئی اُن سب کو کس نے کہا تھا کہ اتنی جلدی آئیں، میں اکیلی اب کیا کیا کروں، ایک تو یہ منحوس لائنیز، دو بار لگا چکی ہوں مجال ہے جو سہی لگے۔" وہ اپنا دوپٹہ بیڈ پر پھیلائے، اپنا سارا میک اپ ڈریسنگ ٹیبل پر جمائے، ایک بار پھر لائینز لگانے کی ناکام کوشش کر رہی تھیں۔

رعناء کی بات پر عدیل ہنسا۔

''یہاں اتنا سنگین مسئلہ چل رہا ہے اور تم ہنس رہے ہو؟'' مڑ کر اُسے گھورا، عدیل نے مُسکراہٹ سمیٹی۔

''پھپھو اسماعیل کو لائیز لگانا آتا ہے۔'' جھک کر بولا، البتہ مُسکراہٹ دبائے رکھی۔

رعناء کی آنکھیں چمکیں۔

''ہیں؟ سچ؟ اُسکو کیسے آتا ہے؟'' وہ واقعی حیران تھیں۔

''مناہل اور ہاجرہ آپی کا کمال ہے۔'' عدیل نے کندھے اُچکائے اور باہر کا راستہ دکھایا۔

''کہاں ہے وہ؟'' رعناء لائیز ہاتھ میں پکڑے ہی اُسکے ساتھ ہولیں۔

''اسماعیل!'' لاؤنج میں آکر نعرہ لگایا۔

''کیا ہو گیا پھپھو؟'' اسماعیل اور اسفندیار بجو اماں کو لے کر لاؤنج سے باہر جا رہے تھے۔

''یہاں آؤ تم، کتنے چھُپے رُستم ہو تم!''اسماعیل نے حیرانگی سے دیکھا، پھر پیچھے آتے عدیل پر نظر پڑی۔

''اب کیا پتہ چل گیا ہے آپکو میرے بارے میں۔''

اُسے پورا یقین تھا کہ عدیل نے کوئی اچھا کام تو بتایا نہیں ہوگا۔

''تمہیں لائینز لگانا آتا ہے نا؟''رعناء نے ہاتھ میں پکڑا لائینز اُسکے آگے کیا۔

اُن دونوں سمیت بجو اماں بھی کھسیانی ہنسی ہنسیں۔اسماعیل نے منہ بنایا۔

''پھپھو مجھے سہی نہیں لگانا آتا، بس گزارے لائق ہی، اپنے رِسک پر لگوانا ہے تو لگوالیں۔''اسماعیل نے کندھے اُچکائے اور لائینز اُنکے ہاتھ سے لے لیا۔

''کوئی رسک والی بات نہیں ہے، بالکل ٹھیک دونوں آنکھوں پر ایک جیسا لگانا ہے، ورنہ مجھے جانتے ہو نا!''رعناء نے آنکھیں نکالیں۔

''رعناءاِسکو نہیں لگانا آتا۔''بجو اماں نے ہنس کر کہا۔

''پھپھو ایک باراِس نے مناہل کو لگایا تھااور پھر مناہل نے خود کو دیکھ کر ایسی دردناک چیخ ماری تھی کہ للہ معاف ہی کریں۔''اسفند نے کانوں کو چھوااور شکل بگاڑی۔

''بالکل پھپھو، میں گواہ ہوں۔''عدیل نے بھی اُکسایا۔رعناء نے اسماعیل کو دیکھاوہ ضبط سے اُنہیں گھور رہا تھا۔

''پھپھو آپ آئیں، دیکھتے ہیں پھر آج اُن لڑکیوں کالائیز اچھا ہو گا یا پھر آپکا۔''اُس نے رعناء کا بازو تھامااور اندر کی طرف مڑ گیا۔

عدیل، اسفند اور بجو اماں کی ہنسی اُس نے کمرے کے دروازے تک سُنیں۔

※ ※ ※

''رعناء میرے کپڑے نکال دو بیگ میں سے۔''

اسماعیل ابھی لائیز لگانا شروع ہی کرنے لگا تھا کہ نبیل نے آکر نعرہ لگایا۔

دونوں نے بُرا سا منہ بنایا۔

''بیٹھ جاؤ تم یہیں پر، بھاگنا مت!''اُسے آنکھیں نکالتی رعناء اُٹھ کر بیگز کھولنے لگیں۔

''یااللہ! کہاں پھنسادیا مجھے عدیل بھائی نے!''وہ خود سے بڑبڑایا اور بیڈ پر ڈھیر ہو گیا۔

※ ※ ※

لان کے ایک کونے سے اوپر چھت پر جاتی سیڑھیاں بھی سُرخ رنگ کے قالین سے سجی تھیں۔ ہوا میں اب گلاب کی پتیوں کی خوشبو بھی شامل تھی۔ وہ دونوں بجواماں کو اوپر چھوڑے اب اپنے اپنے کمروں میں تیار ہونے چلے گئے تھے۔

''اسفندیار جلدی کرو! ٹائم دیکھو۔''کافی دیر گزرنے کے بعد وہ اسفند کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آیا۔

''ہاں بس آگیا۔'' وہ اپنے بالوں کو جیل سے سیٹ کرتا، اپنے آپ پر آخری نظر ڈالتا مڑا۔

''لو پہنو۔'' اُس نے کوٹ سٹینڈ سے اُسکی واسکٹ اُٹھا کر اُسکی طرف بڑھائی۔ اسفند مُسکرایا اور سُرخ رنگ کی کام والی واسکٹ پہننے لگا۔

''چابیاں اُٹھا لینا، جلدی آجاؤ۔'' کہتا ہوا عدیل باہر نکل گیا۔

''ہاں یار، آج بھلا میں کچھ بھول سکتا ہوں۔'' وہ چابیاں اُٹھاتا بڑبڑایا اور پھر پرفیوم کی شیشی اُٹھا کر اپنے اوپر چھڑکی۔ یک دَم ہی سارے میں خوشبو پھیل گئی۔ وہ مُسکرایا اور باہر کی طرف بڑھ گیا۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' نیچے لاؤنج سے گزرتے ہوئے اُسکی نظر کچن میں کھڑے اسماعیل پر پڑی۔

''شش! اسفند بھائی بڑی مشکل سے پھپھو سے جان چھڑا کر بھاگ کر آیا ہوں، میں نے صبح سے کچھ نہیں کھایا، ابھی وہ چڑیلیں آجئینگی پھر کچھ نہیں کھانے ہو گا۔'' آخری جملہ بڑبڑاہٹ میں کہتا وہ اوون میں سے کھانا نکالنے لگا۔

''کوئی حال نہیں تمہارا۔'' کہتا ہوا وہ باہر نکل گیا۔

''تم نبیل انکل کی لینڈ کروزر لے کر جاؤ گے!'' عدیل نے چابی اُسکی طرف اُچھالی، اسفند نے چابی بروقت کیچ کی۔

''مزاق مت کرو یار۔'' وہ ہنسا۔

''میں مزاق نہیں کر رہا، چلو۔'' اُس نے دونوں ابرو اُچکائیں۔ اسفند نے بھی کندھے اُچکائے ''کیا واقعی؟''

''نا بھئی میرے لیے میری سپورٹیج ہی لیموزین بھی ہے اور لینڈ کروزر بھی، یہ تم ہی چلاؤ۔'' چابی واپس اُسکے ہاتھ میں تھمائی۔

''توبہ ہے یار، کتنے ڈرپوک ہو۔'' وہ ہنسا۔

''ارے بھئی لینڈ کروزر سے کون ڈرتا ہے؟ ہم اپنی پھپھو سے ڈرتے ہیں۔''اسفند نے ایک آنکھ دبائی

اور پھر اُن دونوں کے قہقہے وہاں گونجے۔

※※※

عدیل اُن سب کو لینے اندر گیا تھا جبکہ اسفند باہر پارکینگ میں ہی کھڑا تھا۔سب سے پہلے آصفہ اور

شائستہ چمچماتے حُلیوں میں باہر آئیں اور اُنکے ساتھ ہی سُنہری روپ میں ایک بڑی چادر میں ڈھکی

جھلملاتی ہوئی دُلہن۔ہاجرہ عباسی۔

اُس نے زمین کو چھوتی لمبی سُنہری میکسی پہنی تھی۔پورے لباس پر سُنہری ہی کام کیا گیا تھا۔

موتیوں پر پڑنے والی سورج کی روشنی پر آنکھیں خیرہ ہو رہی تھیں۔

آصفہ اور شائستہ اپنے لباس کے ساتھ ساتھ اُسکے لباس کو بھی سنبھالتی آگے آئیں،اسفند نے ماں کا ہاتھ تھامااور اُنہیں گاڑی تک پہنچایا۔وہ ہٹیں تو اسفند نے منتظر سی نگاہیں دوبارہ وہیں پھیریں۔اب کے اندر سے آنے والا عدیل تھا۔وہ اُن سب کے بیگز تھامے،تقریباً چیزوں سے لدا ہوا تھا۔

اسفند جو اپنی گاڑی کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا تھا،اُسے اِس طرح دیکھ کر ہنسااور پھر آگے بڑھ کر اُس سے چیزیں پکڑیں۔وہ اپنی گاڑی کی طرف چلا گیا۔

اب کے آمنہ اور جویریہ،عُمائمہ کا بیگ گھسیٹتی باہر آئیں اور اسفند کو دیکھ کر مزید کھلکھلائیں۔وہ دونوں فرشتوں سی معصومیت لیئے آگے آئیں۔اسفند نے اُن سے بیگ پکڑے اور اُنہیں عدیل کے حوالے کیا۔عدیل کی گاڑی بھر چُکی تھی۔اگلی سواریاں اب اسفند کی تھیں۔اور وہ پورے وثوق سے کہہ سکتا تھا کہ اُس کے دل کے دھڑکنے کی آواز باہر بھی سُنائی دے رہی تھی۔

اسفند نے اُسکا بیگ سیدھا کر کے اپنی گاڑی کی طرف دھکیلا اور پھر گردن اُٹھائی۔ نظریں بس یونہی دروازے کی طرف گئیں۔ اور اُسے لگا کہ وہ اپنی نظریں واپس نہیں موڑ سکتا تھا۔

وہ اپنے گہرے سُرخ دوپٹے سے اُلجھتی باہر نکلی، کچھ سیکینڈز تک اُلجھنے کے بعد اُس نے دوپٹہ کمر سے گزار کر دونوں بازؤں میں ڈال لیا۔ وہ مکمل طور پر سُرخ رنگ کا سراپا تھی۔ ڈھیلا سا تراشیدہ جوڑا بنائے، جس کی ہر ایک لِٹ کو بڑی مہارت سے جوڑے میں سے نکال کر سیٹ کیا گیا تھا۔ دو لٹیں جھولتی ہوئی گالوں کو چھو رہی تھیں۔

اُسکی توجہ اپنے دوپٹے سے ہٹی تو اُسے دھوپ کا احساس ہوا، سُرخ چوڑیوں سے بھرا ہاتھ اٹھا کر اُس نے آنکھوں کے آگے چھجہ بنایا اور اسفند کی طرف دیکھا۔ دھوپ کی وجہ سے جو آنکھیں سُنہری لگ رہی تھیں اب پھر سے ہلکی کالی لگنے لگی تھیں۔ اسفند نے وہاں کھڑے دیکھا کہ اُسکے چہرے کی چمک ایک سیکینڈ میں دوگنی ہوئی تھی۔ پھر وہ مُسکرادی۔ وہ مکمل مسمرائزڈ تھا۔

''لاؤ مجھے پکڑاؤ بیگ۔''عدیل نے اُسکا کندھا ہلایا۔

''ہاں ؟۔۔۔کیا ہوا؟''ہڑبڑا کر مڑا۔عدیل حیران ہوا۔

''کیا ہو گیا بھئی،گھبرا کیوں رہے ہو؟بیگ دو رکھوں گاڑی میں۔''کہہ کر بیگ اُس سے لے لیا۔

اسفند نے بیگ تھمایا اور واپس عُمائمہ کی طرف دیکھا۔اب اندر سے مناہل اور عائشہ بھی نکل کر اُسکے ساتھ ہی کھڑی تھیں۔مناہل نے دور سے اُسے دیکھ کر ہاتھ ہلایا اور مُسکرائی۔اسفند نے خود کو کمپوز کیا اور اُسے ویو بیک کیا اور مُسکرایا۔

وہ تینوں اب کھلکھلاتی ہوئیں،پہلوؤں سے اپنے لباس اُٹھاتیں آگے آرہی تھیں۔

''اِن سب کا تو جہان ہی بدل دیا ہے پارلر والیوں نے۔''عدیل جو بیگ رکھ کر واپس آرہا تھا،اُنہیں دیکھ کر کہا۔

''واقعی!''اُس نے گہرا سانس لے کر اپنی نظریں ہٹائیں،حالانکہ یہ ایک مشکل کام تھا۔

''السلام علیکم!''تینوں نے یک زبان کہا۔

''وعلیکم السلام!''وہ دونوں بھی مُسکرائے۔

''ہم کیسی لگ رہی ہیں۔''یہ عاشہ تھیں۔

''بہت بہت خوبصورت!''یہ ہمارے اسفند ہیں۔اُس نے مناہل کا ہاتھ پکڑ کر اُسے گھُمایا،وہ قہقہہ لگا کر ہنسی اور گھوم گئی۔لمبی ہلکے ہرے رنگ کی فراک اُسکے گرد پھیلتی چلی گئی۔وہ سب ہنسے۔

''ہاجرہ آپی کو دیکھا؟''عائشہ نے پوچھا۔

''نہیں،اُنہوں نے اتنی بڑی تو چادر لے رکھی ہے۔''یہ عدیل ہیں۔

''عدیل بھائی،وہ چادر کے بغیر بھی خود کو دیکھنے نہیں دے رہیں،کہہ رہی ہیں نکاح کے بعد ہی گھونگھٹ اُٹھائینگی۔''عُمائمہ نے مسکرا کر کہا۔

''ہاں اب ہم کچھ نہیں کر سکتے۔''عائشہ نے کندھے اُچکائے۔

www.novelsclubb.com

''اب لیٹ نہیں ہو رہے تم لوگ!''آصفہ نے گاڑی میں سے باہر لٹک کر کہا۔

''آ رہے ہیں!''

وہ سب ہی گاڑیوں کی طرف بڑھنے لگے۔

اسفند نے اپنی گاڑی کا دروازہ کھولا اور مناہل کے آگے سر کو خَم دیا۔ مناہل مُسکرائی اور اپنی فراک سنبھالتی اندر بیٹھ گئی، اور اِسی طرح عائشہ بھی۔

عُمائمہ کی دفعہ اسفند نے پچھلا دروازہ بند کیا اور فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا۔ اُسی طرح سر کو خَم دے کر ایک ہاتھ اپنے سینے پر رکھا۔ عُمائمہ نے ایک نظر اُسکے جھکے ہوئے سر کو دیکھا اور پھر اُسکے انداز کو۔ آنکھوں میں خوشی اور نمی کے ملے جُلے تاثرات اُبھرے۔

پھر اسفند نے اُسی جھکے سر کے ساتھ نظریں اُٹھا کر دیکھا۔ اُن نظروں میں محبت تھی، خوبصورتی تھی اور سب سے حسین جذبہ ''عزت'' کا تھا۔

عُمائمہ مُسکرا دی۔وہ بھی مُسکرایا۔اور پھر محبت تو وہی ہوتی ہے جو الفاظ کی محتاج نہ ہو۔

عُمائمہ نے اپنی کامدار فراک اُٹھائی اور گاڑی میں سوار ہو گئی۔اسفند نے نرمی سے اُسکے سارے لباس کے کونے اچھی طرح اندر سمیٹے اور دروازہ بند کر کے سامنے سے گھوم کر اپنی طرف کے دروازے تک آگیا۔

اندر بیٹھی مناہل سارے منظر کو دیکھ کر ہنس دی۔بھلا وہ کونسی بہنیں ہوتی ہیں جو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز بھائیوں کی خوشیوں میں خوش نہیں ہوتیں۔

دونوں گاڑیوں نے گھر پہنچ کر ایک زوردار ہارن بجایا۔

"آگئے میرے بچے!"بجو اماں چھت پر اپنے تخت پر ہی بیٹھی تھیں۔

"اب آپ نے نیچے جانا ہو گا۔"افضل جو اُنکے ساتھ ہی بیٹھے تھے ہنس کر کہا۔

"نہیں اب وہ سب اوپر ہی آجائینگے،اتنی زیادہ سیڑھیاں ہیں بار بار نہیں جایا جاتا۔"

''طبیعت ٹھیک ہے نا آپکی؟'' افضل نے تشویش سے پوچھا، اُنکا خیال تھا کہ وہ ہاجرہ کو تو دیکھنے خود جائینگی۔

''ہاں ٹھیک ہے طبیعت، مجھے کیا ہونا ہے بھلا؟'' وہ اپنی جون میں واپس آئیں۔

''پکی بات ہے نا؟'' اب اُنہوں نے چھیڑا، ''نظر تو نہیں لگ گئی؟'' مُسکراہٹ دبائی۔

''ابھی تو فوزیہ نہیں آئی، نظر کیسے لگے گی؟'' منہ پھُلایا۔ افضل ہنسے۔

''چلی ہی نا جاؤں؟'' تجسس تو اُنہیں بھی ہو رہا تھا۔

''بیٹھی رہیں آرام سے، تھک جائینگی۔''

گاڑی کی آواز سُن کر رعناء اور نبیل بھی پورچ میں آگئے تھے۔ عدیل کی گاڑی آگے تھی۔ آصفہ اور شائستہ پہلے اُتریں اور ہاجرہ کا ہاتھ تھاما۔

رعناء آگے بڑھیں اور اُسکے گرد بازو پھیلا کر اُسکے کان میں سر گوشی کی اور پھر وہ دونوں ہنس دیں۔ وہ اسے لے کر اب لاؤنج کی سیڑھیاں چڑھ رہی تھیں۔ اسفند کی گاڑی سے ابھی وہ لوگ اُترنے لگی تھیں۔ اسفند نے پہلے مناہل والی سائیڈ کا دروازہ کھولا اور پھر تیزی سے چلتا وہ عُمائمہ کی طرف بڑھا۔ وہ دونوں ساتھ کھڑے ہوتے تھے تو مکمل لگتے تھے۔ مناہل نے اِس بات کو دل سے تسلیم کیا تھا۔ وہ تینوں لڑکیاں ایک جیسے لباس میں ملبوس تھیں بس رنگوں کا فرق تھا۔ عُمائمہ سُرخ، مناہل ہلکے ہرے رنگ اور عائشہ گلابی رنگ میں ملبوس تھی۔ وہ لڑکے سفید کُرتے شلوار کے ساتھ سُرخ کا مدار واسکٹ میں ملبوس تھے۔

''مناہل! منا۔۔۔''اسماعیل اندر سے تقریباً بھاگتا ہوا آیا اور اُنہیں دیکھ کر تو جیسے اُسکا منہ کھلا کا کھلا ہی رہ گیا، الفاظ منہ میں ہی رہ گئے۔ قدم قدم چلتا اُن تک آیا۔

اُسکی آواز پر سب نے گردن اُٹھا کر دیکھا، مناہل نے مُسکرا کر آبرو اُچکائیں اور دونوں پہلوؤں سے اپنی فراک اُٹھائی۔ تھوڑی دیر کیلئے اسماعیل کا دل دھڑکنا بھول گیا اور اُس نے اعتراف کیا کہ اُس نے اِس سے زیادہ خوبصورت منظر پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ منہ ہنوز کھلا ہوا تھا۔

''منہ تو بند کرلو اسماعیل!''عدیل نے شرارت سے کہا۔

''عدیل بھائی میں شاید خواب دیکھ رہا ہوں۔''کھوئے ہوئے لہجے میں کہا۔ نظریں ابھی تک مناہل پر ہی تھیں۔

''نہیں یہ حقیقت ہے، خوبصورت حقیقت!''اسفند جو عُمائمہ کے ساتھ ہی کھڑا تھا، گردن جھکائے ہی کہا۔اُس نے چونک کر گردن اُٹھائی۔ وہ واقعی حیران تھی، وہ اسفند کے دل و دماغ پر اتنی زیادہ اثر انداز ہو چکی تھی، یہ بات وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔

''نہیں بھئی، یہ ''دھوکہ'' ہے، نظر کا دھوکہ، جو پارلر والیوں کا کمال ہے۔''عدیل نے ہنس کر اُس کے کندھے کو جھٹکا دیا۔ وہ اُس کے سحر سے جاگا۔

''ہمیں دیکھ کر تمہارا یہ حال ہے تو ہاجرہ آپی کو دیکھ کر کیا ہو گا؟''مناہل نے اُسے مکمل طور پر نظر انداز کیا، وہ اُس کی نظریں اپنے اوپر محسوس کر سکتی تھی۔ دل بس باہر آنے کو تھا۔

اسماعیل کے اِس روپ سے اُسے سب سے زیادہ ڈر لگتا تھا۔ نا جانے کیوں؟ ہم اکثر کچھ باتیں کسی کے سامنے تو دور کی بات، خود اپنے ساتھ بھی نہیں کرتے۔ اسماعیل سے محبت بھی مناہل کیلئے ایک ایسی ہی بات تھی۔

''تب تک تو ہم عادی ہو جائینگے، اتنا بُرا حال تو ویسے نہیں ہو گا۔''اُسی طرح مناہل کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''چلو اب بس کرو، زیادہ ڈرامے نہ کرو!''اسفند نے اُسے ٹوکا۔ مناہل کو اور زیادہ ڈر لگا۔

''پھپھو کا لائنز لگ گیا؟''عدیل ہنسا۔

''مام کالائیز؟کون لگارہاتھا؟اسماعیل؟''عُمائمہ نے اچھنبے سے دیکھا۔

''ہائے!''اُس نے اپنا سر پیٹا۔

''اُسی کیل ئے توبُلانے آیا تھامناہل کو،یار خداکاواسطہ ہے پھپھو کولائیز لگادو،وہ صبح سے میرے پیچھے پڑی ہوئی ہیں۔''وہ اور تھوڑی دیر میں ہاتھ جوڑنے والا تھابس۔

لمحے لگے تھے اُسے واپس اپنی جون میں آنے میں۔وہ سب اُسکے اتنی جلدی بدلتے تاثر پر ہنس دی ئے۔وہ ایسا ہی تھا۔اُسکے ہر جذبے میں زیادتی تھی۔محبت ہے تو حد سے زیادہ،مذاق ہے تو حد سے زیادہ،لیکن وہ خود بھی نہیں جانتا تھا کہ اُس میں نفرت بھی حد سے زیادہ ہے۔کیونکہ نفرت تو اُس نے ابھی تک کی ہی نہیں تھی۔

''اُنہیں کس نے بتایا کہ تمھیں لائیز لگانا آتا ہے؟''وہ لوگ اب اندر جانے لگے تھے۔

''اِن دونوں نے!''اُس نے عدیل اور اسفند کی طرف اشارہ کیا۔

www.novelsclubb.com

''میں نے کب بتایا؟عدیل نے بتایا تھا۔''اسفند نے دُنیا بھر کی حیرانگی اپنے چہرے پر طاری کی۔

''ہاں تو میں نے کونسا جھوٹ بولا تھا۔''اُنکی آوازیں اور قہقہے اب مدھم ہوتے جارہے تھے۔

※※※

''مام کیا آپ مجھے بھول گئی ہیں؟''

رعناء اب بالآخر مناہل سے لائینز لگوا رہی تھیں جب عُمائمہ نے شکوہ کیا۔

''ہاں تو اور کیا! بھلا اُنکے پاس مناہل ہے اُنہیں اور کیا چاہیئے، کیوں پھپھو!''لائینز چھوڑ کر نادیدہ کالر جھاڑا۔

وہ بند آنکھوں سے مُسکرائیں۔

''للہ! مام سچ میں آپکو میری کافی بھی نہیں یاد آئی؟''وہ اب چلتی ہوئی شیشے کے آگے کھڑی ہو گئی۔

''نہ! اُسکے لیئے اسفند بھائی ہیں نا!''مناہل نے اُنکے بند آنکھوں پر برش پھیرتے ہوئے کہا۔

''ارے بھئی، میں نے بہت مِس کیا،اِن فیکٹ ہم سب نے بہت مِس کیا۔''لائیز پورا ہوا تو اُنہوں نے اُسکی طرف رُخ کیا۔

''اور میں کیسی لگ رہی ہوں؟''وہ مزید اِترائی۔

''بہت خوبصورت ماشاءاللہ! نظر نہ لگے میری بیٹی کو۔''وہ ہنسیں۔

''پھپھو یہ کچھ زیادہ ہی ہو گیا ہے ویسے۔''مناہل نے لائیز بند کر کے رکھا۔

''آہاں! اچھا؟''عُمائمہ نے بھنویں اُچکائیں۔وہ کھلکھلائی۔

''چلو اب جاؤ،ہاجرہ کو بھی دیکھو میں اوپر جا رہی ہوں۔''کہہ کر وہ اُٹھ گئیں۔

اُن دونوں کی آنکھیں چمکیں۔ہاجرہ سے تو ابھی اُنہوں نے نمٹنا تھا۔

※※※

کالی شیروانی کے اوپر سُنہری کام دور سے ہی دَمک رہا تھا۔وہ اپنے آپ کو آئینے میں دیکھتا مُسکرا رہا تھا۔

اُسکی نظروں نے آئینے میں نظر آنے والے عکس کا تعاقُب کیا،فوزیہ بالکل اُسکے کندھے کے ساتھ

کھڑی اُسکا کالر ٹھیک کر رہی تھیں۔وہ مُسکرا نہیں رہی تھیں۔سنجیدہ سا چہرہ لیے بس کسی مشین کی

طرح اُسے تیار کر رہی تھیں۔سیف کی مُسکراہٹ اُنہیں دیکھ کر سِمٹی۔وہ ایک گہرا سانس لے کر

مڑا۔فوزیہ بیگم نے چونک کر دیکھا۔

''امی۔''اُس نے نرمی سے اُنکے ہاتھ تھامے۔

''سیف مجھے پتہ ہے تم کیا کہو گے۔''اُنہوں نے ہاتھ چھڑالیے۔

''تو پھر آپ مان کیوں نہیں رہیں۔''لہجہ ابھی بھی ملتجی سا تھا۔

''مان تو گئی ہوں،ورنہ یہاں ہوتی۔''اُنہوں نے کندھے اُچکائے،لہجے میں طنز کا عنصر نمایاں تھا۔

''تو پھر خوش کیوں نہیں ہیں؟''سیف نے پھر سے ہاتھ تھاما۔

''بھلا میں اپنے بیٹے کی شادی پر خوش کیوں نہیں ہو نگی؟''اُنہوں نے بات کرتے ہوئے اپنا دوسرا ہاتھ سیف کے ہاتھ پر رکھا،پل بھر کیلئے سیف کی آنکھیں چمکیں۔

''وہ اکلوتا بیٹا جس نے مجھے دھمکی دی ہے کہ اگر میں نکاح میں نہیں جاؤنگی تو اُسے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔''ایک جھٹکے سے اُنہوں سیف کے ہاتھوں میں سے ہاتھ نکالا۔

''تو کیا سمجھتے ہو مجھے خوشی ہو گی؟''لہجہ زہر خُندہ تھا۔

''امی میں تو بس آپکو سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔''سیف کو اُنکے بدلتے تاثرات پر صدمہ ہوا۔

''ہاں بیٹا تم سمجھا ہی تو رہے تھے۔تم یہ بھی سمجھا گئے کہ کوئی بھی دو ٹکے کی لڑکی آئے گی اور وہ ایک جوان اولاد کو اپنی ماں کے سامنے کھڑا ہونے پر مجبور کر دے گی۔''اُنکے لہجے کی کاٹ سے سیف کو تکلیف ہوئی۔

''چلو اب اپنا دن مت خراب کرو۔''لہجہ یکدم بدلہ،''ہاجرہ اور اُسکے گھر والے ہمارا انتظار کر رہے ہونگے، تم تو جانتے ہو نا لڑکے والے دیر کریں تو لڑکی والوں کو کیسی کیسی باتیں سُننے کو ملتی ہیں۔''

اب کے مُسکرا کر اُسکا گال تھپکا۔

اُسکی آنکھیں ضبط سے سُرخ ہو رہی تھیں۔

''ایک بات یاد رکھنا،'' وہ دروازے تک جاتی جاتی مڑیں،''اُس لڑکی کو اِس گھر میں تو میں ہرگز برداشت نہیں کرونگی، شادی تم جب بھی کرو، اُسے لے کر اپنے اسلام آباد والے گھر میں شفٹ ہو جانا۔''کہہ کر وہ رُکی نہیں، دروازہ کھول کر باہر نکل گئیں۔

سیف نے نگاہیں واپس موڑیں اور آئینے میں دیکھا۔اب کے اُسکا عکس خوشی سے خالی تھا۔ کبھی کبھی چھوٹی چھوٹی باتیں، اتنی بڑی بڑی نفرت کا باعث بن جاتی ہیں کہ ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔

※※※

''بھئ تمہارا نکاح ہے تم مُسکرا کیوں نہیں رہے؟''ریاض نے ہنس کر ڈرائیو کرتے سیف کا کندھا ہلایا۔

''اب میں ڈرائیو کرتے ہوئے ناچ نہیں سکتا اور نہ ہی قہقہے لگا سکتا ہوں۔''سنجیدگی سے جواب دیا۔

گاڑی میں چند لمحے خاموشی چھا گئی۔ریاض نے مڑ کر فوزیہ کو دیکھا،وہ سکون سے شیشے سے باہر دیکھ رہی تھیں۔

''ارے یار یہاں بیٹھ کر ناچنے کو کون کہہ رہا ہے،بس ایسی شکل تو نہ بناؤنا،تھوڑا مُسکراؤ کیا ہو گیا ہے؟''اُنہوں نے دوبارہ کوشش کی۔

''آپ امی سے پوچھ لیں کیا ہوا ہے۔''وہی لہجہ برقرار رہا۔

ریاض نے اب کی بار فوزیہ کو آواز دے کر متوجہ کیا اور اشاروں سے ''کیا ہوا؟''پوچھا۔

فوزیہ نے بھی کندھے اُچکائے،جیسے اُنہیں تو پتہ ہی نہیں تھا نا۔

''کیا ہاجرہ نے کچھ کہا ہے؟'' ریاض نے پھر سوال کیا۔

اور یہ بات جیسے اُسکے لیٔے آخری حد ثابت ہوئی، ایک جھٹکے سے گاڑی موڑی اور سڑک کنارے بریک لگائی۔ فوزیہ نے ہڑبڑا کر اُسے دیکھا۔

''کیا آپ لوگوں نے ہاجرہ کو اتنا گھٹیا سمجھ رکھا ہے کہ وہ نکاح سے پہلے مجھ سے باتیں کرے گی؟''

وہ تقریباً چِلاّیا۔

''آپ میری مرضی سے یہ رشتہ لے کر گئی تھیں، ہاجرہ نے سوچ سمجھ کر ہاں کی تھی۔ میں اُس سے محبت کرتا ہوں۔ وہ تو نہیں کرتی۔ یا اگر کرتی بھی ہو تو میں نے آج تک اُس سے اتنی تفصیلی بات نہیں کی۔ امی آپ بتائیں کیا عزت رہ جاتی آپکی اگر آپکے سرکل میں سب کو پتا چلتا کہ آپ کی اچھی دوست کی بیٹی نے آپکے اکلوتے بیٹے کو انکار کر دیا ہے۔'' وہ انگارہ آنکھیں لیٔے پیچھے مڑا۔

فوزیہ بیگم کو تو جیسے سانپ ہی سونگھ گیا تھا۔ لیکن پھر کچھ ہی سیکینڈز میں اُنہوں نے اپنے تاثرات پتھر کیے۔

''میرا وہ مطلب نہیں تھا بیٹے۔'' ریاض سمجھ گ ۓ تھے کہ اصل مسئلہ اُنکی اپنی بیوی ہی کھڑا کر رہی تھیں۔

''کیا مطلب نہیں تھا آپکا؟ یعنی آپ دونوں اِس بات پر متفق ہیں کہ آپکا اپنا بیٹا بھی اتنا ہی گھٹیا ہے کہ رات رات تک ہاجرہ سے چکر چلاۓ گا؟''

''یہ تو تم کہہ رہے ہو نا، ہمیں کونسا یقین ہے۔'' فوزیہ نے جلتی پر تیل ڈالا۔

سیف نے ایک آنچ سے باپ کو دیکھا اور پھر اگلے ہی لمحے وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گیا، دروازہ پوری قوت سے مارا۔

"فوزیہ بس کردو، بیٹے کی زندگی کو زہر سے نہ شروع کرو، خدا کا واسطہ ہے۔" ریاض نے فوزیہ سے کہا اور خود بھی گاڑی سے باہر آگئے۔

"میرا بیٹا میرا وہ مطلب نہیں تھا، میں تو بس ایسے ہی کہہ گیا، تم غصہ چھوڑو، اپنی ماں کی عادت کا تو تمہیں پتا ہے نا، چلو واپس بیٹھو، وہ لوگ انتظار کر رہے ہیں۔"

"آپکو پتا ہے یہ سب یہ کیوں کر رہی ہیں؟" وہ لمبے لمبے سانس لیتا خود کو کمپوز کر رہا تھا۔

"صرف اِس لیے کہ میں یہ نکاح نہ کروں، لیکن آپ دیکھیں، دیکھیں آپ کہ آج مجھے کون روکتا ہے ہاجرہ سے نکاح سے۔" وہ اپنی سُرخ ناک اور آنکھیں لیے دوبارہ گاڑی کی طرف بڑھا۔

ریاض نے شکر کا کلمہ پڑھا اور فوزیہ نے کلس کر پہلو بدلہ۔

※ ※ ※

گاڑی گیٹ کے سامنے روک کر وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی، شیشہ نیچے کر کے باہر دیکھنے لگی۔ چوکیدار نے اچھنبے سے اُسے دیکھا۔

ایک منٹ اِدھر اُدھر جھانکنے کے بعد وہ گاڑی سے اُتری اور چوکیدار کی طرف بڑھی۔ پہلے تو چوکیدار نے سمجھا کہ وہ شاید فنکشن پر آنے والی کوئی مہمان ہے، مگر جب وہ گاڑی سے اُتری تو اُس کا حُلیہ دیکھ کر اُسے مزید حیرانگی ہوئی۔

وہ پینٹ کے اوپر کُرتا پہنے، آنکھوں پر سن گلاسس لگائے ہوئے تھی۔ دوپٹے کو بڑی مہارت سے کسی اسٹائل کے تحت گلے میں باندھا ہوا تھا۔

“Excuse me!“

چوکیدار کے پاس آکر کہا، وہ چوکنا سا آگے آیا۔

“یہ بُشریٰ بیگم کا گھر ہے؟“

''جی نہیں میڈم یہ بُشریٰ بیگم کا گھر نہیں ہے۔'' چوکیدار نے اپنے اُکھڑ لہجے میں بتایا۔ یہ نام تو اُس نے پچھلے کئی سالوں سے نہیں سُنا تھا۔

''اچھا لیکن میرے پاس تو یہی ایڈریس ہے۔'' وہ خود سے ہی بڑبڑائی اور پھر اُسکی طرف متوجہ ہوئی۔

''کیا یہاں آس پاس کوئی بھی بُشریٰ بیگم نہیں رہتیں؟''

''نہیں بی بی! یہاں اِس نام کی کوئی خاتون نہیں رہتیں۔ آپکو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔''

اب کے اس کے چہرے پر مایوسی چھا گئی۔ وہ گاڑی میں واپس آ کر بیٹھ گئی اور فون نکال کر نمبر ڈائیل کرنے لگی۔

''کہاں رہ گئی ہو؟'' رابطہ جُڑتے ہی دوسری طرف سے کہا گیا۔

''پہنچ تو گئی ہوں، لیکن گھر نہیں مل رہا، جو لوکیشن میرے پاس ہے وہاں کوئی بُشریٰ بیگم نہیں رہتیں۔'' اُس نے مایوس سے لہجے میں بتایا۔

دوسری طرف سے قہقہہ اُبھرا، اُس نے فون کان سے ہٹایا اور پھر بُرا سا منہ بنا کر دوبارہ کان کو لگایا۔

"اب کیا ہے؟" ناگواری سے کہا۔

"حِناء حِناء! یہاں بشریٰ بیگم کو ایک زمانے سے "بجو اماں" کہا جا رہا ہے، اب تو مجھے بھی بھول جاتا ہے کہ اماں کا اصل نام کیا ہے۔" رعناء نے خوب ہنس کر کہا۔

"توبہ ہے!"

"تم کہاں ہو اِس وقت؟" رعناء جو اوپر مہمانوں کے ساتھ بیٹھی تھیں، اِدھر اُدھر نظریں دوڑانے لگیں۔ عدیل؟ اسفند؟ اسماعیل؟

"گیٹ کے باہر ہی ہوں۔" حِناء نے تھک کر سر سیٹ کی پُشت پر ٹکا دیا۔ وہ اتنے لمبے سفر کی عادی نہیں تھی۔

''تم چوکیدار سے بات کرواؤ میری۔''رعناء نے حل پیش کیا۔اُنہیں اُن میں سے کوئی بھی آس پاس نظر نہیں آیا۔

حِناءاُتری اور فون چوکیدار کو تھمایا۔چند سیکینڈز کے بعد اُس نے فون واپس تھمایا اور گیٹ کھولنے لگا۔

''تم آؤ میں عُمائمہ کو بھیجتی ہوں۔''

اُس نے اوکے کہہ کر فون بند کیا اور گاڑی میں واپس آ گئی۔

گاڑی پورچ میں پارک کی۔وہاں پہلے سے ہی تین گاڑیاں کھڑی تھیں،اب وہاں کھڑے ہونے کی بھی جگہ کم تھی۔

حناء نے گلاسز آنکھوں سے ہٹا کر سر پر ٹِکائیں اور اپنی چیزیں سمیٹنے لگی۔

دور لاؤنج نے دروازے میں کھڑے عدیل نے آنکھیں چھوٹی کر کے اُسے دیکھا۔

www.novelsclubb.com

"یہ کون ہے؟" وہ خود سے ہی بڑبڑاتا آگے آیا۔ بازو سینے پر باندھ رکھے تھے۔

وہ اب گاڑی سے اُتر کر پیچھے والی سیٹ پر پڑے بیگز اور چیزیں اُٹھا رہی تھی۔ عدیل خاموشی مگر تیزی سے چلتا اُس کی گاڑی تک آیا اور کھلے دروازے کے پاس ہی کھڑا ہو گیا۔ آنکھیں ہنوز چھوٹی کیے ہوئے تھا۔

وہ سارا سامان بمشکل اپنے دونوں بازؤں میں اُٹھا کر ابھی مڑی ہی تھی کہ عدیل پر نظر پڑی۔ اچانک اُسے دیکھنے کی وجہ سے وہ بوکھلا گئی اور بُری طرح چونکی۔ سامان جو بڑے ہی جتن کر کے سنبھالہ تھا وہ دونوں کے پاؤں میں جا گرا۔ وہاں کوئی ایک بھاری ڈبہ تھا جو حناء کے اپنے ہی پاؤں پر لگا اور اُس نے چیخ ماری۔ اب چونکنے کی باری عدیل کی تھی۔

وہ جو محویت سے اُسے دیکھ رہا تھا، اُسکی چیخ پر بوکھلا یا اور اِدھر اُدھر دیکھ کر ایک بار پھر اُسے دیکھا۔ وہ اب اُسے خونخوار نظروں سے گھور رہی تھی۔

''کون ہو تم؟''اُس نے جھنُجھلا کر کہا اور نیچے بیٹھ کر سامان سمیٹنے لگی۔ کتنی ہی چیزیں ٹوٹ گئی ہو نگی، اُسے سوچ سوچ کہ ہی رونا آرہا تھا۔

اُسکی بات پر عدیل ہنسا۔ حناء نے پھر اُنہیں نظروں سے گھورا۔

''میڈم آپ میرے ہی گھر میں کھڑی ہو کر مجھ سے ہی پوچھ رہی ہیں کہ میں کون ہوں؟ آپ بتائیں آپ کون ہیں؟''اُس نے مُسکراتے ہوئے سوال کے بدلے سوال ہی کیا۔

اُس نے پھر ناگوار نظر اُس پر ڈالی اور پھر چیزیں اُٹھانے لگی۔

''بدتمیز انسان! ایک تو میری چیزیں گرادیں اوپر سے مجھ ہی پر ہنس رہا ہے۔''

بڑبڑاتے ہوئے چیزیں اُٹھائے کھڑی ہو گئی۔

''آپ نے بتایا نہیں کہ آپ کون ہیں؟''عدیل نے پھر دانت نکالے، وہ اتنا کیوں مُسکرا رہا تھا، یہ تو اُسے خود بھی نہیں پتا تھا۔

''میں اجنبیوں سے بات نہیں کرتی، ناؤ پلیز!''اُس نے ایک ابرو اُٹھا کر ہٹنے کا اشارہ کیا۔

''ہاں لیکن اجنبیوں کے گھر گھُس ضرور جاتی ہیں۔''عدیل نے اُسے تپایا۔

''میم حناء!''

اِس سے پہلے کہ وہ کچھ ٹِکا سا جواب دیتی دوران سے عُمائمہ چلتی ہوئی اُسے آوازیں دیتی آگے آئی۔

"Oh my God!"

دور سے آتے اُس سُرخ خوبصورت سراپے کو دیکھ کر حناء نے بے اختیار کہا اور پھر اُسی بے اختیاری میں اپنے ہاتھوں میں پکڑا سامان سامنے کھڑے عدیل کو پکڑایا اور عُمائمہ کی طرف بڑھی۔ وہ بیچارہ ''ارے ارے''کرتا ہی رہ گیا۔

وہ تھوڑی دیر پہلے والی تلخی بھُلا کر اُس سے ملی اور پھر اُسکی تعریف کرنے لگی۔ سر پر لگی گلاس زاب سرِک کر ڈھیلے سے جوڑے تک جاٹِکی تھیں۔ عدیل اُسکا سارا سامان تھامے، خود سے چند فُٹ دور اُسے اِس طرح باتیں کرتا دیکھ کر مُسکرا رہا تھا۔ کیوں؟

قدرت نے کہا!

تھوڑا صبر تو کرو!

"یہ عدیل بھائی ہیں۔" عُمائمہ نے تعارف کروایا۔ "ہاجرہ آپی اور ہم سب کے بڑے بھائی۔" اُس نے گردن کڑائی۔

"شاید اب تھوڑی سی شرم آجائے یہ جان کر کہ میں کون ہوں۔"

"اوہ۔۔۔اچھا!" پہلا لفظ حیرانگی اور دوسرا دوبارہ ناگواری سے کہا۔

"رعناء کہاں ہیں؟" اُسے نظرانداز کردیا، عدیل حیران ہوا۔

''وہ اوپر ہیں، میں بُلاتی ہوں آپ اندر تو آئیں۔''مُسکرا کر اسے لیئے اندر مڑی۔

پھر کسی خیال کے تحت رُکی۔

''عدیل بھائی یہ سامان لاؤنج میں رکھ دیں میں کمرے میں لے جاؤنگی۔''اُسے اِس طرح سامان پکڑے دیکھا تو کہا۔حناء نے ایک نظر اُسے دیکھا اور آگے بڑھ گئی۔

''یہ ہو کیا رہا ہے یہاں؟!''سر جھٹک کر وہ بھی اُنکے پیچھے ہی ہو لیا۔

※※※

''یار ہاجرہ آپی دیکھنے دیں نا۔''مناہل اور عائشہ اُسکے دونوں طرف بیٹھی تھیں۔ہاجرہ ابھی اپنے کمرے میں ہی تھی۔

''میں نے ایک بار منع کیا ہے نا،اثر کیوں نہیں ہو رہا؟''اب اُسکا صبر جواب دے رہا تھا۔

''اچھا میرے پاس ایک بڑے مزے کی گوسپ ہے، اگر آپ ہمیں بس ایک بار گھونگھٹ اُٹھا کر دیکھنے دینگی تو میں بتاؤنگی۔'' گردن اکڑا کر کہتی مناہل نے اپنی طرف سے بڑا تیر مارا تھا۔

ہاجرہ مُسکرائی، وہ اندازہ کر سکتی تھی کہ گوسپ کس بارے میں ہو گی۔

''کیسی گوسپ؟'' وہ نرم پڑی۔

''آہاں! یعنی آپکو سُننی ہے نا!'' مناہل مے آنکھیں مٹکا کر عائشہ کو دیکھا، وہ بھی مُسکرائی۔

''ہاں اگر تم سچ سچ بتاؤ گی۔'' ہاجرہ نے اُسی طرح کندھے اُچکائے۔ مُسکراہٹ ہنوز ہونٹوں پر تھی۔

''لیکن ایک مسئلہ ہے۔'' منہ پھُلایا۔

''کیا مسئلہ؟'' عائشہ اور ہاجرہ نے بیک وقت پوچھا۔

''تم ہو مسئلہ۔'' مناہل نے عائشہ کی طرف اشارہ کیا۔

"ہا!! میں کیوں ہوں مسئلہ ؟" عائشہ کی آنکھیں پھیلیں۔

"ہاجرہ آپی یہ والی گوسپ میری اور آپکی سیکرٹ ہے۔" اُس نے اُسکے بازو کی چٹکی بھری۔

ہاجرہ اپنا بازو سہلاتے ہوئے قہقہہ لگا کر ہنسی، یعنی بات اسفند اور عُمائمہ کی ہی تھی۔

"ہاجرہ آپی ایک تو آپ نے مجھ سے بات چھُپائی ہے اور اب آپ ہنس بھی رہی ہیں۔" عائشہ نے مناہل سے بھی بُرا منہ بنایا۔

"مناہل اب تم اِسکو بھی اپنے ساتھ شامل کرلو!" ہاجرہ نے ہنس کر کہا۔

"ہاں!" اُسکی آنکھیں چمکیں۔

"لیکن میں اِسکو بتاؤنگی کیا؟" مناہل نے اُسے دیکھتے ہوئے کندھے اُچکائے۔

"وہی جو تم ابھی ہاجرہ آپی کو بتانے لگی تھی۔" اُس نے آنکھیں چھوٹی کر کے گھورا۔

"اف اٹھو یہاں سے ! نکلو باہر ! میرا دماغ چاٹ گئی ہو !" ہاجرہ ان دونوں کو اپنے ساتھ سے اٹھانے لگی۔

اسکے ہاتھ ہلانے سے چوڑیوں کی کھنک کمرے میں پھیلی تھی۔

"بجو اماں کی کال آرہی ہے ؟" صوفے سے اٹھتے ہوئے عائشہ نے کہا اور فون اٹھا کر سپیکر پر کیا۔

"کہاں ہو لڑکیو ؟ ہاجرہ کہاں ہے ؟" کمرے میں انکی آواز گونجی۔

"میں یہیں ہوں اماں !" ہاجرہ اسی طرح بیٹھی اونچی آواز میں بولی۔

"تو میرا بچہ اوپر آجاؤ اب میں نے بھی تمہیں دیکھنا ہے"

"بجو اماں ابھی تک ہم نے بھی نہیں دیکھا !" مناہل نے جواب دیا۔

"کیوں ؟" وہ حیران ہوئیں۔

"یہ کوئی نیا ڈرامہ لگا رہی ہیں' کہتی ہیں سب سے پہلے سیفی بھائی کو ہی دکھائیں گی۔" مسکراہٹ دبائے کہا۔

"استغفر اللہ! بجو اماں میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔" ہاجرہ نے پھر نعرہ لگایا۔

"مطلب تو یہی ہے نا" عائشہ نے بھی لقمہ لگایا۔

دوسری طرف بجو اماں کا کھلکھلاتا ہوا قہقہ سنائی دیا۔

"آجاؤ اوپر سب" تھوڑی دیر بعد ہنسنے کے بعد بجو اماں کی آواز آئی۔

"اوکے اماں آتے ہیں۔" کہہ کر عائشہ نے فون کاٹ دیا۔

"جاؤ عمائمہ کو بلا کر لاؤ۔" مناہل نے عائشہ کو کہا۔

"میں تو نہیں جاؤں گی۔ ورنہ تم وہ گوسپ ایسے ہی بتا دو گی۔ مجھے بتائے بغیر۔" عائشہ نے منہ بنا کر کہا۔ ہاجرہ کے گھونگھٹ میں سے ہنسنے کی آواز آئی۔

"اف خدایا! چلو میں بھی چلتی ہوں۔" مناہل نے اسکے بازو میں ہاتھ ڈالا اور باہر کی طرف چل دی۔

وہ دونوں کھلکھلاتی ہوئی، ہلکے ہرے اور گلابی رنگ میں ملبوس دور سے کسی بادشاہ کی شہزادیاں لگ رہی تھیں۔ باتیں کرتے ان دونوں کی نظر سامنے سیڑھیوں سے اترتی عمائمہ پر پڑی۔

وہ ریلینگ پر لگے پھولوں پر نرمی سے ہاتھ پھیرتی ایک ہاتھ سے اپنے سُرخ لباس کا کونا تھامے سیڑھیاں اُتر رہی تھی۔ ہونٹوں پر مُسکراہٹ تھی اور چہرے پر چمک۔

عُمائمہ اور اُسکی فیری ٹیلز!

اُسے اِس طرح دیکھ کر مناہل نے عائشہ کو اشارہ کیا۔

"کیا تم وہ گوسپ جاننا چاہتی ہو؟"

"ہاں نا!" وہ چہکی۔

"شش!" اُسکا بازو تھام کر چُپ کروایا، "آہستہ بولو۔"

www.novelsclubb.com

"کیا عُمائمہ کی بات ہے؟" آنکھیں چمکیں۔

"ہاں، اور اسفند بھائی کی!" آنکھیں مٹکائیں اور مُسکرائی۔ شرارتی مُسکراہٹ۔

"اسفند بھائی اور عمائمہ کی گوسپ؟" اب اُس نے آواز آہستہ رکھی۔

"ہاں! اب دیکھنا۔" کہہ کر وہ عُمائمہ کی طرف بڑھی، عائشہ بھی ساتھ ہی ہولی۔ وہ اب سیڑھیاں اُتر کر صوفوں تک پہنچ گئی تھی۔

"عُمائمہ!" مناہل نے آواز دی۔

"ہاں؟" کھویا ہوا لہجہ۔

"ہاجرہ آپی کو اوپر لے کر جانا ہے، سب کو بُلا لاؤ۔"

"اچھا میں چھت پر ہی جا رہی ہوں بُلا لاتی ہوں، تم یہ سامان اوپر والے گیسٹ روم میں لے جاؤ۔" کہہ کر وہ چل دی۔

''کوئی آیا ہے کیا؟'' عائشہ نے صوفے پر پڑا سامان دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں حناء میم آئی ہیں، میں اُنہیں سرو کر آئی ہوں، مام کو بلاتی ہوں تم دونوں بھی اُنکے پاس ہی چلی جاؤ۔'' ہاتھ جھلا کر مڑے بغیر ہی کہا۔

''اسفند بھائی!'' مناہل نے اونچی سی آواز دی، عُمائمہ نے چونک کر گردن موڑی۔ وہ ابھی ہی تو اوپر سے آئی تھی، اسفند تو اوپر نہیں تھا۔

''۔۔۔کو بھی اوپر سے بُلا لانا۔'' مُسکراہٹ دبائے کہتی وہ بظاہر سامان اُٹھا رہی تھی۔

عُمائمہ نے نظریں سیڑھیوں سے ہٹا کر اُنہیں دیکھا۔ دونوں کے ناک، منہ، آنکھوں سے ہنسی اُبل اُبل کر نکل رہی تھی۔ مگر وہ ضبط کیے ہوئے تھیں۔

''بُلاتی ہوں!'' اب کے اُن دونوں کو گھور کر وہ باہر نکل گئی۔

اُسکے دروازے کے باہر غائب ہوتے ہی وہ دونوں وہیں صوفے پر بیٹھ کر ہنسنے لگیں۔

''یعنی یہ جواِسے بجو اماں کی کال کا انتظار رہتا ہے اور یہ جو ہر وقت کھوئی کھوئی رہتی ہے اِس سب کی وجہ اسفند بھائی ہیں!'' ہنستے ہوئے کہا۔

''ہاں تو اور کیا! اسفند بھائی کا بھی یہی حال ہے، وہ بھی میں تمھیں دکھاؤنگی تھوڑا صبر تو کرو بس!'' ایک آنکھ دباتی وہ اُٹھی، کپڑے درست کیے، لباس کی نادیدہ شکنیں جھاڑیں اور سامان اُٹھا کر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئیں۔

مناہل، اسفند سے سارے بدلے چُن چُن کر لینے والی تھی!

※ ※ ※

لان سے اوپر جاتی اُن چوڑی سیڑھیوں پر وہ سب ہاجرہ کے اِرد گرد گھیرا بنائے، اُس کے ساتھ قدم قدم چلتے نظر آرہے تھے۔ عدیل، اسفند اور اسماعیل چمچماتے دوپٹے کو اُن سب کے اوپر تانے مُسکرا

رہے تھے۔وہ لڑکیاں اپنے لباس کے ساتھ ساتھ ہاجرہ کے لباس کے کونے بھی اُٹھاتیں، کھلکھلاتی ہوئیں سہج سہج کر قدم بڑھا رہی تھیں۔

اُن کے پیچھے باقی خاندان اُنہیں رَشک سے دیکھ رہا تھا۔کیمرہ مین سارے منظر کو بڑی مہارت سے فلم میں اُتار رہا تھا۔شائستہ،افضل کا بازو تھامے اپنی اولاد کی پہلی خوشی آنکھوں میں نمی لیے دیکھ رہی تھیں۔ہاتھ میں پکڑے ٹِشو سے گاہے بگاہے بڑی احتیاط سے آنکھیں رگڑ لیتی تھیں۔رعناءاور نبیل بجو اماں کے ساتھ اُنکے تخت پر ہی بیٹھے تھے۔رعناء نے بجو اماں کا کپکپاتا ہاتھ تھام رکھا تھا۔سیڑھیاں ختم ہوئیں تو اُن سب نے تالیاں بجا کر اُنکا استقبال کیا۔سب سے پیچھے چلتے اسفند کے ساتھ آمنہ تھی، وہ بھی آج اپنے بھائی کے کندھے تک آرہی تھی۔پانچ انچ کی ہیلز پہن کر۔

لیکن پھر بھی وہ اسفند کے ہاتھوں تک پہنچنے سے قاصر تھی، جس میں اُس نے دوپٹے کے دو کونے تھامے ہوئے تھے۔اسفند نے اُسے دیکھا اور بھنویں اُچکائیں۔آمنہ کی آنکھیں چمکیں، وہ اپنے بھائی کے ہر اشارے کو پہچانتی تھی۔جوش سے ''ہاں'' میں سر ہلایا۔

اسفند دو سیکینڈ کیلیے رُکا اور ایک بازو میں اُسے اُٹھا کر اوپر کیا، وہ پھرتی سے اُسکی گردن میں بازو ڈال کر اُسے مضبوطی سے تھام کر بڑے سکون سے اُسکے بازو پر ٹِک گئی۔پھر اُس نے ہنستے ہوئے اُسکے ہاتھ سے دوپٹے کا چوتھا کونہ تھام لیا۔

اسفند نے اُسکا اُٹھا ہوا سر چوما اور مُسکرایا۔

اُنکے تھوڑا آگے جاتے ہی، حناء بھی سیڑھیوں کو تقریباً پھلانگتی اوپر آئی۔اور بالآخر اُنکے ساتھ شامل ہوگئی۔وہ اب صبح والے حُلیے میں ہرگز نہیں تھی۔سفید ساڑھی میں ملبوس، بالوں کا اونچا جوڑا بنائے وہ اپنے قد اور سُرخ و سفید رنگت کی وجہ سے اپنے حُسن میں مکمل تھی۔

اُسے تیزی سے دوپٹے کے نیچی آتا دیکھ کر اسفند مُسکرایا اور پھر آمنہ کو نیچے اُتارا۔آمنہ نے اُسے دوپٹے کا کونہ پکڑنے کا اشارہ کیا۔حناء نے حیرانگی سے اُسے دیکھا اور پھر اسفند کو،اُس نے مُسکرا کر تائید کی تو اُس نے اپنے ساڑھی کا پلو چھوڑ کر دوپٹے کا کونہ تھام لیا۔وہ ہر چیز کو محویت سے دیکھ رہی تھی،ایک عجیب سی اپنائیت تھی جو وہ یہاں آکر محسوس کر رہی تھی۔

دونوں اطراف میں کھڑے اور بیٹھے مہمانوں کے درمیان میں سے گزرتے وہ دس کے دس نفوس ایک دوسرے کو مکمل کر رہے تھے۔ایک دوسرے کے عکس کو نکھار رہے تھے،مُسکرا رہے تھے، کھلکھلا رہے تھے۔اور اُنہیں دیکھنے والے ایک سحر میں تھے۔یہ وہ سحر تھا جو ایک محبت کرنے والے کو دوسرے محبت کرنے والے کے قریب کر دیتا ہے۔اور محبت تو پھر صرف ایک سحر ہی ہے۔

※※※

سٹیج کے ساتھ پھولوں کی ایک پردہ نما دیوار سی بنائی گئی تھی اور ہاجرہ اُن سُرخ گلابوں کے پار سُنہری افشاں بنی بیٹھی تھی۔

اُسی لمحے سیف کی گاڑی پورچ میں داخل ہوئی۔آواز پر ہاجرہ کا دل اُچھل کر حلق میں آگیا۔جھُکا ہوا سر اوپر اُٹھایا،اُسے کچھ نظر نہیں آرہا تھا،بس اپنے پاس کی چند چیزیں تھیں۔پھر یکدم اُسے احساس ہوا کہ کوئی بھی اُسے نہیں دیکھ سکتا تھا اور وہ مُسکرا دی،پورے دل سے۔

اگر اُس وقت اُسکے منہ کے آگے گھونگھٹ نہ بھی ہوتا تو بھی کوئی بھی اُسکی طرف متوجہ نہیں تھا۔

سب سے آگے بھاگنے والی آمنہ اور جویریہ تھیں۔افضل،سُہیل اور وہ سارے لڑکے اُنکے استقبال کو نیچے لپکے۔عُمائمہ،مناہل،عائشہ اور باقی لڑکیاں پھولوں کی پتیوں کی بھری ٹوکریوں کو تھامے ایک قطار میں کھڑی ہو گئیں۔

سیف سیڑھیاں چڑھتا اوپر آیا۔ پھول پھینکے گئے، مُسکراہٹیں پھیلائی گئیں۔ تھوڑی دیر پہلے کا واقعہ سیف کے ذہن سے محو ہونے لگا تھا۔ وہ اپنے آپ کو چیف گیسٹ تصور کرتا اب مسُکرا رہا تھا۔ البتہ فوزیہ ہنوز سب سے کھچی کھچی سی ہی تھیں۔

عدیل اور اسفند نے سیف کو پھولوں کی اس دیوار کے ایک پار بٹھا دیا۔ پھولوں کی آڑ سے نظر آتی، چُھپتی، جھلملاتی ہاجرہ اب اپنے سامنے سیف کو بیٹھے محسوس کر سکتی تھی۔

※ ※ ※

ہم نے دیکھا۔۔۔

رنگوں میں سب سے خوبصورت رنگ

اُس محبت کا تھا،

جو دلوں میں بستی ہے۔

اُس چہرے کا تھا،

جو کھل جاتا ہے،

اُس پل میں

جو ساعتِ نکاح ہے،

جو مقدس ہے۔

جو اَمر ہے۔

قاضی نے اجازت طلب کی۔

افضل نے اپنی بیٹی کی طرف سے اجازت دی۔

ریاض نے اپنے بیٹے کی طرف سے اجازت دی۔

مناہل نے جوش سے ساتھ کھڑیں عُمائمہ اور عائشہ کا ایک ایک ہاتھ تھاما۔

عدیل آگے بڑھا اور ہاجرہ کے دائیں جانب کھڑا ہو گیا۔

اسماعیل بائیں جانب۔

اسفند نے اجازت نامہ اُٹھا کر تھمایا۔

قاضی نے بابرکت کلمات ادا کرنے شروع کیے۔

ہاجرہ دم سادھے سُنے گئی۔

پہلا اقرار اُسے کرنا تھا۔

ماحول کا فسوں ہر لمحہ بڑھتا جا رہا تھا۔

عُمائمہ نے مناہل کا ہاتھ تھامے اپنے سامنے کھڑے اسفند کو دیکھا۔

قاضی نے اقرار سُننے کیلیے توقف کیا۔

عدیل نے ہاتھ بڑھا کر ہاجرہ کے سر پر رکھا، دور کھڑے سُہیل مُسکرائے۔

ہاجرہ مُسکرائی اور اقرار کے بول بولے۔

بجو اماں نے سکون سے آنکھیں موندلیں۔

خوشی کے آنسو اُمڈنے لگے، آصفہ نے بجو اماں کے کندھے کو تھاما۔

اسفند نے اجازت نامہ ہاجرہ کو تھمایا۔

دستخط کیے گیے۔

ہاجرہ نے خود کو سیف کا کردیا۔

قاضی نے دوبارہ کلمات ادا کرنے شروع کیے۔

پھر توقف کیا، حناء سانس روکے دیکھ رہی تھی۔

سیف مُسکرایا، اسفند نے اُسکی آنکھوں میں جھانکا۔

وہاں نمی تھی، خوشی تھی، چمک تھی۔

پھر اُس نے اقرار کیا۔

ایک بار

دو بار

تین بار!

اب کے سب کھلکھلائے، رعناء نے مُسکرا کر شائستہ کو دیکھا۔

اسفند نے اجازت نامہ سیف کے آگے رکھا۔

دستخط پھر سے کیے گئے۔

سیف نے خود کو ہاجرہ کے حوالے کر دیا۔

بجو اماں نے موندی ہوئی آنکھیں اُسی سکون سے کھولیں۔

عُمائمہ مکمل سحر زدہ تھی۔

قاضی نے عظیم کتاب کی آیتیں دُہرائیں۔

ہاتھ بلند ہوئے۔

ذاتِ برتر کے آگے۔

دُعائیں مانگی گئیں، ساری دُعائیں۔۔ سیف اور ہاجرہ کے نام!

مبارک باد دی گئی، ساری مبارک گھڑیاں۔۔ سیف اور ہاجرہ کے نام!

※※※

نکاح کے بعد اب ہاجرہ اور سیف سامنے بنے سٹیج پر بیٹھے تمام مہمانوں کی نظروں کا مرکز تھے۔وہ اب اپنا گھونگھٹ اُٹھا چکی تھی۔اور اگر وہ گھونگھٹ کے ساتھ سب کو حیران کر رہی تھی تو اِس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ اب بھی خود کو دیکھنے والے کو ٹھٹھکنے پر مجبور کر رہی تھی۔

"مناہل تم نے مجھے پوری بات نہیں بتائی۔"عائشہ مناہل کے ساتھ والی کُرسی پر بیٹھی تھی۔

مناہل کی آنکھیں چمکیں، سیلفی لیتا فون والا ہاتھ نیچے کیا اور اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی۔

اسفند کہاں ہے؟ عُمائمہ کہاں ہے؟

اُسکی آنکھیں بس یہی کہہ رہی تھیں۔

"تھوڑا سا صبر کرو گی تم!"اُسے کہتی وہ اپنا لباس سنبھالتی اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"عُمائمہ!"

وہ جو کوئی ایستھیٹک سی فوٹو لینے میں مصروف تھی،اُسکی آواز پر چونک کر گردن اُٹھائی۔

''اسفند بھائی کہاں ہیں؟'' عام سے انداز میں پوچھا۔

عُمائمہ نے ایک نظر اِدھر اُدھر دیکھا، کوئی بھی اُنکی طرف متوجہ نہیں تھا، پھر کُرسی سے اُٹھ کر مناہل کے پاس پہنچی۔

''مجھے بتاؤ تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟'' اُسکا بازو پکڑا اور ایک طرف لے جانے لگی۔

''میں نے کیا کیاِ ہے اب؟'' معصومیت کی انتہاء تھی ویسے۔

''اوہ!۔۔۔اچھا؟ ابھی تو تمہیں پتا ہی نہیں ہے کہ تم نے کیا کیا ہے، میں تو سوچ رہی تھی کہ اگر تمہیں پتا ہوا تو کیا کرو گی۔'' عُمائمہ نے آنکھیں پھیلائیں۔

''یار عُمائمہ دیکھو، میں تمہیں اصل بات بتاتی ہوں۔'' اُس نے دور بیٹھی عائشہ کو ایک نظر دیکھا اور پھر کہا۔

''مجھے بس ایک بات بتا دو۔''

''کیا بات ؟'' بڑے تحمل سے اُسے سُنا۔

''اسفند بھائی کہاں ہیں ؟'' مُسکراہٹ دبائے کہا، عُمائمہ کو سخت قسم کی چِڑ ہوئی۔

''مجھے کیا پتا کہاں ہیں اسفند ! تم دونوں بہن بھائیوں نے میرا دماغ خراب کر کے رکھ دیا ہے، میں خود بھی تو ڈھونڈ رہی ہوں۔''

وہ تقریباً چلاتے ہوئے واپس مڑی اور ٹھٹھک کر رُک گئی۔ مناہل کے تاثرات دیکھے۔ وہ ہنس نہیں رہی تھی، کیا اُسکی بات اُسے بُری لگی ؟

''اسفند بھائی۔'' ایک ہاتھ سے ساتھ والے ٹیبل پر ایک کُرسی کی طرف اشارہ کیا۔

''اسفند ؟'' اُس نے آنکھیں گھُما کہ پوچھا۔ آواز اب دھیمی تھی۔

''ہاں عُمائمہ۔'' مناہل نے بُرا سا منہ بنایا۔

عُمائمہ کُرسی کی طرف مڑی،اسفند کی پُشت پر نظر پڑی۔وہ فون ہاتھ میں پکڑے مصروف سے انداز میں بیٹھا تھا۔ایسے جیسے کچھ سُنا ہی نہ ہو۔

''اسفند!''عُمائمہ نے آواز دی۔مناہل بھی اُسکے ساتھ ہی کھڑی تھی۔

''جی؟''وہی مصروف انداز۔

عُمائمہ نے واپس مناہل کو دیکھا۔اُس نے بغیر آواز کے لب ہلائے اور سوری کہا۔

عُمائمہ گھوم کر اُسکے سامنے آئی۔

''کیا آپ نے سب سُنا؟''وہ اُسکے سامنے ٹیبل پر اپنا ہاتھ رکھے کھڑی ہوگئی۔

''ہاں جی سُنا۔''اُسکی نگاہیں اب اُسکے ہاتھ پر تھیں۔گردن ہنوز جھکی ہوئی ہی تھی۔

''سب؟''مناہل بھی سامنے آئی۔

''ہاں مناہل سب !''وہ دوبارہ فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔شاید کسی سے بات کر رہا تھا۔

''تو کیا اب آپ بھابھی سے ناراض ہو جائینگے ؟''مناہل نے تیزی سے کہا۔یہ آخری چیز تھی جس کی اُمید اسفند اپنی ''ڈھول''بہن سے کر سکتا تھا۔

وہ اِس بات سے مکمل بے خبر تھی کہ وہ الفاظ عُمائمہ اور اسفند پر کس طرح اثر انداز ہونگے۔

دوسری طرف اُن دونوں نے بیک وقت گردن اُٹھائی اور ایک دوسرے کو دیکھا،دونوں کی نظریں ملیں اور دونوں کا رنگ بیک وقت سُرخ ہوا۔پھر اُسی برق رفتاری سے دونوں نے نظریں چُرائیں اور مناہل کو دیکھا۔

وہ مُسکرا رہی تھی،اُسے مزہ آیا تھا اُن دونوں کی ایسی شکلیں دیکھنے کا۔ہاں وہ بات بس ایسے ہی منہ سے نکل گئی تھی،لیکن اُسے کیا؟مزہ تو آیا تھا نا!

"تم دونوں مجھے کیوں ڈھونڈ رہی تھیں ویسے؟" اسفند بلاشبہ اپنے تاثرات چھپانے اور اُن پر قابو پانے میں مہارت رکھتا تھا، خود کو کمپوز کیا اور بات بدلی۔

"وہ۔۔۔میں؟ میں تو ایسے ہی کہہ رہی تھی، آتی ہوں!" کہہ کر مناہل اُسے اکیلا چھوڑے تیزی سے وہاں سے بھاگی۔

"آپ کیوں ڈھونڈ رہی تھیں مجھے؟" اسفند نے فون بند کر کے ٹیبل پر رکھ دیا۔

وہ جو ابھی تک کسی سحر میں تھی، گردن موڑ کر اُسے دیکھا۔

"میں؟ میں کب ڈھونڈ رہی تھی؟" کھویا ہوا لہجہ۔ اسفند نے اپنی ہنسی روکی۔

"ابھی، تھوڑی دیر پہلے۔" وہ کُرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا، اُسکے اٹھنے سے عُمائمہ جو اُسے ہی دیکھ رہی تھی، اُسکی گردن بھی اُٹھ گئی۔ آنکھوں میں بے پناہ حیرت تھی۔

''اچھا، پتہ نہیں۔''اُس نے اسفند کی مُسکراتی آنکھوں سے نظریں ہٹائیں، اب اُسکے لیئے وہاں کھڑا ہونا مشکل ہو رہا تھا۔

''مناہل کی باتوں پر دھیان نہ دیا کریں، وہ تو ایسے ہی بولتی رہتی ہے۔'' بڑی ہی سنجیدگی سے اُسے سمجھایا، آنکھیں ابھی تک مُسکرا رہی تھیں۔

عُمائمہ نے محظ سر ہلایا، وہ پھر سے گویا ہوا۔

''لیکن وہ جو بھی کہتی ہے سچ ہی کہتی ہے۔'' کہہ کر وہ مُسکرا دیا۔ عُمائمہ نے اُسی بے یقینی سے اُسے دیکھا، وہ مُسکرا رہا تھا، پھر وہ ایک طرف سے ہو کر گزر گیا۔ وہ وہیں کھڑی رہی۔

وہ کیا جتا گیا تھا؟

وہ کیا بتا گیا تھا؟

وہ صرف عُمائمہ ہی جان پائی تھی۔

وہ صرف عُمائمہ ہی جان سکتی تھی!

※ ※ ※

تقریب ختم ہوئی، لیکن برکتیں نہیں۔ مل مل کے بچھڑنے والے تھکتے نہیں تھے، لیکن بچھڑنے کی گھڑی تو آنے ہی والی تھی۔

سیف اپنی امانت یہیں چھوڑ کر جانے والا تھا۔ہاجرہ اپنا دل ودماغ سیف کے ساتھ روانہ کرنے والی تھی۔وہ اپنی تمام تر رعنائیاں اُسے تھما چکی تھی۔وہ اپنا سکون اُسکے حوالے کر چکا تھا۔اور پھر دور سے آئے دل موہ لینے مہمان ہمیشہ جلدی واپسی کی راہ پکڑ لیتے ہیں۔

''مجھے یہ سمجھ نہیں آرہا کہ ہم کیوں نہیں دولہے کی گاڑی لے کر گئے؟'' آمنہ نے پاس کھڑی عُمائمہ سے پوچھا۔وہ سب اب لان میں ہی کھڑے تھے۔سیف باری باری سب سے مل رہا تھا۔شگُن رکھوائے جارہے تھے۔

’’کیونکہ ابھی ہم لڑکی والے ہیں، ہاجرہ آپی نے جانا ہے اور سیفی بھائی نے دولہے کی گاڑی لے کر آنی ہے۔‘‘عُمائمہ نے نرمی سے اُسکا گال چھوا۔

’’ہاں اور جب اسفند بھائی کی شادی ہوگی تو ہم گاڑی لے کر جائینگے، عُمائمہ کے گھر!‘‘ساتھ کھڑی مناہل نے اعلانیہ کہا۔

عُمائمہ کا سانس رُکا، چہرے کا رنگ سُرخ ہوا تھا یا سفید؟ مُسکراہٹ سمٹ گئی۔ مناہل اب کچھ زیادہ ہی بول گئی تھی۔

’’ہیں؟ ہم عُمائمہ کے گھر جائینگے؟ کراچی؟‘‘اُسکی معصوم آنکھوں میں بے انتہا چمک تھی۔

عُمائمہ اب کی بار چُپ رہی۔

''ہاں چاہیے تو اسفند بھائی سے پوچھ لو جا کے!'' مناہل نے مُسکراہٹ دبائی اور کندھے اُچکائے۔ آمنہ نے پہلے مناہل کو دیکھا اور پھر عُمائمہ کو اور پھر اگلے ہی لمحے وہ اسفند کے سر پر پہنچنے کیلئے بھاگ کھڑی ہوئی۔

''مناہل!'' عُمائمہ نے بے یقینی سے اُسے دیکھا۔

''ہاں؟'' دوسری طرف بے فکری تھی۔

''وہ واقعی اسفند کے پاس جا رہی ہے۔'' اُس نے جیسے یاد کروایا۔

''ہاں تو جانے دو، اسفند بھائی خود سنبھال لینگے، تم فکر نہ کرو پیاری!'' اُس کے بے یقین چہرے کو تھپتھپایا اور آگے بڑھ گئی۔ وہ وہیں کھڑی رہی۔ بے یقین، شاک میں۔

اُسے اتنی آگے کی خوشیاں نہیں سوچنی تھیں۔ محبت ایک ایسے پہاڑ کی مانند ہے جسے آپ صرف ایک دفعہ ہی سَر کر سکتے ہیں، بے خوف اور نڈر ہو کر۔اور اُس پہاڑ سے نیچے اُترنے کی گنجاٸش باقی نہیں رہتی۔ عُمائمہ بھی پہاڑ کے سب سے اوپر جا کر نیچے نہیں گرنا چاہتی تھی۔

جس خیال کو وہ اپنے دماغ میں آنے سے پہلے ہی جھٹک دیتی تھی، وہ خیال مناہل الفاظ میں بیان کر گئی تھی۔ الفاظ تھے، امر ہو گئے۔اب دوبارہ منہ میں تو جا نہیں سکتے تھے۔ وہ نہ ہی خوش ہو پا رہی تھی اور وہ وہاں کھڑی رو بھی نہیں سکتی تھی۔

”اور پھر دُنیا میں سب سے زیادہ سخت بازگشت الفاظ کی ہی ہوتی ہے، چاہے وہ الفاظ میٹھے ہوں یا پھر کڑوے۔“

اُسکا گال تھپتھپا کر مناہل تیزی سے وہاں سے نکلی اور آمنہ کو ڈھونڈنے لگی۔

ہاں ٹھیک ہے عُمائمہ کی ایسی شکل دیکھنے میں مزہ آیا تھا لیکن اگر آمنہ نے اسفند کو بتادیا تو مناہل کی خیر نہیں۔

''آمنہ!'' بالآخر وہ اُسے سیڑھیاں چڑھتی نظر آئی۔

''کیا ہوا؟'' اُسے بوکھلایا ہوا دیکھ کر پوچھا۔

''کہاں جارہی ہو؟'' مناہل نے رُک کر سانس لیا۔

''اسفند بھائی کے پاس!'' وہ چہکی۔

''کیا کرنے؟'' اُسکے تیور کڑے تھے، وہ تھوڑا سا گڑبڑائی۔

''یہی پوچھنے کہ ہم عُمائمہ کے گھر کب جائینگے۔''

''تم پاگل ہو؟ میں تو مزاق کررہی تھی، اسفند بھائی کو جاکر یہ پوچھو گی تو وہ کہینگے کہ تمہیں کس نے کہا؟ پھر؟'' دونوں ہاتھ پہلوؤں پر جمائے۔

''توبتادونگی کہ تم نے۔''کندھے اُچکائے۔مناہل کا دماغ گھوم گیا۔

''اُف خدایا! نہیں جارہے ہم عُمائمہ کے گھر،اور اگر گئے بھی تو میں تمہیں بتادونگی،خبردار جو اسفند بھائی کو بتایا،چلواب!''اُسے بازو سے گھسیٹتی واپس لے گئی۔

※※※

شام کے سائے ڈھلتے گئے۔سارے مہمان رُخصت ہو گئے۔ہاجرہ اپنے کمرے میں واپس آگئی تھی۔آئینے میں اپنے آپ پر نظر ڈالی اور مُسکرادی۔اُسکی پہچان بدل گئی تھی،رنگت تو کھِلنی تھی۔

دوسرے کمرے میں موجود اُن سب لڑکیوں کی بھی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔عُمائمہ پر بات اثر تو کی تھی مگر کیا اب وہ اُسی بات کے زیرِاثر اپنے باقی کے لمحے ضائع کردیتی؟سو اُس نے اُس بات کو چھوڑا اور پھر سے مُسکرانے لگی۔

مناہل اور عائشہ اب چہک چہک کر سارے قلاوے ملا رہی تھیں۔ کہاں کہاں اسفند تھا اور کہاں کہاں اسفند کے ساتھ عُمائمہ تھی، تصویر کے سامنے یا پھر تصویر کے پیچھے۔

حناء اور رعناء اب بجو اماں کے پاس بیٹھی تھیں۔ تفصیلی باتیں تو اب ہونی تھیں۔ حناء پہلی بار گھر آئی تھی، اُسے بھی تو پروٹو کول دینا تھا نا۔

اسفند کچن میں کھڑا اپنے لیۓ کافی بنا رہا تھا۔ اُسکا دن اچھا گزرا تھا۔ وہ سب کچھ یاد کر رہا تھا، بلاوجہ ہی مُسکرا رہا تھا۔ اور پھر آج اُسے کسی نے بھی کافی نہیں بنا کر دینی تھی۔ بیچارا۔

اسماعیل اپنے فون میں اُتاری اُن اَن گنت تصویروں میں سے کوئی ایک دو اچھی تصویر انسٹا گرام پر لگانے میں مصروف تھا۔ وہ واحد تھا جو صبح والے لباس میں ہی ملبوس تھا، اپنے کمرے میں بیڈ پر آڑھا تِرچھا سا لیٹا تھا کہ اُسکے جوتے چادر کے ساتھ نہ لگیں۔ اب شائستہ بیگم سے اُنکے بچے اِتنا تو ڈرتے ہی تھے۔

عدیل اپنی الماری کے سامنے کھڑا کوئی ڈبہ نکال رہا تھا۔ یہ وہی ڈبہ تھا جو دس سال کی عمر میں اُسے ملنے والا پہلا ہینڈ میڈ گفٹ تھا۔ ہاجرہ کے ہاتھ کا۔ اُس میں اُس کے بچپن کے کٹ آؤٹس تھے اور کچھ اُسکی چھوٹی چھوٹی چیزیں۔ یادیں تھیں۔ اور یادیں زندگی کا حسین ترین حصّہ ہوتی ہیں۔

قُدرت نے اُس وقت کا تقاضا پورا کیا اور اُن سب کے نصیب جوڑے رکھنے کا فیصلہ کیا۔ ایک حسین فیصلہ۔ لیکن قُدرت کبھی بھی کوئی بھی چیز بغیر آزمائش آپکی جھولی میں نہیں ڈالتی۔ وہ سب بھی اِس بات سے بے خبر تھے۔

※ ※ ※

باب نمبر نو

"قطرہ"

اُفق کی چاشنی پر جب

اٹھکیلی کرتے بادلوں میں

قطرہ ایک جنم لیتا ہے۔

اور پھر اُسکا زمین کی طرف سفر شروع ہوتا ہے۔

وہ پھلتا ہے، وہ لڑتا ہے۔

ہواؤں سے، ساتھی قطروں سے۔

اور آ گرتا ہے، اپنی منزل پر۔

کبھی بنجر زمین پر

تو کبھی کسی سمندر میں۔

اور بس یہیں اُسکا سفر تمام ہوتا ہے۔

یہی اتنی سی ہے،

اے اولادِ آدم !

تمہاری زندگانی بھی، اگر تم غور کرو تو !

وقت کے پرندے کو پَر لگے اور وہ اُڑتا ہی چلا گیا۔ آزاد پنچھی ایک بار اُڑان بھر لے تو پھر اپنی مرضی سے ہی واپس آتا ہے۔ کیونکہ وہ آزاد ہوتا ہے۔ ہر آواز سے۔ ہر بیڑی سے۔ ہر روایت، ہر زنجیر سے۔

فیصل آباد کی حدود سے گاڑی نکلتے ہی وہ پیچھے رہ جانے والوں کو مِس کرنا شروع ہو گئی تھی۔ بائے روڈ سفر کرنے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ ہم آہستہ آہستہ ہر چیز کو اپنے معمول پر لے آنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور ایک نقصان یہ ہے کہ ہم سارا راستہ صرف پچھلے لمحوں کو ہی یاد کرنے میں لگے رہتے ہیں۔

رعناءاور جویریہ، حناء کی گاڑی میں اُسکے ساتھ تھیں اور عُمائمہ اور عائشہ نبیل کے ساتھ۔ یہ ہفتے کی رات تھی اور دو دن بعد عُمائمہ کا آخری پیپر تھا۔ بس ایک دن اور، اور پھر سب نے اپنی اپنی منزلوں کی جانب روانہ ہو جانا تھا۔

※ ※ ※

ناشتے کی میز کی تمام تر رعنائیاں جاگ اُٹھیں تھیں۔ رعناء اپنے معمول پر واپس آ گئی تھیں۔ روز صبح کا ناشتہ بجو اماں کے ساتھ ویڈیو کال پر ہوتا تھا۔

عُمائمہ کا بس ایک ہی کام تھا، کافی بنانا اور اپنے کمرے میں چلے جانا۔ وہ اب اپنے پیپرز کی طرف پوری طرح سے متوجہ تھی۔ بیچاری کے پاس یادوں کا ایک سیلاب تھا جو اُمڈتا ہی آ رہا تھا لیکن ایک طرف پیپرز تھے کہ اُن سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ عائشہ اور جویریہ پھر سے کالج جانا شروع ہو گئی

تھیں۔کالج سے واپس آکر عائشہ اب روٹین سے دو کام کر رہی تھی۔ایک تو مناہل کو کال کرنا اور جان بوجھ کر عُمائمہ کے سامنے کرنا اور دوسرا اُسے تنگ کرنا،اُسے تو بس موقع چاہیئے تھا!

بات اگر بجو اماں کے آنگن کی کی جائے تو اُنکے مطابق رعناء اُنکی ساری رونق ساتھ ہی لے گئی تھیں۔

وہ ہر بار کی طرح اِس بار بھی رعناء کو بہت زیادہ یاد کر رہی تھیں۔ مناہل نے ایم فیل میں ایڈمیشن لینے کیلئے عدیل اور اسفند کی دوڑیں لگوائی ہوئی تھیں اور اسماعیل اِس سب میں منہ چھپاتا پھر رہا تھا کہ کہیں لگے ہاتھوں اُسکا بھی ایڈمیشن اُس یونیورسٹی نامی جیل میں نہ ہو جائے۔ لیکن بھلا مناہل اُسے چھُپا رہنے دے سکتی تھی؟

اور ہاجرہ؟ ہاجرہ تو جیسے ساتویں آسمان پر تھی۔ بات بات پر ہنستی، مسلسل مُسکراتی، وہ ہر لمحے نکھر رہی تھی۔اُسکی یہ تبدیلی اُن سب کیلئے حیرانکُن خوشی کا باعث تھی۔

※ ※ ※

اوائل اپریل کے دن تھے۔شامیں ٹھنڈی اور دھوپ گرم تھی۔موسم پل میں تولہ،پل میں ماشہ تھا۔ایسے میں بجو اماں اب زیادہ تر اپنے کمرے میں ہی پائی جاتی تھیں۔وہ اب تھکی تھکی سے رہنے لگی تھیں۔

اتوار کا دن تھا، مگر خاموش تھا۔مناہل کو دیر تک سونا تھا اور اسماعیل کو صبح ہی صبح اپنے دوستوں کے ساتھ نکل جانا تھا۔ایسے میں اسفند اپنی بجو اماں کے کمرے میں اُنکی گود میں سر رکھے لیٹا تھا۔ہاتھ میں فون تھا جس پر وہ اُنگلیاں چلاتا اپنے اگلے پندرہ دنوں کا شیڈیول دیکھ رہا تھا۔

"اماں پورے پندرہ دن کا کام ہے بس۔"اُسی طرح اُنگلیاں چلاتے کہا۔

"اور میں نے کہہ دیا ہے کہ تُو نہیں جائے گا۔"ایک ہاتھ سے تسبیح کے دانے گراتے ایک ہاتھ اُسکے بالوں میں پھیرتے دوٹوک انداز میں کہا۔

''اماں تو پھر اور کون جائے گا؟ میری ہی فرم ہے مجھے ہی جانا پڑیگانا۔''فون بند کر کے ایک طرف ڈال دیا۔

''سُہیل چلا جائے یا پھر افضل، لیکن اسفند میں نے تجھے نہیں جانے دینا۔''

''اماں! اماں!''وہ اُٹھ بیٹھا، سائیڈ ٹیبل پر پڑا کافی کا مگ اٹھالیا۔

''جانا تو مجھے پڑے گا۔''کافی کا گھونٹ بھرا۔

''سچ سچ بتا، سیٹ بُک کروادی ہے نا تو نے؟ اب بس بتانے آیا ہے، ہے نا؟''اُنہوں نے آنکھیں چھوٹی کر کے گھُورا۔ اسفند ہنس دیا، سفید رنگت میں تیزی سے سُرخی دوڑی۔

''دیکھا! مجھے پتا تھا۔''اماں کو شاید الہام ہو جایا کرتے تھے۔

''نہیں بجو اماں، میں نے بائے روڈ جانا ہے، لیکن صبح والی میٹینگ کنفرم ہے۔''مُسکراہٹ سمیٹی۔

''ٹھیک ہے لیکن اکیلے نہیں جانے دینا میں نے۔''اُنہوں نے ہتھیار ڈالے۔

''اچھا۔۔''وہ جیسے سوچنے لگا،

''اسماعیل یونی جارہا ہے،عدیل کی بھی اکیڈمی شروع ہوگئی ہے، بابا میرے پیچھے فرم دیکھینگے اور افضل تایا کو سفر میں اُلٹیاں آتی ہیں۔''کہہ کر دو دن کی بڑھی شیو کھُجائی۔

بجو اماں نے حیرانگی سے اُسے دیکھا، پھر ہلکا سا مُسکرائیں۔

''کیسے سبق کی طرح بہانے گھڑے ہیں تو نے۔''

''بہانے کہاں ہیں؟ سچائی ہے سچائی۔''کافی پینے لگا، ورنہ ہنسی چھوٹ جاتی اور ہنسی چھوٹتی تو پھر اماں نے نہیں چھوڑنا تھا۔

※※※

''کیا آج ہماری لکی شام ہے؟''ہاجرہ نے اسفند کے ہاتھ سے مگ پکڑتے ہوئے کہا۔ یہ اتوار کی شام ہے۔

''ایسا ہی سمجھ لیں۔''اسفند نے مُسکرا کر کندھے اُچکائے اور سامنے پڑی کُرسی پر نیم دراز ہوا۔

لان کی بتیاں جلی ہوئی تھیں اور دور اُفق پر ایک خوبصورت شام ڈھل رہی تھی۔

''دُنیا میں بہت کم لوگ ایسے ہیں جنھوں نے اسفند بھائی کے ہاتھ کی کافی ٹیسٹ کی ہے۔''مناہل جو اسفند کے ساتھ ہی کافی لی ئے آ رہی تھی،ایک مگ سامنے بیٹھے اسماعیل کو تھمایا اور سامنے والی کرُسی پر بیٹھ گئی۔

''تم تو ایسے کہہ رہی ہو جیسے اسفند بھائی نے اپنا کیفے کھول رکھا ہو۔''اسماعیل ہنسا۔

''وہ کافی اچھی بناتے ہیں میں نے اِس لی ئے کہا ہے۔''تِنک کر کہا۔

''صبح کتنے بجے جانا ہے؟''اسماعیل نے کافی کا مگ لبوں کو لگایا، مناہل کو اگنور کر دیا۔

''واقعی کافی اچھی بنی ہے۔''مُسکرا کر تعریف کی۔

''آٹھ بجے نکلنا ہے، بارہ بجے میٹینگ ہے'' ایک ہاتھ سینے پر رکھ کر تعریف وصول کی اور اپنا پلان بتایا۔

''بجو اماں نے اجازت دے دی؟'' مناہل کو حیرت ہوئی۔

''بھلا وہ مجھے نہ کر سکتی ہیں؟'' دونوں بھنویں اُچکائیں۔

''ہاں جی آپ تو ٹھہرے بجو اماں کے لاڈلے، ایک میں ہوں جو لاکھ منتوں کے بعد بھی میرا ایڈمیشن کروا دیا وہ بھی اِس چُڑیل کے ساتھ۔''

ہاں ٹھیک ہے مناہل سے محبت ایک طرف لیکن پڑھائی سے اُسے سخت چِڑ تھی۔

''ہا! تم نے مجھے چُڑیل کہا ہے؟'' مناہل کو جھٹکا لگا۔

''ہاں تو اور تمہیں میں پری کہنے سے تو رہا۔'' کافی کا گھونٹ بھر کر ہونہہ کیا۔ ہاجرہ اور اسفند ہنسے۔

''خود تم کونسا کوئی انسان ہو، بن مانس کہیں کے۔'' مناہل نے بھی اُس سے بڑا ہونہہ کیا۔

www.novelsclubb.com

دور آسمان پر نمودار ہونے والا پہلا ستارہ اُنہیں دیکھ کر مُسکرایا۔ہاں وہی ستارہ جو ہمیشہ چمکتا ہی رہتا ہے، چاہے اُسکے ساتھ چاند ہو یا نہ ہو۔

※ ※ ※

کراچی کی ایک مشہور شاہراہ پر رعناء کی گاڑی تیزی سے اپنی منزل کی طرف رواں تھی۔دن کے دو بجے کا وقت تھا،ٹریفک کا سیلاب اُبھرتا ہوا نظر آرہا تھا۔

پھیری والے،ٹریفک پولیس،پیدل چلنے والے،عورتیں،بچے،بوڑھے،غرض ہر انسانی انواع اپنی اپنی زندگی کا کارواں چلانے میں مصروف تھے۔منظر اگر رعناء کی گاڑی کے اندر کا ملاحظہ کیا جائے تو عُمائمہ اُنکے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی اپنے فون میں مگن تھی۔اُسکے پیپر ختم ہوئے دو مہینے ہو گئے تھے اور وہ اب ہر دوسرے تیسرے ہفتے رعناء کے ساتھ یونی کا چکر لگا آتی تھی،یہ دیکھنے کیلئے کہ

اب کہاں ایڈمیشن لیا جائے۔ وہ فیصلہ نہیں کر پارہی تھی۔ ایم فل کے بعد اب پی ایچ ڈی کرے یا نہ کرے، سمجھ نہیں آرہی تھی۔ یا شاید قدرت کو کچھ اور منظور تھا۔

رعناء کی گلاسز سر پر ٹکی تھیں، بھوری آنکھیں سامنے سڑک پر مرکوز تھیں۔ کراچی کی ٹریفک کے سیلاب میں گاڑی تیزی سے چلانا کسی چیلینج سے کم نہیں ہوتا تھا۔ لیکن رعناء پُرسکون تھیں۔ پچھلے پچیس سالوں سے وہ اُنہی سڑکوں پر گھوم رہی تھیں۔ راستے اُنہیں ازبر تھے اور ٹریفک سے گاڑی نکالنا اُنکے لیے چٹکیوں کا کام تھا۔

گاڑی میں چھائی خاموشی میں خلل رعناء کے ڈیش بورڈ پر پڑے فون نے ڈالا۔

عُمائمہ نے اپنے فون سے سر اُٹھایا اور ہاتھ بڑھا کر رعناء کا فون اُٹھایا۔

"احمر کالنگ۔۔۔"

اُسکی آنکھیں چمکیں، مُسکراہٹ خود بخود پھیل گئی۔اپنے فون کا پاور بٹن دبایا اور بھائی کا فون اُٹھا کر

سپیکر پر ڈال دیا۔

ایک سکرین تاریک ہوگئی اور ایک روشن۔

''السلام علیکم مام!'' دوسری طرف سے احمر کا چہکتا ہوا لہجہ سُنائی دیا۔

''وعلیکم السلام میرا بچہ! کیسے ہو؟'' رعناء نے سڑک پر ہی نظریں جمائے مُسکرا کر کہا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں مام! آپ کیسی ہیں؟'' وہ خوش لگ رہا تھا، لہجے سے خوشی ٹپک رہی تھی۔

''میں بھی ٹھیک ہوں اللہ کا شکر، تم بتاؤ، کیا ہو رہا ہے؟''

''کیسے ہیں احمر بھائی؟'' عُمائمہ نے فون اپنے سامنے کیا۔

''واہ عُمائمہ بھی یہیں ہے؟ فون سپیکر پر ہے کیا؟'' وہ حیران ہوا تھا۔

''جی بھائی، آپ بتائیں، بڑے خوش لگ رہے ہیں۔'' عُمائمہ نے آنکھیں مٹکائیں، رعناء کی مُسکراہٹ گہری ہوئی۔ وہ بس یہی چاہتی تھیں کہ احمر اور اُنکے باقی بچوں کے درمیان جو فاصلے کی دیوار کھڑی ہوگئی تھی وہ ختم ہو جائے

اور احمر اُن سب کے ساتھ ٹھیک ہو جائے۔

''ہاں بھئی، آج تو میں بہت خوش ہوں، بہت بہت خوش!'' ایسا لگا جیسے وہ پوری دُنیا کو بتا دینا چاہتا تھا۔

عُمائمہ مُسکرائی، البتہ رعناء کا دل بے اختیار زور سے دھڑکا۔ دماغ نے ریڈ سگنل دیا۔

''اچھا تو کیا ہمیں نہیں بتائینگے کہ کیوں خوش ہیں؟ ہمارا بھی تو حق ہے نا آپکی خوشی میں خوش ہونے کا۔'' وہ چہکی۔ کتنے عرصے بعد بھائی نے اُس سے محبت سے بات کی تھی۔ ورنہ بات حال چال سے آگے جاتی ہی نہیں تھی کہ فون بند کر دینے کا دل چاہتا تھا۔ الفاظ نہیں لہجے ایسے ہو گئے تھے۔

''ہاں بالکل کیوں نہیں! بس عُمائمہ تم آج کی تاریخ یاد رکھنا ہمیشہ!'' وہ ہنسا۔

''چلو اب بتا بھی دو۔'' رعناء نے مداخلت کی۔ نظریں ہنوز سڑک پر تھیں اور گاڑی تیزی سے اپنی منزل پر۔ سڑک پر ارد گرد سے گزرتی گاڑیاں بھی اُسی سپیڈ سے جا رہی تھیں۔

''مام! عُمائمہ! میں نے شادی کر لی ہے۔'' الفاظ تھے یا چابک، رعناء اور عُمائمہ کو شاک لگا۔ عُمائمہ کا دل بند ہوا، آنکھوں میں حیرت اُبھری، مُسکراہٹ غائب ہو گئی۔

''اُسکا نام انجلینا ہے، وہ کرسچن ہے، لیکن مام۔۔'' وہ بتا رہا تھا لیکن کوئی بھی اُسے نہیں سُن رہا تھا۔ رعناء کا دماغ سائیں سائیں کرنے لگا تھا۔ کوئی آواز، کوئی تاثر نہیں اُبھر رہا تھا۔ عُمائمہ کو تفتیش ہوئی اور اُس نے بازو بڑھا کر ہاتھ اُنکے کندھے پر رکھا۔

رعناء نے نظر جھٹکا کر اُسے دیکھا۔ خالی نظریں۔ ویران، سُنسان۔

ایسی سُنسان کہ موت کا شبہ ہوا۔

اور پھر اگلے ہی لمحے رعناء کو لگا کہ اُنکے حواس کام کرنا چھوڑ رہے ہیں، ارد گرد کی آوازیں مدھم ہونے لگیں اور آنکھوں کے آگے تاریکی چھانے لگی۔

"عُمائمہ کیا تم مجھے سُن رہی ہو؟ میں نے اُسے تمہاری فوٹوز بھی دکھائیں، اُسے تم۔۔۔" احمر ابھی تک بولے جا رہا تھا۔

رعناء نے تیزی سے دوڑتی ہوئی سڑک پر گاڑی کی بریک پر پاؤں رکھ دکھا اور گاڑی روک دی۔ ایک جھٹکے سے۔ عُمائمہ کے ہاتھ سے فون چھوٹتے چھوٹتے بچا، حیرت سے ماں کو دیکھا اور بے اختیار پیچھے۔ پیچھے سے آنے والی ایک تیز رفتار گاڑی نے غیر متوقع بریک پر اپنی بریک نہیں لگائی تھی اور وہ گاڑی پوری شدت سے رعناء کی گاڑی سے ٹکرائی۔

"مام!" عُمائمہ نے وحشت ناک چیخ ماری، رعناء نے اُسکی چیخ بھی نہیں سُنی۔ کیا اب وہ کچھ اور سُن سکتی تھیں؟

عُمائمہ کے ہاتھ سے فون گر گیا۔ رعناء کا سر پوری شدت سے سامنے لگا۔ دونوں گاڑیوں کی رفتار تیز ہونے کی وجہ سے رعناء کی گاڑی دو تین سیکینڈ کیلئے ہوا میں بلند ہوئی اور پھر زمین پر گری۔ چھَنا کے سے سارے شیشے ٹوٹے۔ پیچھے سے آنے والی گاڑی کا اگلا حصہ بُری طرح متاثر ہوا۔

"مام! عُمائمہ! کیا؟ کیا ہوا؟" احمر کی آواز ابھی بھی کہیں گرے ہوئے فون میں سے آ رہی تھی۔

عُمائمہ کا اپنا سر بھی ڈیش بورڈ سے ٹکرایا، کچھ شیشے ٹوٹ کر اُسکے بازو میں لگے۔ اُس نے ایک دھندلائی سی نظر اُٹھا کر رعناء کو دیکھا۔ اُن کے سر سے بہت سا خون نکل رہا تھا، آنکھیں بند تھیں۔ سر پر ٹِکائی گلاسز اب کہیں نہیں تھیں۔

عُمائمہ نے ہاتھ بڑھانا چاہا، اُنہیں بُلانا چاہا لیکن اعصاب جواب دے گئے۔ ایک آخری جملہ اُسکی سماعتوں میں گردش کرتا رہا اور پھر ساری آوازیں بند ہو گئیں۔ احمر کی، گاڑیوں کے ہارن کی، لوگوں کی اور سب سے بڑی بات اُسکی اپنی سوچوں کی فیری ٹیل کی آواز۔

''عُمائمہ تم آج کی تاریخ یاد رکھنا ہمیشہ!''

※ ※ ※

میلوں دور اِسی ملک میں بجّو اماں کے دو منزلہ بنگلے میں یکدم ہی ہلچل سی مچی۔

''منّو! منّو!'' اماں جو ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی تھیں، نا جانے کہاں رُخ کیے، بس آوازیں دی ئے جا رہی تھیں۔

''جی بجّو اماں!'' مناہل نے اوپر سیڑھیوں سے لٹک کر آواز دی۔ کچن سے آصفہ بھی اُنکی آواز پر باہر آئیں۔ اُنکی آواز میں کچھ تھا، کچھ سگنل دیتا ہوا، کچھ خوفناک۔ ایک ماں کی ڈری ہوئی آواز۔

''میرا فون کہاں ہے؟'' وہ اپنے آس پاس پڑے کشنز اُٹھا اُٹھا کر دیکھ رہی تھیں۔

''اماں آپ فون کیل ئے اتنی زور زور سے آوازیں دے رہی تھیں؟'' وہ اب سیڑھیاں اُترتی نیچے آ رہی تھی۔

''زیادہ باتیں نہ بنا، فون ڈھونڈ!''اُنہوں نے اُسے جھاڑا۔

''ہوا کیا ہے؟''آصفہ اپنے دوپٹے سے ہی ہاتھ پونچھتی ساتھ والے صوفے پر بیٹھ گئیں۔

''میرا دل بہت گھبرا رہا ہے، ایسا لگ رہا ہے دل ابھی پھٹ جائے گا، کچھ۔۔۔کچھ بُرا ہونے والا ہے۔''

اُنہوں نے چہرے کے گرد لپٹا دوپٹہ کھولا۔سانس لینے میں دشواری ہو رہی تھی۔

''اماں یہاں تو نہیں ہے فون۔''مناہل نے صوفے، ٹیبل چھان مارے۔

''اندر ہوگا کمرے میں جاؤ لے کر آؤ، اماں فکر نہ کریں، سب ٹھیک ہونگے۔''آصفہ نے پہلا جملہ مناہل کو کہا اور دوسرا جملہ کہتے اُٹھ کر بجو اماں کے پاس آکر بیٹھ گئیں اور اُنکا ہاتھ سہلانے لگیں۔

''انشاءللہ!''گہرا سانس لیا۔

مناہل نے فون کمرے میں سے لا کر اُنکی طرف بڑھایا۔

''اسفند کو ملا۔''اُنہوں نے دوپٹہ سر پر برابر کیا اور دوبارہ تسبیح پڑھنے لگیں۔

''اماں نہ اتنی ٹینشن لیں،اُنکا تو پتا نہیں آپکی طبیعت نہ بگڑ جائے۔''آصفہ نے اُنکا چہرہ دیکھا جو پریشانی سے سُرخ ہو رہا تھا۔

''اُٹھایا؟''آصفہ کی بات پر محض سر ہلایا اور مناہل کو مخاطب کیا۔

''نہیں بجو اماں،وہ کسی میٹینگ میں ہونگے ورنہ آپکی کال تو وہ ہمیشہ اُٹھا لیتے ہیں۔''کان کو فون لگائے ہی منہ بنایا۔

کان میں صرف اُس لڑکی کی کمپیوٹرائزڈ آواز گونج رہی تھی جسکی وجہ سے اکثر لوگوں کو چِڑ ہونے لگتی ہے،اُسے بھی ہوئی مگر ضبط کیے سُنے گئی۔

پھر جب وہ چُپ ہوئی تو فون اماں کو تھما دیا۔

وہ فون پر اُنگلیاں چلاتیں ایک اور کال ملانے لگیں۔

''کہاں ہو؟''رابطہ جُڑتے ہی کہا۔

''میں۔۔بس تھوڑی دیر تک گھر آرہا ہوں۔'' دوسری طرف اسماعیل تھا۔دوستوں کے ساتھ تھا گڑبڑا گیا۔گھر سے کال آنے کا بس ایک ہی مطلب تھا، جھاڑ!اور وہ بھی تگڑی والی۔

''اچھا جلدی آجانا۔'' کہہ کر فون بند کر دیا۔اسماعیل نے کان سے ہٹا کر سکرین کو گھُورا، جھاڑ؟ کیا نہیں؟اماں بھول گئیں؟

پھر تیزی سے فون جیب میں اڑسا، فون پر نہیں تو اُسکا مطلب ہے کہ گھر میں ماحول گرم ہے۔جلدی جلدی دوستوں سے اجازت طلب کرنے لگا۔گھر جاکر اچھی خاصی حاضری لگنے والی تھی۔

بجو اماں نے اگلی کال عدیل کو ملائی۔وہ اکیڈمی میں تھا۔گھنٹے بھر میں آنے کا کہہ کر تسلی دی۔

''ہو گئی تسلی؟'' مناہل بھی وہیں صوفے پر بیٹھ گئی۔

''سُہیل اور افضل کو بھی ملاؤ۔'' اُسکی بات کو نظر انداز کر کے فون اُسے تھمایا۔

''بجو اماں کیا ہو گیا ہے۔'' کہہ کر فون پر اُنگلیاں چلانے لگی۔

اُن دونوں نے بھی باری باری اپنی خیریت بتائی۔بجو اماں تھوڑا سا مطمعین ہوئیں، لیکن سکون نہیں ملا۔دل ابھی بھی کسی انہونی کے احساس سے لبریز تھا۔

''اسفند کو ملاؤ، ہو سکتا ہے اب میٹینگ ختم ہو گئی ہو۔'' یہ آصفہ تھیں، اب اُنہیں بھی وہم جیسا کچھ ہو رہا تھا۔بزرگ کبھی بھی غلط نہیں ہوتے، خاص طور پر وجدان کے معاملے میں۔

''نہیں اُٹھا رہے نا۔'' چند منٹ بعد کہا اور فون اُنہیں دے دیا۔

یہ سب کرتے ہوئے رعناءاُنکے زہنوں سے نکل گئیں۔

قدرت نے اُنہیں جھانسا دیا۔

بہتری کیلئے،

کسی بڑے خسارے سے بچنے کیلئے۔

یا پھر،

قدرت اِس بار

سفاک تھی!

※ ※ ※

سمندروں پار، نیویارک شہر کے ایک پُر تعیش علاقے میں کھڑی اُس بیس منزلہ بلڈنگ کے ایک اپارٹمینٹ میں وہ فون ہاتھ میں پکڑے شاک کے عالم میں کھڑا تھا۔ سامنے قدِ آدم شیشے کی کھڑکیاں تھیں جن سے نیویارک شہر اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ کھڑا نظر آرہا تھا۔

''کیا ہوا سب ٹھیک ہے؟'' مکمل برٹش ایکسنٹ میں انگلش میں پوچھا اور پھر انجلینا اُٹھ کر اُسکے قریب آئی اور کندھے کو چھوا۔ اُسی لمحے وہ ابتدائی شاک سے نکلا اور نظریں موڑ کر اُسے دیکھا۔

وہ کون تھی؟

وہ اُسکی محبت تھی، اُسکی خوشی تھی۔

کیا وہ سب آوازیں سُننے کے بعد بھی؟

آواز آئی۔۔۔ہاں!

"مام اور عُمائمہ کا ایکسیڈینٹ ہو گیا ہے۔" آواز دوبارہ سپاٹ تھی۔ تھوڑی دیر پہلے والے احمر کا اب کہیں بھی نام و نشان نہیں تھا۔ وہ شاک کے مزید سٹیجز افورڈ نہیں کر سکتا تھا۔

"واٹ؟" اُس نے نزاکت سے بھنوین اکھٹی کیں اور ہاتھ منہ پر رکھا۔

"ہاں ہنی، لیکن تم بے فکر رہو، وہ ٹھیک ہو نگی وہاں سب ہیں ایک دوسرے کا خیال رکھنے کیلیئے، تم بس اپنی اور ہماری ننھی جان کی فکر کرو۔" احمر مُسکرایا اور اُسکے گرد اپنا بازو حمائل کیا۔ فون جیب میں ڈال دیا۔

وہ اپنا خاندان بنا رہا تھا۔

جس پر وہ خود جان چھڑکتا تھا۔

وہ ایک خاندان پیچھے چھوڑ رہا تھا۔

وہ خاندان جو اُس پر جان چھڑکتا تھا۔

لیکن وہ ہمیشہ اُنہیں دھتکار دیتا تھا۔

※ ※ ※

''السلام علیکم ڈیڈ!'' عائشہ نے فون پر رابطہ جُڑتے ہی کہا، وہ اپنے کالج کے سٹاف روم میں کھڑی تھی۔

''وعلیکم السلام میرا بچہ، کیا ہوا؟'' نبیل نے تشویش سے پوچھا، وہ کالج کا نمبر اُنکے فون میں سیوڈ تھا۔ وہ خود بھی ابھی آفس سے گھر کیلئے نکلے تھے۔

''ڈیڈ کہاں رہ گئے ہیں، ہمیں بھول گئے ہیں کیا، لینے کیوں نہیں آرہے؟'' وہ اُکتائی ہوئی لگتی تھی۔ چھُٹی ہوئے ایک گھنٹا ہو گیا تھا اور اُنہیں کوئی لینے نہیں آرہا تھا، وہ دونوں انتظار کرتی کرتی تھک گئی تھیں۔

نبیل کے اَبرو اچھنبے میں اکٹھے ہوئے۔

''مام نہیں آئیں لینے آپ دونوں کو؟''

''نہیں تو، اُنہوں نے آنا تھا کیا؟'' عائشہ کو بھی حیرت ہوئی۔ اُسکا کالج رعناء کی یونی اور گھر سے بالکل دوسری سمت میں تھا۔

''ہاں مجھے کافی دیر پہلے عُمائمہ کا میسج آیا تھا کہ وہ آپکو پِک کرینگی۔'' وہ اب پارکینگ میں پہنچ گئے تھے۔

''اچھا تو پھر ابھی تک تو آ جانا چاہیے تھا اُنہیں۔'' عائشہ نے کلائی میں پہنی گھڑی دیکھی اور پھر سامنے کھڑی ٹیچر پر نظر پڑی۔ وہ اُسے گھور رہی تھیں۔ اُسے یاد آیا کہ وہ تو سٹاف روم میں کھڑی ہے۔

''ڈیڈ آپ جلدی آ جائیں!'' فوراً سے کہا اور فون واپس تھمایا۔

نبیل نے فون بند کر کے ڈرائیور کو کال کی اور اُنہیں لینے بھیجا اور پھر رعناء کا نمبر ملانے لگے۔ ایک بار، دو بار، بار بار، کوئی جواب نہیں۔

پارکینگ میں کھڑے نبیل کے صحیح معنوں میں پسینے چھوٹنے لگے۔ کراچی جیسے شہر میں دو اکیلی عورتوں کا اچانک فون نہ اُٹھانا، یہ جانتے ہوئے کہ وہ گھر سے باہر ہیں، ایک ہی مطلب تھا، حادثہ!

اُنہوں نے اپنے خدشات کو جھٹکا اور ایک بار پھر نمبر ملانے لگے۔ کال جا رہی تھی اور پھر چوتھی گھنٹی پر فون اُٹھا لیا گیا۔

''ہیلو!'' مردانہ آواز گونجی۔ نبیل کا تو دماغ ہی گھوم گیا۔

''کون ہو تم؟میری بیوی کا فون تمہارے پاس کیا کر رہا ہے؟'' درشتگی سے کہا۔پہلا خیال اُنہیں فون اسنیچ ہو جانے کا آیا۔

''اوماڑا ابڑکو(بھڑکو)مت!اَم کوئی چور اُچکا نہیں ہے، تمہارا بی بی کا یہاں گاڑی لگ گیا ہے،ایک اور بی بی بھی ساتھ ہے،دونوں بیبیاں بیہوش ہیں،آجاؤ تم!'' وہ پٹھان اونچی اونچی بول کر بتارہا تھا۔دوسری طرف نبیل کو لگا کہ سارا پارکینگ ایریا اُنکے اوپر آن گرا ہے۔پیروں کے نیچے سے زمین نکلنا کیسا ہوتا ہے اُنہیں آج سمجھ آیا تھا۔

''ک۔۔۔کہاں؟'' بمشکل کہتے ہوئے پاس کھڑی گاڑی کا سہارا لیا۔

''یہ بڑی یونیورسٹی والی روڈ ہے،ماڑا اُنکا بڑا کھون(خون)پھیلا ہے،جلدی آؤ۔'' وہ اب فکر مند تھا۔

نبیل نے فون بند کیا اور تیزی سے گاڑی کا لاک کھول کر اندر بیٹھے۔اگلے ہی لمحے گاڑی زَن سے آگے بڑھائی اور لاٹ سے باہر لے گئے۔

وہ جائے وقوعہ پر پہنچے تو اُنکے قدم لڑکھڑائے۔اپنی گاڑی سے اُتر کر رعناء کی گاڑی تک جانے کے وہ تین چار قدم اُنہیں پُل صراط جیسے لگ رہے تھے۔ہاتھ کانپنے لگے تھے اور دل بُری طرح کسی بڑے خدشے سے انکاری تھا۔

گاڑیوں سے نکلتے دھوئیں اُنکی سانس بند کر رہے تھے،ہارن کی مسلسل آتی آواز کان پھاڑتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔وہ آگے بڑھے اور گاڑی کا دروازہ بمشکل کھولا،وہ اَٹکا ہوا تھا یا شاید نبیل کے ہاتھوں میں اب سکت نہیں تھی۔

رعناء کا سر سٹیئرئینگ وہیل سے لگا تھا جس کی وجہ سے مسلسل ہارن کی آواز آرہی تھی۔نبیل نے نرمی سے اُنکا سر اُٹھایا اور سیٹ کی پُشت پر ٹکا دیا۔گردن ڈھلک گئی تھی۔ہارن کی آواز بند ہو گئی۔

''میں نے ایمبولینس کو کال کیا ہے صاب۔'' وہ پٹھان پھیری والا اب ایک طرف کھڑا تھا۔

''رعناء۔۔۔''نبیل نے ہلکی سی سرگوشی کی،رعناء کے کھُلے بال خون میں رنگ کراب منہ کے ساتھ چپک گئے تھے۔خون ماتھے سے نکل نکل کراب تھم چکا تھا۔نبیل نے بڑی نرمی سے سارے بال اُنکے کان کے پیچھے اڑسے،دونوں ہاتھوں کا پیالہ بنا کر منہ کے گرد رکھا۔

''یہ کیا ہو گیا رعناء۔۔۔"آواز اتنی ہلکی تھی کہ اُنہیں خود بھی بمشکل سُنائی دیتی۔پھر اُنکے چہرے سے نظر اُٹھائی۔خالی،ویران نظر۔

ساتھ والی سیٹ پر بے سُدھ پڑی عُمائمہ کا دیکھا۔اُنکی آنکھوں میں اب نمی اُترنے لگی۔

''میری بچی!''اُسکی آنکھیں بند تھیں۔وہ خاموش تھی۔زندگی میں پہلی دفعہ نبیل کو عُمائمہ کے خاموش ہو جانے پر رونا آیا۔دور کہیں سے ایمبولینس کی آواز سُنائی دی۔اردگرد کھڑے لوگوں میں حرکت پیدا ہوئی۔عورتوں کو اُٹھانے کیلئے۔نبیل نے پھر نظر اُٹھا کر دیکھا۔اب کے نظروں میں وحشت سی تھی۔نفرت تھی۔

"خبردار! خبردار جو کوئی قریب بھی آیا تو! خبردار جو میری بیوی اور بیٹی کو ہاتھ بھی لگایا تو!" وہ دھاڑے۔

"پہلے کہاں مرے ہوئے تھے تم لوگ! تم سب تماشائی ہو! ڈوب کے مر جاؤ! میرے کندھوں میں ابھی اتنی طاقت ہے کہ میں اپنی عورتیں خود اُٹھا سکوں! ایک قدم بھی آگے نہ آنا!"

سڑک پر سنّاٹا چھا گیا۔ کئی لوگ کھسیانے سے ہنسے، سرگوشیاں، چہ مگوئیاں۔ تماشائیوں کا اور کام ہی کیا ہوتا ہے۔

ایمبولینس قریب آئی تو نبیل نے عملے کے ساتھ مل کر دونوں کو اُٹھایا۔ رعناء کو ایمبولینس کے ساتھ بھیجا۔ اُنہوں نے فوراً آکسیجن ماسک لگائے۔ ابتدائی امداد۔

عُمائمہ کو اپنی گاڑی میں لے آئے اور پچھلی سیٹ پر لِٹا دیا۔

’’ہم پولیس بُلائینگے !اِن عورتوں کو نظر نہیں آتا تھا؟ چلتی گاڑی اچانک کون روکتا ہے ! ہمارا نقصان ہوا ہے !‘‘ دوسری گاڑی کے سوار بھی آگے آئے۔وہ ڈرائیور محض تھوڑا سا زخمی ہوا تھا البتہ گاڑی کا نقصان اچھا خاصا تھا۔

نبیل نے اُنہیں نظر انداز کر دیا اور گاڑی بڑھا کر لے گی ئے۔فلحال اُنکا اپنا نقصان زیادہ تھا۔

※※※

ہسپتال کی بُو دُنیا کی بدترین بُو ہے۔

ہسپتال کا سناٹا دُنیا کا ڈراؤنا ترین سناٹا ہے۔

ہسپتال کا شور دُنیا کا سب سے بُرا شور ہے۔

ہسپتال کی گرمی، جہنم جیسی ہے۔

اور ہسپتال کی سردی؟

وہ سردی ایسی ہے جو ہڈیوں کو جما دے۔

وہ سردی ایسی ہے جو کسی پیارے کو جھَٹ لاش بنادے۔

وہ ایسی سردی ہے جہاں زندگی کا نام ونشان تک نہیں ہے۔

وہ سفاک ہے۔

وہ وحشت ناک ہے۔

(از خود)

نبیل کو وہاں کوریڈور میں ٹہلتے کتنے گھنٹے ہو گئے تھے اِسکا اُنہیں خود بھی اندازہ نہیں تھا۔وہ بس ہر اندر جانے والے،اور باہر آنے والے ڈاکٹر اور نرس کو اُمید بھری نظروں سے دیکھتے اور پھر سر جھُکا دیتے۔انتظار بلاشُبہ دُنیا کا ایک مشکل ترین کام ہے۔

پھر وہ آئی سی یو کے سامنے سے ہٹ کر آپریشن تھیٹر کے سامنے آگ ئے۔ یہاں عُمائمہ تھی۔ وہ ہسپتال کے ایک کونے سے دوسرے کونے میں جاتے، بار بار، ہر بار ایک ہی اُمید لی ئے۔ ہر بار ایک ہی ڈر لی ئے۔

وہ واپس آئی سی یو کی طرف آرہے تھے جب اندر سے ڈاکٹرز کی ایک ٹیم باہر نکلی۔ یہ ڈاکٹر فُرقان کی ٹیم تھی۔ نبیل کے فیملی ڈاکٹر۔ نبیل تیزی سے اُنکی طرف لپکے۔

''فرقان! رعناء کیسی ہے؟'' ایسے پوچھا جیسے چھوٹا بچہ ٹوٹا ہوا کھلونا کسی بڑے کو جوڑنے کیل ئے دے اور پھر اُسکی خیریت پوچھے۔

''نبیل، رعناء کا نروس بریک ڈاؤن ہوا ہے اور پھر ایکسیڈینٹ بھی۔'' فرقان اُنہیں لے کر دروازے کے پاس سے ہٹ گئے، ٹیم کے باقی لوگ وہاں سے چلے گ ئے۔

''اچھا لیکن وہ کیسی ہے ؟ وہ ٹھیک ہو جائے گی نا، ہاں خون زیادہ بہہ گیا ہے، میں نے دیر کر دی۔۔۔

لیکن تم بتاؤ۔''نبیل کی آنکھوں میں نمی جھلکی۔

''نبیل وہ ٹھیک۔۔''فرقان نے رُک کر خُشک ہونٹوں پر زبان پھیری،

''وہ ٹھیک نہیں ہو سکتی کیونکہ اب اُسے ضرورت نہیں ہے۔''

''دیکھو فرقان یہ مزاق کا وقت نہیں ہے، ٹھیک ہے نا تم مجھے اصل بات بتاؤ، یار پہیلیاں کیوں بُجھوا رہے ہو۔''وہ نم آنکھوں سے ہنسے، بہت بدصورت ہنسی۔فرقان کو لگا نبیل کا دماغی توازن بگڑ رہا تھا۔

''رعناء ایک گھنٹہ پہلے نروس بریک ڈاؤن کی وجہ کوما میں چلی گئی تھی اور پھر ایکسیڈینٹ کی وجہ سے اُسکی ڈیتھ ہوئی ہے۔''یہ دُنیا کے بدترین الفاظ تھے۔

''میں نے تمہیں منع کیا ہے نا کہ مزاق نہ کرو!''اُنکا لہجہ بدلا فرقان کو کندھے سے پیچھے دھکیلا۔

اُسے نبیل پر ترس آیا۔

''میں مزاق نہیں کر رہا نبیل رعناء اب اِس دُنیا میں نہیں ہے، وہ چلی گئی ہمیں چھوڑ کر۔'' نبیل کے قریب آ کر اُنکا کندھا تھاما۔

''تم۔۔ تم یہ کیا کہہ رہے ہو فرقان۔'' اب کے اُنہوں نے آنسو روکنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ ہچکیوں سے رونے لگے تھے۔

''حوصلہ کرو نبیل، ایسے مت رؤ۔'' فرقان کو اب الفاظ نہیں مل رہے تھے۔

''میری رعناء، رعناء؟ تم۔۔ تم ایک بار پھر چیک کرو، دیکھو تم سب سے اچھے ڈاکٹر ہو، تم۔۔ تم کیسے نہیں بچا سکے اُسکو؟'' وہ اپنی آستین سے آنسو پونچھتے فرقان کا بازو پکڑے منت کرنے لگے۔

''نبیل ہم اچھی طرح سے چیک کر چکے ہیں۔۔'' اور اُسی لمحے وارڈ بوائز آئی سی یو سے ایک سٹریچر لیے باہر نکلے۔ وہ کپڑے سے ڈھکا ہوا ساکت وجود تھا، برف جیسا سفید کپڑا۔

نبیل اور فرقان دونوں نے گردن موڑ کر اُس سمت دیکھا۔فرقان نے تیزی سے نبیل کو کندھوں سے تھام کر کرُسیوں کی قریب کیا۔

"حوصلہ کرو، صبر کرو، نبیل سنبھالو خود کو!"

نبیل کی آنکھوں سے آنسو اور زیادہ تیزی سے جاری ہو گئے، ہونٹ بھینچ لیے۔

وہ سٹریچر لے کر گزر گئے تو وہ بے جان سے ہو کر کرسی پر ڈھے گئے۔فرقان مسلسل تسلیاں دے رہا تھا۔

"سر آپکے آپریشن کا ٹائم ہے، پیشنٹ ویٹ کر رہا ہے۔" نرس کی آواز کوریڈور میں گونجی۔فرقان نے نبیل کو دیکھا، وہ اُسے ہی دیکھ رہے تھے۔اُنکا شانہ تھپکا اور چل دیے۔اپنے راستے۔

نبیل تنہا رہ گئے۔اُنکا راستہ وہی تھا، لیکن اب ہم راہی نہیں رہا تھا۔آنسوؤں میں ایک بار پھر تیزی آگئی۔اُنہوں نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

حوصلہ کرو!

صبر کرو!

کہنے میں سب کتنا آسان ہے نا!

※ ※ ※

''سر! سر!'' نا جانے کتنی دیر وہیں بیٹھے بیت گ ئے تھے۔ نبیل نے سر اُٹھا کر دیکھا، ایک وارڈ بوائے اُنکا کندھا ہلا رہا تھا۔

''سر ڈیتھ سرٹیفیکیٹ پر آپکے سائین چاہئیں اور زرا آپ اپنے گھر والوں کو بھی اطلاع کر دیں، مرنے والے کے ساتھ مرا تو نہیں جاتا نا۔'' مکمل پروفیشنل انداز میں کہتے اُس نے فائل اُنکے آگے کی۔

''میری بیٹی؟'' سرگوشی نما پھٹی پھٹی سی آواز۔

"وہ ٹھیک ہیں، ہم نے اُنہیں روم میں شفٹ کر دیا ہے۔" لڑکا سائین کروا کر چلا گیا۔

وہ کن مراحل سے گزر کر عُمائمہ کے کمرے تک جائینگے یہ بس وہی جانتے تھے یا پھر اُنکا رب۔ الفاظ کا سمندر تھا لیکن اُنہیں اپنے نقصان کی اطلاع کیلئے کوئی لفظ نہیں مل رہا تھا۔ وہ کیسے اپنی بیٹی کو بتاتے کہ اُسکی ماں مر گئی ہے۔ وہ کیسے اپنی بیٹیوں کو حوصلہ دینگے۔ یادوں کا ایک جھکڑ تھا جو اُنہیں ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا۔

عُمائمہ کا کمرہ تیسرے فلور پر تھا۔ نبیل نے لفٹ نہیں لی۔ وہ سیڑھیاں چڑھتے اوپر جانے لگے۔ اُنہیں خود کو سنبھالنے کیلیے بھی وقت چاہیئے تھا اور پھر اپنوں کو دینے کیلیے ایک بلند حوصلہ۔

کمرے کے سامنے پہنچ کر وہ رُکے۔ اپنے بکھرے بالوں میں اُنگلیاں پھیریں۔ منہ پر ہاتھ پھیرے، خود کو کمپوز کیا اور پھر مُسکرانے کی کوشش کی۔ اُنکے لب مُسکراہٹ میں ڈھلنے سے پہلے ہی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے۔

''یا میرے اللہ! میں۔۔۔میں اتنا مضبوط نہیں ہوں، نہیں ہوں میں اتنا مضبوط!'' وہ روتے ہوئے دروازے کے ساتھ ہی دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے اور منہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا۔

نبیل کے اپنے ماں باپ اُنکے بچپن میں ہی ایک ایکسیڈینٹ میں مارے گئے تھے۔اُنھوں نے اپنے چچا کے گھر پرورش پائی اور پھر اپنا کاروبار شروع کیا۔کم عمری میں ہی شادی ہو گئی اور جو دُنیا کا واحد مخلص اور پیار کا رشتہ اُنہیں ملا تھا وہ بیوی کے روپ میں رعناء ہی تھیں۔رعناء نے اُنہیں کمپلیکس کی زندگی سے نکال کر ایک کامیاب انسان میں ڈھالا تھا۔وہ ہر طرح سے اپنے شوہر کی مددگار تھیں۔فنانشلی بھی اور ایموشنلی بھی۔میاں بیوی ایک دوسرے کا لباس ہوتے ہیں یہ بات اُنھوں نے ثابت کی تھی۔لیکن اب وہ بیک سپورٹ ہی نبیل کے پاس نہیں رہی تھی۔

دو تین منٹ اور گزر گئے۔ وہ اُسی طرح کھڑے رہے۔ ارد گرد سے گزرتے لوگوں نے اُنہیں پوچھا تک نہیں۔ ہسپتال میں یا تو خوشی ہے یا پھر غم، ایک بات تو طے ہے۔ سب کے ساتھ اٹل ہے۔ سب کے اپنے اپنے مسائل ہیں۔ اگر کوئی ہمیں سمجھے گا تو وہ صرف ہمارا اپنا ہی ہو سکتا ہے۔

نبیل نے ایک بار پھر اپنے آنسو پونچھے۔ اپنے آپ کو نارمل کیا۔ اُنہیں بہادُر بننا ہی تھا۔ وہ ذات جسے ابھی تھوڑی دیر پکارا تھا کیا وہ اُنہیں ایسے ہی چھوڑ دیتی؟ کبھی نہیں۔ وہ ذات تو اُنکے دل سے بھی زیادہ قریب تھی۔ اُنہوں نے صبر کا گھونٹ پیا اور دروازہ دھکیلا کر اندر داخل ہوئے۔

کمرے کا منظر کچھ اس طرح سے تھا کہ دروازہ کھولتے ہی دو تین فُٹ کی راہداری اور پھر آگے کھلا کمرہ۔ دائیں طرف ایک سنگل بیڈ۔ بیڈ کے بالکل سامنے ایک تھری سیٹر صوفہ رکھا تھا اور اُسکے سامنے میز۔ بیڈ پر اُسکا نیم بے جان سا وجود پڑا تھا۔

※ ※ ※

''عائشہ آپی! ڈیڈ کو کال کریں نا، دیکھیں کتنا ٹائم ہو گیا ہے وہ ابھی تک آے کیوں نہیں ہیں۔''

جویریہ ٹی وی لاؤنج سے اُٹھ کر کچن میں لگی عائشہ کے پاس آگئی۔ وہ اُسی وقت کالج سے آگئی تھیں۔

اُنہیں ڈرائیور لینے آیا تھا، کیوں؟ وجہ اُنہیں خود بھی نہیں پتا تھی۔

اُن سب کا انتظار کرتے کرتے اُنہوں نے کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ یہ اُنکے گھر کا اصول تھا کہ وہ تینوں وقتوں کا کھانا اکٹھے کھایا کرتے تھے۔ اب جب عصر بالکل سر پر تھی تو اُن سے بھوک برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ عائشہ کچن میں کھڑی کھانا گرم کر رہی تھی۔

''میں کالز کر چکی ہوں لیکن کوئی بھی نہیں اُٹھا رہا، پہلے کھانا کھا لو پھر کچھ کرتے ہیں۔'' اُس نے کھانا ٹیبل پر لگانا شروع کیا۔

''ڈیڈ کے شوروم بھی کال کری ئے گا۔'' جویریہ بھی وہیں کُرسی پر بیٹھ گئی۔

''اوکے، کھاؤ اب۔'' وہ مسکرائی۔

لیکن اُسکی مُسکراہٹ پر ہواؤں نے بھی ماتم کیا۔شاید یہ آخری کھانا تھاجو وہ اتنے سکون سے کھا رہی تھیں۔رعناء کے ہاتھ کا آخری کھانا۔ماں نہ ہو تو کوئی پکا کر نہیں دیتا۔

※※※

اسلام آباد میں مغرب قضاء ہو رہی تھی جب وہ اپنی ساری میٹینگز ختم کر کے ہوٹل کی لابی میں آکر بیٹھا تھا۔سیکریٹری نے اُسکا فون اور باقی چیزیں لا کر دیں۔

''گاڑی شوروم بجھوادی تھی؟''مصروف سے انداز میں پوچھا۔

''جی سر!''وہ رُکی،اُسکے تاثرات دیکھے اور پھر گویا ہوئی۔

''سر گھر میں کوئی ایمرجنسی ہو گئی ہے،سوری میں نے آپکے فادر کی کال ریسیو کی تھی۔''ڈرتے ڈرتے کہا۔

''اوکے، تھینکس۔''لہجہ سنجیدہ تھاالبتہ ماتھے پر اضطراری لکیریں اُبھریں۔پھر فون پر اُنگلیاں چلانے لگا۔

سب سے زیادہ کالز بجواماں کی تھیں،عدیل اور سُہیل کی تھیں۔کالز تو نبیل کی بھی تھیں۔اُسے اب پریشانی ہونے لگی تھی۔ایسا کیا ہو گیا تھا کہ سارا خاندان ہی کالز کر رہا تھا۔اُسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کس کو کال بیک کرے۔

پھر وہ کالز کو چھوڑے میسز پر آیا۔مناہل اور ہاجرہ کے ان گنت میسجز تھے۔اُس نے مناہل کی چیٹ کھولی اور ہر میسج کے ساتھ اُسکی رنگت بدلنے لگی۔

''بھابھی کا ایکسیڈینٹ ہو گیا ہے!''

''اسفند بھائی آپ کہاں ہیں؟''

''یار فون ہی اُٹھالیتا ہے بندہ ایسی بھی کیا یہ ٹینگز!''

''کال بیک کر لیں۔''

''پھپھو اور عُمائمہ کا ایکسیڈینٹ ہوا ہے، بجو اماں کو ہم سنبھال نہیں سکے اس لیئے اُنہیں لے کر کراچی جا رہے ہیں، عدیل بھائی اور اسماعیل یہیں ہیں۔ آپ بھی اگلی فلائیٹ سے کراچی ہی آ جائیں۔''

اسفند کا رنگ وہاں بیٹھے سُرخ ہو چکا تھا۔ سردی کسی پسِ پُشت میں چلی گئی تھی۔ اب وہاں صرف خوف تھا۔ کسی انہونی کا خوف۔ ماتھے پر اب لکیروں کے ساتھ ساتھ ٹھنڈے پسینے کے قطرے بھی تھے۔ بے اختیار اُس نے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔ ٹیبل پر پڑی پانی کی چھوٹی بوتل اُٹھائی اور ایک ہی سانس میں بہت سا پانی اندر اُتارا۔

''سر! سب خیریت ہے؟'' سامنے والے صوفے پر بیٹھی سیکریٹری نے مکمل پروفیشنل انداز میں پوچھا۔ وہ اُسکی پرسنل سیکریٹری تھی، وہ اپنے باس کے موڈز سمجھ لیتی تھی۔

www.novelsclubb.com

''ہاں، میری کراچی کی فلائیٹ بُک کروادو، یہ میٹنگز کو پوسٹ پون کردو۔'' وہ اسفند تھا، اپنے جذبات، اپنے تاثرات اور اپنے حالات پر فوراً قابو پالینے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

''جی سر!'' سیکریٹری نے مزید کوئی سوال نہیں کیا، لہجہ میں کچھ ایسا تھا جو اُسے چُپ کرا گیا۔ وہ جانتی تھی کہ اسفند کو اپنا خاندان خود سے بھی زیادہ عزیز تھا۔

فون ہاتھ میں پکڑے، ایک ہاتھ کی اُنگلیوں سے اُس نے ماتھے لر آئے پسینے کے قطرے صاف کیے اور پھر فون پر متوجہ ہو گیا۔ پہلی کال عدیل کو ملائی۔

''اسفند یار اتنی دیر؟ کب سے پورا خاندان تمہیں کالز کر رہا ہے اور تمہیں اپنے کام سے ہی فُرصت نہیں ہے؟'' رابطہ جڑتے ہی عدیل جیسے پھٹ ہی پڑا تھا۔ اُسکی آواز؟ وہ روئی ہوئی بھاری آواز تھی۔

اسفند مزید ٹھٹکا۔

''سب ٹھیک ہیں؟ پھپھو کیسی ہیں؟'' دھیمی سی آواز میں پوچھا۔

''اسفند پھپھو کا بہت بُرا ایکسیڈینٹ ہوا تھا اور۔۔۔'' وہ رُکا، پہت سے آنسو اندر اُتارے۔

''پھر؟'' اسفند کا دل زور سے دھڑکا۔ ریڈ سِگنل۔

''رعناء پھپھو چلی گئیں اسفند۔۔۔ پھپھو ہمیں چھوڑ کر چلی گئیں۔'' الفاظ تھے، اپنا اثر رکھتے تھے۔

اُسے اپنا دماغ گھومتا ہوا محسوس ہوا۔ اب کی بار چہرے کا رنگ سفید پڑ گیا۔ ریڑھ کی ہڈی تک ٹھنڈ کی خُنکی دوڑی۔ موسم زیادہ ٹھنڈا تھا یا پھر الفاظ؟

(''اسفند میاں!'') رعناء کی چہکتی آواز اُسکے کانوں میں گونجی۔

اسفند نے لب بھینچ لیئے۔ آنکھوں میں نمی اُبھری۔

(''تم نے اُن سب کے سامنے اُنہیں عورتیں کہا تو سوچ لو وہ کتنی ہیں۔۔۔'')

اُسکا جسم ٹھنڈا پڑ رہا تھا۔ دوسری طرف سے عدیل کی کپکپاتی آواز آ رہی تھی۔ وہ بھی اپنا رونا ضبط کر رہا تھا۔ مگر اسفند؟ وہ سُن کب رہا تھا۔ آنکھیں اب سُرخ ہو رہی تھیں۔ ہونٹ کپکپانے لگے تھے۔

("احمر یہ اسفند ہے، بات کرو۔")

("میرا بچہ!")

"(ٹھہر جاؤ اسفند میاں!")

کانوں میں بس رعناء کے الفاظ، اُنکے قہقہے اور کھلکھلاہٹیں ہی گونج رہی تھیں۔

"اسفند اسفند!" عدیل نے پُکارا۔

''ہاں۔۔۔م۔۔۔میں آرہاہوں۔۔۔آرہاہوں۔'' وہ بولا تو اُسے احساس ہوا کہ اسکی زبان بھی لڑکھڑا رہی تھی۔ گہری بھوری آنکھیں اب پانی سے بھر چکی تھیں۔ چہرے پر یکدم ہی دو جہانوں کی تھکن رقم ہوگئی تھی۔ دوسری طرف عدیل نے کچھ کہا تو اُس نے محض سر ہلایا اور فون بند کردیا۔

کتنی ہی دیر وہ وہیں بیٹھا رہا۔ فون ہاتھ میں پکڑے، وہ اپنے آپ کو یقین دلانے کی کوشش کررہا تھا۔ وہ مکمل برف تھا۔

(''تمہاری ماں کو بتاتی ہوں، بھئی بیٹا اب اسماعیل کے رنگ میں رنگ رہا ہے۔'')

الفاظ کی بازگشت بہت ظالم ہوتی ہے۔

اور گزرے ہوئے لمحوں کا پھر سے یاد آنا اُس سے بھی زیادہ ظالم۔

اسفند نے وہاں بیٹھے قدرت کے ہر ظلم کو صرف خاموشی سے سہا تھا۔ ایک بھی آنسو بہائے بغیر!

※※※

عُمائمہ بیڈ کے ساتھ ٹیک لگائے لیٹی تھی۔ایک ہاتھ پر سوئی تھی اور ایک ہاتھ کسی چوٹ کی وجہ سے سوجا ہوا تھا۔دونوں ہاتھ گود میں رکھے وہ خلا میں گھور رہی تھی۔چہرے کا رنگ پیلا پڑ گیا تھا اور جبڑے بھینچ رکھے تھے۔گردن کی رگیں اُبھری ہوئی تھیں اور سر کی چوٹ پر پٹی بندھی تھی۔

وہ شاک میں کم اور غصے میں زیادہ لگتی تھی۔

"عُمائمہ میرا بچہ۔۔۔"نبیل پوری بات بتانے کے بعد اب سِسک رہے تھے، بار بار اُسے پکارتے لیکن وہ؟ وہ اب اپنے اندر نفرت کا عنصر پیدا کر رہی تھی۔

ایک بہن کی بھائی سے نفرت کا عنصر!

"ڈیڈ!" کچھ لمحوں بعد مخاطب کیا، آواز پھٹی پھٹی سی تھی۔بغیر کسی ہمدردی اور دُکھ کے کھوکھلی آواز۔اُس نے اپنا سُوجا ہوا ہاتھ باپ کی طرف بڑھایا، یہ جیسے افسوس کا اظہار تھا۔

"جی میرا بچہ!" نبیل نے نرمی سے اُسکا ہاتھ تھاما۔

''ڈیڈ آپ سب کو بتائیں، اسفند کو، بجو اماں کو، سب کو۔''اُس نے اُنکے چہرے کو دیکھا۔آنکھیں وحشت لیۓ ہوۓ تھیں۔ نفرت، غصہ!

''میں۔۔۔میں کیسے۔۔۔کیسے بجو اماں کو بتاؤنگا کہ رعناء؟۔۔۔اُنکی لاڈلی رعناء؟۔۔۔''وہ پھر سے رونے لگے تھے۔

''مجھے دیں فون، میں بتاتی ہوں سب کو۔''

اُسکے لہجے میں کچھ ایسا تھا جو نبیل کو ڈرا گیا۔اُنہوں نے نم آنکھوں سے اُسے دیکھا، وہ پُر سکون تھی یا بے تاثر؟اُنہیں سمجھ نہیں آئی۔وہ اپنی جگہ سے اُٹھے، آنسو پونچھے اور اُسکے سر پر ہاتھ رکھا۔

''میں آتا ہوں۔''اب کے بولے تو آواز زکام زدہ مگر مضبوط تھی۔اُس نے محظ سر ہلا دیا۔نبیل کمرے سے باہر نکل آۓ۔اُنہیں سب کو جمع کرنا تھا۔

عُمائمہ کیلئے رعناء کی موت جہاں تکلیف دہ تھی، وہیں اُسکے بھائی کی طرف سے نفرت انگیز۔ وہ عُمائمہ تھی۔ اُسے نہ تو اپنے الفاظ پر قابو تھا اور نہ ہی اپنے تاثرات پر۔ یہ پتھر ہونا اُس نے کہاں سے سیکھا تھا؟ اتنی جلدی کیسے سیکھ لیا تھا؟ کہتے ہیں کہ جب قدرت آپ سے آپکی ماں چھین لیتی ہے تو بدلے میں آپکو وہ سب ایک پل میں سِکھا دیتی ہے جسے سیکھتے ہوئے آپ عمریں گزار دیتے ہیں۔

عُمائمہ نے بھی قدرت کے اُس سفاک سبق کو اکیلے سیکھا تھا۔ ایک بھی آنسو بہائے بغیر!

※※※

دو منزلہ بنگلے نما گھر میں مکمل خاموشی تھی۔ ازان کی آواز قریبی مسجد سے صاف سُنائی دے رہی تھی۔ عصر کی سُنہری دھوپ کھڑکیوں سے چھِن چھِن کر اندر آرہی تھی۔ بجّو اماں کے سامنے لگی ایل ای ڈی پر کردار گونگے بنے اپنا ناٹک جاری رکھے ہوئے تھے۔ سامنے پڑی بڑی میز پر چائے کے کپوں کی ٹرے رکھی تھی، صوفے کے ساتھ ٹرالی تھی جس میں بسکٹ اور باقی لوازمات سجائے تھے۔

مناہل دائیں طرف کے صوفے کے ہتے کے ساتھ ٹیک لگائے ٹانگیں لمبی کیے بیٹھی اپنے فون میں مصروف تھی۔ گود میں ایک پلیٹ رکھی تھی جس میں سے گاہے بگاہے ڈرائے فروٹس پھانک رہی تھی۔ بائیں طرف والے صوفے پر ہاجرہ بیٹھی تھی۔ دوپٹہ سر پر جمائے وہ ہاتھ میں مگ پکڑے پورے انہماک سے ازان سُن رہی تھی۔

"السلام علیکم!" عدیل نے لاؤنج میں آکر نعرہ لگایا۔ اُن سب نے چونک کر گردن اُٹھائی اور خونخوار نظروں سے گھورا۔ وہ جو اکیڈمی سے آرہا تھا، ایک بیگ پیک کندھے پر ڈالے، ایک ہاتھ میں لیپ ٹاپ بیگ اُٹھائے، اُنکی نظروں سے خائف ہوا، ایک ہاتھ کی دو انگلیوں سے کان کو چھوا اور ہاجرہ کے ساتھ ہی آکر بیٹھ گیا۔

ازان مکمل ہوتے ہیں میز پر پڑا ابجو اماں کا فون چنگھاڑا۔ مناہل نے برائے نام سر پر ٹکا یا دوپٹہ اُتارا اور بازو لمبا کر کے بجو اماں سے پہلے ہی فون اُٹھا کر دیکھا۔

''نبیل انکل کی کال ہے!''خوشی اور حیرت کی ملی جلی کیفیت میں بتایا۔

''بِسم للہ!''اماں مُسکرائیں اور فون اُسکے ہاتھ سے تھام لیا۔

''السلام علیکم میرا بچہ! کیسے ہو؟''فون اُٹھاتے ہی وہ چہک کر بولیں۔ نبیل کو اُنکی آواز اپنا دل چیرتی ہوئی محسوس ہوئی۔

''وعلیکم السلام اماں۔''وہ رُکے، بہت کچھ سوچا، پھر گویا ہوئے۔

''اماں میں نے کچھ بتانا ہے آپکو، اسفند کہاں ہے؟''بات کرتے کرتے اُسکا خیال آیا، وہ یہاں کال کرنے سے پہلے اُسے کر کے دیکھ چکے تھے، اُس نے اُٹھایا نہیں تھا، وہ جانتے تھے کہ بس وہی ہے جو بجو اماں کو سنبھال سکتا ہے۔

''یااللہ خیر! کیا ہوا؟ سب ٹھیک ہیں؟''اُنہیں بے اختیار اپنی تھوڑی دیر پہلے والی بیچینی یاد آئی۔ اُنکے جملے پر وہاں بیٹھے وہ سب متوجہ ہوئے۔ مناہل پاؤں سمیٹ کر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ پلیٹ اُٹھا کر میز پر

رکھ دی۔اسماعیل جو ابھی آیا تھا اور منہ چھپائے اپنے کمرے میں جانے کی تگ ودو میں تھا اُنکی بات سُن کر لاؤنج کے درمیاں میں ہی رُک گیا۔

''اماں اسفند کہاں ہے؟اُسے فون دیں۔''اب کے نبیل کے لہجے میں بجو اماں کو نمی سی محسوس ہوئی۔

''اسفند اسلام آباد میں ہے نبیل میاں،تم مجھے بتاؤ،رعناء کہاں ہے؟''اُنکا لہجہ اب بدلہ۔اب وہ ایک ماں کا ڈرا ہوا لہجہ ہر گز نہیں تھا۔

اُنکے سوال پر ہسپتال کے ویٹنگ ایریا میں بیٹھے نبیل نے کچھ سیکینڈز کیلیے اپنی آنکھیں موندلیں۔

سارا مسئلہ ہی رعناء کا تھا۔

''اماں رعناء کا بہت بُرا ایکسیڈینٹ ہوا ہے۔۔۔اور وہ۔۔''الفاظ جوڑے،

"رعناءاب کوما میں ہے، بہت بُری حالت ہے اماں۔" آخری جملے میں جھوٹ ملاتے ہوئے اُنکا صبر جواب دے گیا اور وہ رو پڑے۔ وہ فون پر اُنہیں رعناء کے مرنے کا نہیں بتا سکتے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اُنہیں کچھ ہو اور وہ یہاں آ ہی نہ سکیں۔

اور دوسری طرف بجو اماں؟ اُنکے کانوں میں اُنہی دو جملوں نے کسی سیسہ جیسا اثر دکھایا تھا۔ وہاں بیٹھے اُنکا رنگ اُڑا اور پھر اُنہیں اپنے پیروں کے نیچے سے زمین نکلتی ہوئی محسوس ہوئی۔

"کیا ہوا اماں؟" عدیل نے اُنکے تاثرات غور سے دیکھے اور فکر مندی سے پوچھا۔ مناہل نے اپنا فون بند کیا اور آگے کو ہو کر بیٹھی۔ دور کھڑا اسماعیل بھی اُنکے قریب آیا اور اماں کے صوفے کے ہتھے پر ہی بیٹھ گیا۔

"رعناء!" بجو اماں نے خالی سی نگاہ اُٹھا کر عدیل کو دیکھا اور پھر بے جان ہوتے ہوئے ہاتھ سے فون اُسے تھما دیا۔ ہاتھ ڈھیلا گود میں گر گیا۔ ہاجرہ اُنہیں ایسے دیکھ کر بے اختیار اپنی جگہ سے اُٹھی، مگ میز پر پٹخا اور اُنکے پاس آکر اُنکا ٹھنڈا ہوتا ہاتھ تھام لیا۔

"اماں کیا ہوا ہے پھپھو کو؟ بتائیں تو؟" وہ اُنکا ہاتھ سہلا کر گرم کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"ماما! شائستہ تائی! پانی لائیں!" مناہل اپنی جگہ سے اُٹھی اور کچن کی طرف آوازیں دیتی بجو اماں کے دوسری طرف بیٹھ گئی۔

عدیل فون کان کو لگائے لاؤنج سے باہر نکل گیا اور اسماعیل بھی اُسکے پیچھے ہی۔ آصفہ اور شائستہ تیزی سے کچن سے نکلتی بدحواسی میں اُن تک آئیں۔

"نبیل انکل بس ہم سب ابھی نکلتے ہیں، پھپھو کو کچھ نہیں ہوگا۔" وہ نبیل کی آدھی بات سُن کر ہی تیز تیز کہہ رہا تھا۔

''میرا بچہ! تمہاری پھپھو اب نہیں رہیں، بہت بُرا ایسیڈینٹ ہوا تھا، رعناء اب ہم میں نہیں رہی۔''

وہ بتا رہے تھے اور عدیل دَم سادھے سُن رہا تھا۔ زبان کو تو جیسے کُفل لگ گئے تھے۔ وہ کیا سمجھ رہا تھا اور یہ کیا ہو گیا تھا۔

''یہ۔۔۔ یہ کیا؟'' بس یہی الفاظ ادا ہوئے۔ ناک اور کان فوراً سُرخ ہو گئے۔ اسماعیل اُسکے کندھے کے پاس کھڑا آنکھوں میں پریشانی لیے اُسکے ہر تاثر کو بے صبری سے دیکھ رہا تھا۔

''بجو اماں کو ابھی اِس لیے نہیں بتایا کہ اُنکی طبیعت مزید نہ بگڑ جائے، اسفند بھی نہیں ہے اُنہیں کون سنبھالے گا، تم سب آجاؤ میرا بچہ۔۔۔ آجاؤ۔''

''کیسے۔۔۔ کیسے ہوا ایکسیڈینٹ نبیل انکل؟'' آواز پھٹ رہی تھی۔ گلا رُندھ رہا تھا۔ اسماعیل نے بنا آواز ''کیا ہوا؟'' پوچھا۔ اُس نے نظرانداز کر دیا۔

''وہ عُمائمہ کے ساتھ تھی، پتا نہیں کیسے ہوا۔۔۔میں پہنچا تو بہت۔۔۔بہت خون بہہ گیا تھا۔''وہ اضطراری انداز میں اپنا ایک ہاتھ جھلاتے ہوئے بتا رہے تھے۔

''عُمائمہ؟''ڈرتے ڈرتے پوچھا۔وہ ایک اور اپنا نہیں کھونا چاہتا تھا۔اسماعیل ابھی بھی ناسمجھوں کی طرح ماتھے پر بل لیئے بس اُسے گھور رہا تھا۔

''وہ ٹھیک ہے۔۔۔میرے اللہ کا کرم ہے۔۔وہ جس حال میں رکھے وہی بہترین ہے۔۔۔میرا بچہ تم سب آجاؤ۔۔۔میں۔۔میں بہت اکیلا ہوں۔''آخر میں آواز کانپی۔عدیل کی آنکھ سے ایک موتی نکلا اور مٹی کی نظر ہو گیا۔اسماعیل نے آگے آکر اُسکا بازو تھاما۔بھائی کو روتا دیکھنا تکلیف دہ تھا۔

''ہم۔۔۔ہم آرہے ہیں نبیل انکل۔۔آپ۔۔آپ خود کو سنبھالیں پلیز۔۔''بھرّائی ہوئی آواز میں کہا،وہاں ہر کو سنبھلنے کی ضرورت تھی۔

''میں سُہیل کو فون کرتا ہوں۔''زکام زدہ سانس اندر کھینچی اور فون بند کر دیا۔عدیل کا فون والا ہاتھ بھی پہلو میں آن گرا۔

''کیا ہوا؟کیوں رو رہے تھے؟''اسماعیل روہانسا ہو رہا تھا۔

''اسماعیل۔۔۔پھپھو۔۔۔بہت بُرا۔۔۔بہت بُرا ہوا۔''وہ نفی میں سر ہلاتا ایک ہاتھ سے اُسکا کندھا تھامے،ایک ہاتھ سے اپنی آنکھیں رگڑ رہا تھا۔

''ہوا کیا ہے؟''وہ رو دینے کو ہوا۔

''پھپھو۔۔۔رعناء پھپھو ہمیں چھوڑ کر چلی گئیں۔۔۔اللہ تعالٰی نے اُنہیں اپنے پاس بُلا لیا۔''اسماعیل کو جھٹکا لگا۔بے اختیار اُس سے بازو چھڑا کر دو قدم دور ہوا۔چہرہ ایسا تھا جیسے کوئی بھوت دیکھ لیا ہو۔بھوری آنکھیں ایک سیکینڈ میں نمکین پانی سے بھریں اور چھلک گئیں۔اُسکے سامنے عدیل کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو وہ اِس بات کو مزاق سمجھتا،لیکن عدیل اتنا گھٹیا مزاق نہیں کر سکتا تھا۔

''سنبھالو خود کو اسماعیل۔۔۔ایسے مت رؤ۔۔''اُسے روتا دیکھ کر اُسکے قریب آیا۔

''پھپ۔۔۔پھپھو؟''گلے میں اب ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔

''اسماعیل۔۔ایسے مت رؤ پلیز۔۔بجو اماں کو ابھی نہیں بتانا۔۔۔سنبھالو خود کو۔۔۔صبر کرو اسماعیل۔''عدیل نے اُسے گلے لگایا۔

''جائیں۔۔۔بتائیں سب کو۔۔میں۔۔میں کیسے؟۔۔''وہ ہچکیوں کے درمیان اُسکے کندھے سے سر اُٹھا کر پتا نہیں کیا کہنا چاہ رہا تھا۔پھر اُس سے الگ ہو کر پورچ کی طرف بڑھ گیا۔وہ اب اندر نہیں جا سکتا تھا۔وہ رونا ضبط نہیں کر سکتا تھا۔لان کی طرف بڑھ گیا۔عدیل تنہا کھڑا رہ گیا۔چند منٹ، چند ساعتیں، خود کو کمپوز کیا۔رعناء کا چہرہ بار بار آنکھیں دُھندھلا رہا تھا۔پھر وہ منہ پر ہاتھ پھیرتا اندر کی طرف مڑا۔وہ بیٹا تھا، بڑا بیٹا۔اُسے بڑا بن کے دکھانا تھا۔

کچھ رشتوں کی موت ہمیں افسردہ کرتی ہے، کچھ کی دُکھ دیتی ہے اور کچھ کی ہمیں توڑ دیتی ہے۔ لیکن کچھ رشتے ہم سے چھِن جائیں تو ہم اور ہماری زندگیاں لاغر ہو جاتی ہیں۔ لاغر اور معذور، اور معذوری کسی جونک کی طرح ساری زندگی ہماری ذات کے ساتھ چمٹ جاتی ہے۔

بجواماں کے پورے خاندان کیلیۓ رعناء کی موت بھی ایک معذوری ہی تھی۔

اسماعیل لان عبور کرتا، اپنے منہ پر ہاتھ رکھے اپنی ہچکیاں روکتا، کُرسیوں میں سے ایک پر آ کر گرنے کے انداز میں بیٹھا۔ رعناء اُن سب کیلیۓ اُنکی زنگی کا حسین ترین حصہ تھیں۔ وہ پھپھو کم اور ایک دوست زیادہ تھیں۔ وہاں بیٹھے اسماعیل کے روتے وجود نے زندگی کی ایک حقیقت کو جانا کہ یہاں کوئی بھی چیز کسی بھی وقت ختم ہو سکتی ہے۔ انسان کی اپنی پلیننگ، اپنی ذات کوئی معنی نہیں رکھتی۔ جہاں قدرت نے آپکا امتحان لینا ہے وہاں قدرت اِس بات کو نہیں سوچے گی کہ آپکو کس وقت، کس چیز کے ہونے، یا نہ ہونے سے کیا فرق پڑے گا۔ قدرت بس امتحان لے لے گی۔ آزمائش اٹل ہے۔

※ ※ ※

سیٹ کی پُشت کے ساتھ سر ٹکائے، وہ بے تاثر چہرہ لیے بیٹھا تھا۔ سُرخ آنکھیں کسی غیر مرئی نقطے ہر جمائے ہوئے تھا۔ جہاز اپنی منزل کی طرف رواں تھا اور وہ؟ وہ کچھ بھی نہیں سوچ رہا تھا۔ کیسے اُسکی ساری پلیننگ دھری کی دھری رہ گئی تھی۔ وہ تو گھر سے پندرہ دن کے کام پر نکلا تھا نا۔۔ لیکن یہ کیا؟ اُسکا گھر اُس وقت کیا منظر پیش کر رہا ہو گا یہ سوچ کر ہی اُسے جھرجھری سی آئی۔ ایک ماتم زدہ ویران گھر!

ناجانے کب اُس نے ہار کر آنکھیں موندیں۔ دماغ کے پردوں پر بے اختیار اُسکے خواب کا منظر لہرایا۔ عُمائمہ کا سُرخ دوپٹہ جو ہوا میں معلک تھا۔ اور اُسکی چیختی ہوئی آواز۔

اسفند نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ سارا جہاز اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھا۔ کوئی کھا رہا تھا، کوئی سو رہا تھا اور کوئی بس سونے کی تیاری میں تھا۔ لیکن اسفند؟ وہ بے چین تھا۔ وہ کیسے فجر کے وقت دیکھے گئے بُرے خواب کو نظر انداز کر سکتا تھا۔

اسفند نے وہاں بیٹھے ایک بار پھر ویسا ہی خوف محسوس کیا جیسا اُس نے خواب میں کیا تھا۔

کسی کو کھو دینے کا خوف!

اپنوں کے بچھڑ جانے کا خوف!

※ ※ ※

دور کہیں ابھی بھی مغرب کی آخری ازان موزن کے لبوں پر تھی۔ دو منزلہ قصر میں خاموشی اپنا راج جمائے بیٹھی تھی۔ قصر کے دائیں طرف سے ہوتی رَوش کو کہ انیکسی کی طرف جاتی تھی، وہ انیکسی کی

طرح ہی آہستہ آہستہ اندھیرے میں ڈوب رہی تھی۔آج لان کی بھی بتیاں کسی نے نہیں جلائی تھیں۔

لاؤنج میں قدم رکھا تو ٹی وی اپنی پوری چیخ و چنگھاڑ سے اپنے کام میں مصروف تھا۔سامنے صوفے پر جویریہ نیم دراز سی لیٹی تھی۔صوفہ تھرو(ایسا چھوٹا کمبل جو صوفے پر پھینکنے کے انداز میں رکھا جاتا ہے)پاؤں پر ڈالے ریموٹ گود میں رکھے پوری طرح ٹی وی کی طرف متوجہ تھی۔

دفعتاً فضاء میں ارتعاش پیدا ہوا اور کانوں میں ایمبولینس کے سائرن کی ہلکی ہلکی آواز بھی گونجنے لگی۔

وہ نوٹس کیے بغیر اسی طرح لیٹی رہی۔

لاؤنج کے ایک طرف سے سیڑھیاں اُوپر جاتی تھیں۔عائشہ ہاتھ میں چائے کا خالی مگ اُٹھائے نیچے آرہی تھی۔وہ سفید اور کالی دھاریوں والے کھُلے ٹراؤزر اور شرٹ میں ملبوس تھی۔ہم رنگ دوپٹہ

گردن سے گزارا ہوا تھا۔پاؤں میں جرابیں پہنے وہ سفید ٹائلوں پر سہج سہج کر قدم رکھ رہی تھی کہ کہیں گر نہ جائے۔

ایمبولینس کی آواز تیز ہوتی جا رہی تھی،وہ جیسے جیسے قدم نیچے کی طرف بڑھا رہی تھی،آواز کان پھاڑتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔تیز اور تیز!

اور پھر آواز بہت قریب آ کر رُک گئی۔اتنی قریب کہ ٹی وی دیکھتی جویریہ نے چونک کر گردن موڑی اور لاؤنج کے دروازے کو دیکھا۔دروازہ بند تھا اور دروازے کے دائیں بائیں جانب دروازے جتنی ہی لمبی اور ایک ایک فُٹ چوڑی گلاس والز تھیں۔پھر اُس معصوم دل نے گردن واپس موڑی اور آخری زینہ اُترتی عائشہ کو دیکھا۔دونوں کی آنکھوں میں ایک ہی تاثر تھا۔

حیرت،خوف اور بے بسی!

دونوں نے واپس دروازے کو دیکھا۔اب کے باہر سے مین گیٹ کھولنے کی بھی آواز آئی۔عائشہ تیزی سے آگے آئی، کپ پھینکنے والے انداز میں ٹیبل پر رکھااور لاؤنج سے باہر بھاگی۔اب کے بھاگتے ہوئے اسے پھسلنے کا خوف نہیں آیا۔

اُس نے ڈبل دروازے کی چٹخنیاں تیزی سے گرائیں اور پورادروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔جویریہ نے اُسے اِس طرح بھاگتے دیکھاتو پاؤں سے کمبل اُتار پھینکااور اُسکے پیچھے ہی بھاگی۔

سارے لان کی بتیاں بند ہونے کی وجہ سے وہاں صرف ایمبولینس کی لال اور نیلی بتیاں گردش کر رہی تھیں۔اور سائرن کی آواز؟ وہ کان پھاڑ رہی تھی۔

وہ دونوں باہر نکل کر پورچ سے ہوتی لان کی رَوش پر آگئیں۔گیٹ کھلا اور نبیل نمودار ہوئے۔لٹے پٹے سے بدحال نبیل۔

''ڈیڈ!'' عائشہ نے آواز دی۔

نبیل نے گردن موڑ کر اُنہیں دیکھا۔ وہ دور کھڑی تھیں۔ بے بسی سے بس اُنہیں دیکھے گی ئے۔ ایک سیکینڈ، دو سیکینڈ۔۔۔ اور پھر گردن موڑلی۔ وہ اب بڑا گیٹ کھول رہے تھے۔ ایمبولینس نے اندر آنا تھا۔

جویریہ نے بڑی بہن کا بازو تھام رکھا تھا اور وہ دونوں آہستہ آہستہ ڈرائیو وے پر آ گے آ رہی تھیں۔

''ڈیڈ!'' اب کے کانپتی ہوئی جویریہ نے آواز دی۔ پتا نہیں وہ سردی سے کانپ رہی تھی یا پھر خوف سے۔ نبیل نے اِس بار پیچھے نہیں دیکھا۔

گیٹ پورا کھول دیا اور ایک طرف ہو گی ئے۔ ایمبولینس اپنی چنگھاڑتی ہوئی آواز کے ساتھ اندر آئی اور عین اُن دونوں کے سامنے آن رُکی۔

عملہ تیزی سے دروازہ کھولتا باہر آیا اور سٹریچر باہر نکالنے لگا۔ نبیل اپنی جگہ سے ہلے اور اُن دونوں کے پاس آگئے۔ وہ دونوں بے اختیار باپ کی طرف لپکیں اور ایک ایک بازو کے ساتھ چمٹ گئیں۔

"ک۔۔کو۔۔کون؟" عائشہ کی آواز کسی کھائی میں سے آئی۔

"رعناء!" سٹریچر اب آدھا ایمبولینس سے باہر تھا۔ عین اُن تینوں کے سامنے۔

"مام؟ مام!" جویریہ چیخنے والے انداز میں پُکار رہی تھی۔ بازو ہنوز نبیل کی بازو کے ساتھ لپیٹ رکھے تھے۔

وہ تینوں آگے بڑھے۔ سٹریچر اب پورا باہر تھا۔ عملہ بُت بنا ایک طرف ہو گیا۔ سائرن کی آواز اُسی طرح کان پھاڑ رہی تھی۔ نیلی اور لال بتیاں آنکھوں میں چبھن کرنے لگی تھیں۔

ہر چیز حرکت میں تھی سوائے سٹریچر پر پڑے اُس سفید کپڑے سے ڈھکے وجود کے۔

عائشہ قریب آئی اور گردن اُٹھا کر باپ کو دیکھا۔ وہ لب بھینچے اپنا رونا ضبط کر رہے تھے۔ اُس نے باپ کے بازو سے ہاتھ ہٹایا اور آگے بڑھایا۔ ہاتھ کانپ رہا تھا۔ صرف ہاتھ؟ اُسکا تو پورا وجود کسی پتے کی مانند لرز رہا تھا۔ آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ لیکن آنسوؤں کی ہوش کسے تھی؟

اُس نے کانپتا ہاتھ آگے بڑھایا، دل بڑا کیا اور چہرے کی طرف سے کپڑا ہٹا دیا۔ کپڑا ہٹا کر تیزی سے ہاتھ واپس کھینچ لیا اور باپ کے سینے میں منہ چھپا لیا۔ ساتھ کھڑی جویریہ نے دلخراش چیخ ماری اور پھر دونوں ہاتھ بڑھا کر رعناء کا ٹھنڈا ہوا ہاتھ تھام لیا اور زار و قطار رونے لگی۔

''مام! مام؟۔۔اُٹھیں نا مام!'' جویریہ ہاتھ سہلا رہی تھی۔

''میرا بچہ!'' نبیل عائشہ کو لیے ہی آگے بڑھے اور دوسرا بازو جویریہ کے گرد حائل کیا۔ عائشہ نے سر اُٹھایا اور دوبارہ رعناء کے چہرے پر نظر ڈالی۔ بے اختیار منہ پر ہاتھ رکھ لیا، وہ چیخنا نہیں چاہتی تھی۔ باپ کا بازو چھوڑا اور ماں کے قریب آ گئی۔ رعناء کا چہرہ دونوں ہاتھوں کے پیالے میں لیا۔ بکھرے

بالوں کو سُلجھایا۔یہ وہ رعناء تھیں جو ہر روز صبح اُٹھ کر لاکھ جتن کر کے اپنے کندھے تک آتے بالوں کو ایک خاص شکل میں ڈھال کر اپنا وجود مکمل کرتی تھیں۔عائشہ نے اپنے بچپن سے لے کر بیس سال کی عمر تک اپنی ماں کے بال اتنے بے ترتیب کبھی نہیں دیکھے تھے۔آنکھوں سے آنسو ہنوز بہہ رہے تھے،اب تو ناک بھی بہنے لگی تھی۔مگر ہر چیز کا احساس تو ہوش سے ہوتا ہے۔مائیں مر جائیں تو ہوش کہاں رہتی ہے۔

جویریہ اب ماں کے ہاتھ کے اوپر ماتھا ٹِکا کر بڑبڑاتے ہوئے بس روئے جا رہی تھی۔وہ بارہ تیرہ سالہ ننھا،معصوم دل اب ساری زندگی کیسے اکیلے دُنیا سے لڑے گا۔

اُسی لمحے گیٹ کے باہر ایک اور گاڑی نے ہارن بجایا۔روتی ہوئی عائشہ نے چونک کر گردن اُٹھائی۔دل بند ہو جانے کو ہوا۔عُمائمہ؟بہن تو اُسے اب یاد آئی تھی۔بے اختیار باہر دیکھنے کے بجائے باپ کو دیکھا۔وہ باہر ہی دیکھ رہے تھے۔اب کے آنے والی گاڑی نبیل کی ہی تھی۔ڈرائیور میت کی چارپائی

لے کر آیا تھا۔ گیٹ کے سامنے کھڑی گاڑی میں سے جب میت کی چارپائی نکالی تو اُن دونوں کی چیخوں پر قدرت کی ہر چیز نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ بُت بنا عملہ حرکت میں آیا اور چارپائی اندر لے آیا۔ نبیل نے رعناء کے وجود کے ساتھ لپٹی اُن دونوں بیٹیوں کو الگ کیا اور اپنے ساتھ لگا کر ایک طرف کیا۔ پھر دونوں کو ایک دوسرے کا سہارا بنائے کھڑا کر کے عملے کے ساتھ مل کر رعناء کو اُس چارپائی میں ڈال دیا۔

وہ دونوں تھوڑے فاصلے پر کھڑیں چیختی رہیں، چلاتی رہیں۔

ماں کو آوازیں دیتی رہیں۔

قدرت نے ہنوز کانوں پر ہاتھ رکھے تھے۔

ماں خاموش تھی۔

قدرت تو ویسے ہی سُن نہیں رہی تھی۔

وہ سہج سہج کر قدم رکھتی عائشہ پھسلی نہیں تھی۔

ایک جھٹکے میں منہ کے بل گری تھی۔

※※※

کراچی ائیرپورٹ پر اُترے اُنہیں اب ایک گھنٹہ ہونے کو تھا۔دو گھنٹے کی مسلسل فلائیٹ کے بعد اب ایک گھنٹہ مزید انتظار اُنہیں کسی پُل صراط کی طرح لگ رہا تھا۔بجو اماں، آصفہ، شائستہ، ہاجرہ، مناہل، آمنہ، سُہیل اور افضل۔یہ جانتے ہوئے بھی کہ ایک انہونی اُنکی منتظر تھی،اُنہیں جانے کی جلدی تھی۔

رعناء کی موت کی خبر ابھی بس سُہیل اور افضل کو تھی۔

"آصفہ!" سُہیل نے آواز دی۔وہ سب ویٹنگ ایریا میں کھڑے تھے۔بمشکل ایک کُرسی ڈھونڈ کر بجو اماں کو بٹھادیا تھا۔آصفہ نے گردن موڑ کر شوہر کو دیکھا۔

''یہاں آؤ۔''آنکھوں سے اشارہ کیا،''شائستہ۔''

آصفہ نے شائستہ کا بازو ہلایا اور اُنہیں ساتھ لے کر سُہیل کے ساتھ چل پڑیں۔

''کہاں جا رہے ہو؟اور یہاں کیوں بیٹھے ہو؟گھر چلو۔''اماں اب تنگ آگئی تھیں۔سامنے کھڑی افضل کو جھاڑا۔اُنہوں نے آرام سے ڈانٹ سُنی اور پھر اُنکے پاؤں میں بیٹھے۔وہ حیرانگی سے دیکھتی رہیں۔مناہل اور ہاجرہ نے بھی ایک دوسرے کو دیکھا۔

''اماں!تحمل سے میری بات سُنیں۔''تمحید باندھنا چاہی،گلے میں کچھ اٹکا۔

''ٹھیک ہے،سُن رہی ہوں۔''ماتھے پر لکیروں کا جال سا بنا اور نظریں اُٹھا کر مناہل اور ہاجرہ کو دیکھا۔

دونوں نے کندھے اُچکا دیئے۔اُنہیں واقعی نہیں پتا تھا۔

"امّاں رعناء۔۔۔"ماں کی آنکھوں میں دیکھتے افضل کی آنکھیں موتیوں سے بھر گئیں۔اُنہوں نے شدت سے چاہا کہ ماں سمجھ جائے،وہ الفاظ۔۔۔وہ "مرنے" جیسے الفاظ اپنی بہن کیلیئے ادا کرنا دل چیر دینے جیسا تھا۔

"کیا رعناء؟"بجو اماں کی آواز کانپی۔وہ سمجھ گئی تھیں شاید،لیکن سُننا چاہتی تھیں۔

"رعناء اب ہم میں نہیں رہی۔آپکی رعناء ہم سب کو چھوڑ کر چلی گئی اماں۔"آنکھوں کے موتی گالوں پر بہنے لگے۔ گردن جھُکا دی۔ہاجرہ نے اپنی ہچکی روکنے کو ہاتھ منہ پر رکھ لیا ار مناہل نے اُسکا سہارا لیا۔آنکھیں نم ہوئیں۔

"مجھے اندازہ تھا میرا بچہ۔۔۔"جھریوں زدہ کانپتا ہاتھ افضل کے کندھے پر رکھا۔افضل نے بھیگا چہرہ اُٹھا کر ماں کو دیکھا۔

''تم لوگ کیا سمجھتے ہو؟ماں کو کیسے نہیں پتا چلے گا کہ اُسکے جگر کا ٹکڑا زندہ ہے یا نہیں؟یہ جو تم سب بار بار اپنے آنسو چھُپانے کی کوششیں کررہے ہو، فون آتا ہے تو اُچھل پڑتے ہو، باہر جا کر سُنتے ہو۔کیا ایک ایکسیڈینٹ پر سارا خاندان اُٹھا کر کراچی آگی ئے ہو۔کیا سمجھتے ہو ماں پاگل ہے؟''رُک کر سانس لیا، گردن اُٹھا کر سامنے کھڑی روتی ہوئیں ہاجرہ اور مناہل کو دیکھا۔

''یہاں آؤ!''دونوں کو اپنے ساتھ لگایا۔وہ بھی وہیں نیچے اُنکے گھٹنوں کے پاس ہی بیٹھ گئیں۔

''صبر کرو میرے بچو۔۔۔میرے اللہ کی چیز تھی،اُنہوں نے واپس لے لی۔''اُن تینوں کے گرد بازو پھیلائے اُنہیں حوصلہ دینے لگیں۔خود بھی رو رہی تھیں۔

وہ جو سوچ رہے تھے کہ ماں کو کون سنبھالے گا،اُسی ماں نے اُن سب کو سنبھالنا تھا وہ یہ کیسے بھول گی ئے تھے۔

دونوں ٹیکسیاں اپنے مقام پر پہنچیں تو دور سڑک سے اُنہوں نے گیٹ سے نکلتی ہوئی ایمبولینس کو دیکھا۔

"یااللہ رحم کرنا! یا میرے پروردگار رحم!" بجو اماں نے تسبیح والا ہاتھ اپنے دل پر رکھا۔

گاڑیاں عین گیٹ کے سامنے رُکیں۔ ڈرائیو وے پر کھڑے نبیل نے خالی سی نظروں سے اُنہیں دیکھا۔ ایک ایک کر کے اُترتے بجو اماں کے پورے خاندان نے ایک جیسی تکلیف، ایک جیسا کرب محسوس کیا تھا۔

سُنو تم یاد رکھنا۔۔

کہ جب بھی ملو تو

دُعا یہی کرنا۔۔۔

کہ اگلی بار ملو تو۔۔۔

خوشی میں ہی ملو

ہنستے ہوئے ہی ملو۔۔۔

کہ غم تو ایک دیو ہے۔

جو تم سے تمہارے اپنے،

چھین لے جاتا ہے۔

سُنو تم یاد رکھنا!

※※※

''ڈیڈ!'' عائشہ کچن میں کھڑی بوتل سے پانی کا گلاس بھر رہی تھی۔ آواز بھرّائی ہوئی تھی، آنکھیں نم تھیں اور ناک زکام زدہ۔ کچن کی گلاس والز کے باہر رات کا اندھیرا ہر سُو پھیلا ہوا تھا۔ نبیل جو کچن میں جھانک کر واپس مڑ رہے تھے، اُسکی آواز پر اندر آئے۔

''عُمائمہ کیسی ہے؟'' پانی کا گلاس نبیل کو تھمادیا۔

''ٹھیک ہے وہ، معمولی سی چوٹیں آئی ہیں، صبح تک لے آؤنگا۔'' کہہ کر گلاس لبوں سے لگالیا۔عائشہ نے ایک نظرلاؤنج کی طرف ڈالی۔

پورے لاؤنج میں سفید چادریں بچھادی گئی تھیں۔ تھوڑی دیر پہلے والی وحشت اب ماتم زدہ ہچکیوں اور سِسکیوں میں تبدیل ہوگئی تھی۔بجو اماں اپنے گھٹنوں کے درد کی پرواہ کیے بغیر رعناء کے پاس ہی نیچے بیٹھی تھیں۔ہاتھ میں تسبیح تھی اور مسلسل رو رہی تھیں۔ گود میں جویریہ کو لٹایا تھا، وہ سِسک سِسک کراب سوتی جاگتی حالت میں تھی۔

''مجھے اُسکے پاس لے جائیں ڈیڈ۔''اُس نے جیسے منت کی تھی۔

''اُسکے پاس جا کر کیا کرو گی میرا بچہ، وہ چُپ ہے، کچھ بول نہیں رہی، بولتی ہے تو ایسا لگتا ہے ٹھنڈ زیادہ ہو گئی ہے، غم زیادہ ہو گیا ہے، وہ اتنی بہادر نہیں ہے جتنی نظر آ رہی ہے۔'' نبیل نے نم آنکھوں سے گلاس اُسے واپس تھما دیا۔

''پھر آپ اُسے ابھی گھر لے آئیں، وہ اکیلی نہیں رہ سکتی، وہاں کیسے رہ رہی ہے، آپ پلیز اُسے لے آئیں۔'' عائشہ نے گلاس واپس رکھا اور گال پر بہتا آنسو رگڑا۔

''ڈیڈ مجھے ڈر لگ رہا ہے، آپ اُسے لے آئیں۔''

''عائشہ!'' باہر سے بجو اماں نے آواز دی تھی، جویریہ کو اُسکے کمرے میں لے کر جانا تھا۔ عائشہ نے ایک نظر باہر دیکھا اور پھر باپ کو۔ پانی وہیں چھوڑے وہ باہر نکل گئی۔

※※※

پہنچا۔شاید زندگی میں پہلی بار کراچی کی فضاؤں نے اُسکے آنے پر ماتم گیارہ بجے کے قریب وہ کراچی

کیا۔یہ وہی فضائیں تھیں جو اُسکے آنے پر عُمائمہ کے جہان میں اُسکا استقبال کرتی تھیں۔لیکن اِس بار تو

عُمائمہ بھی اُسکا انتظار نہیں کر رہی تھی۔اُسکا تو اپنا جہاں تہس نہس ہو کر رہ گیا تھا۔وہ اُسے کیسے یاد

رکھتی۔وہ اُسے بھولتی بھی تھی؟

ائیرپورٹ سے باہر آکر وہ تھوڑی دیر بے مقصد ہی کھڑا رہا۔لانگ کوٹ ہوا سے جھول رہا تھا۔

دونوں ہاتھوں میں سامان کے بیگز تھے۔بیگ زمین پر رکھ کر جیب میں سے فون نکالا اور آن کیا۔کسی

کی کوئی کال،کوئی میسج نہیں تھا۔سب خاموش تھا۔اردگرد کے گزرتے لوگ اور وہ اکیلا۔خاموشی،

سنّاٹا۔

پھر اُس نے نبیل کو کال ملائی۔

وہ بیڈ پر ٹانگیں کراس کر کے، بیک کے ساتھ ٹیک لگائے نیم دراز تھی۔ آنکھیں بند تھیں اور پاؤں مسلسل ہلا رہی تھی۔ دونوں ہاتھ گود میں رکھے تھے۔ دفعتاً پاس پڑا فون بجا۔ نبیل اپنا فون اُسکے پاس ہی چھوڑ کر گیے تھے کہ اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو گھر یا پھر عائشہ کے نمبر پر کال کرے۔ اُسکا اپنا فون کہاں تھا۔ اُسے نہیں پتا تھا۔

عمائمہ نے بیزاری سے گردن موڑی۔ فون کافی دیر سے وقفے وقفے سے بج رہا تھا۔ کسی جاننے والے کی کال ہوتی تو اُٹھا لیتی ورنہ بجنے دیتی۔ ڈرپ لگا ہاتھ بڑھا کر فون اُٹھایا اور سکرین سامنے کی۔

"اسفند کالینگ۔۔"

عُمائمہ کا دل بند ہوا۔ فون پکڑا ہاتھ کانپا۔ مسلسل ہلاتا پاؤں روک لیا۔ فلحال اسفند وہ واحد شخص تھا جسکا وہ سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی۔ وہ رونا نہیں چاہتی تھی۔ وہ اپنا غصہ ختم

نہیں کرنا چاہتی تھی۔اُس نے کال کی آواز بند کی اور فون دوبارہ اُلٹا کر کے رکھ دیا۔وہ بے آواز بجتا رہا، بجتا رہا۔اور پھر خاموش ہو گیا۔

وہاں کھڑے اسفند نے ایک گہرا سانس لے کر سکرین دیکھی اور دو تین سیکینڈ کے انتظار کے بعد دوبارہ کال ملائی۔

فون دوبارہ بجنا شروع ہوا تو عُمائمہ نے اُسی بے تاثر چہرے کے ساتھ فون اُٹھا کر دیکھا۔ایک گہری سانس اندر اُتاری اور فون کان کو لگایا۔

"السلام علیکم!"اُسکی آواز میں کتنی تھکن تھی۔عُمائمہ نے آنکھیں موندلیں۔

"نبیل انکل میں ائیر پورٹ پر ہوں۔"اُس نے سلام کے جواب کا انتظار کرنے کے بعد کہا۔

دوسری طرف مکمل خاموشی تھی۔اسفند نے فون کان سے ہٹا کر دیکھا۔

"ہیلو!نبیل انکل؟"بوجھل آواز میں پکارا۔

''ڈیڈ گھر ہیں۔''وہ فون رکھنے ہی لگا تھا جب اُسکی آواز آئی۔چند سیکینڈز، چند لمحے، وہ کسی ٹرانس میں گیا۔

''آپ بھی گھر چلے جائیں۔''چند لمحوں بعد کہا۔اُسکی آواز کا وہ سرد پن اسفند نے وہاں کھڑے بھی محسوس کیا تھا۔

وہ خاموش رہا۔کیا بتاتا کہ اِس وقت اُسے کوئی بھی ٹیکسی نہیں ملے گی۔دو سیکینڈ اُسکے جواب کا انتظار کیا اور پھر عُمائمہ نے فون بند کر دیا۔

وہ وہیں کھڑا فون ہاتھ میں لیے خود کو کمپوز کرنے لگا۔آنسوؤں کا ایک اور ریلا آیا تھا جسے اُسے ضبط کرنا تھا۔پھر فون پر اُنگلیاں چلانے لگا۔

''ہیلو!''فون سُہیل نے اُٹھایا تھا۔

"بابا میں ائیر پورٹ پر ہوں۔ گاڑی بجھوا دیں۔" زکام زدہ آواز میں کہا۔ سہیل نے چند لمحے بات کر کے فون بند کر دیا۔ وہ وہیں کھڑا رہا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد دور سڑک پر اُسے نبیل کی گاڑی نظر آئی۔ اپنا سامان اُٹھایا اور گاڑی کی طرف قدم بڑھا دیے۔ نبیل گاڑی سے اُترے اور اُس سے سامان لے کر ایک طرف کیا اور پھر اُسے گلے سے لگا لیا۔ اسفند نے لب بھینچ لیے۔ وہ کانپنے لگا تھا۔ نبیل جانتے تھے کہ اُسکے پاس الفاظ نہیں تھے۔ چند منٹ یونہی کھڑے رہنے کے بعد اُسکا شانہ تھپکا اور گاڑی کی طرف اشارہ کیا۔

عُمائمہ کو بھی ہاسپٹل سے لینا ہے۔" اُنہوں نے بتایا اور گاڑی مین روڈ پر ڈال" دی۔ وہ خاموش بیٹھا رہا۔ اُسکے پاس اور کچھ بھی کرنے کو نہیں تھا۔

※※※

وہ کمرے میں آئے تو وہ سو رہی تھی۔ نبیل نے اسفند کو بھی وہیں بٹھایا اور ڈاکٹرز کے پاس چلے گی ئے۔ اسفند بیڈ کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔ لانگ کوٹ کے نیچے وہ کالے ڈریس پینٹ میں ملبوس تھا۔ ٹائی اتار دی تھی اور اوپر والا ایک بٹن کھول رکھا تھا۔ نبیل چلے گی ئے تو وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ چہرہ پُر سکون تھا اور سانسیں ہموار۔ ایسے جیسے اِس سے پہلے کبھی اسے اتنی سکون دہ نیند میسر نہیں آئی۔ گردن ایک طرف کو ڈھلکا کر کندھے پر رکھی تھی۔ ڈرپ اب اُتر چکی تھی، ہاتھ پر پٹی بندھی تھی۔ ایک ہاتھ سُوجا ہوا تھا اور سر والے زخم پر بھی پٹی تھی۔ لیکن چہرہ۔۔۔ وہ پُر سکون تھا۔ پُر سکون یا پھر بے تاثر۔ اُسے اندازہ نہیں ہوا۔

وہ اتنی پُر سکون کیسے تھی۔ یہ اسفند کی سمجھ سے باہر تھا۔ پھر اُس نے گردن جھٹکالی۔

''عُمائمہ بیٹا اُٹھو گھر چلیں۔'' کچھ دیر بعد نبیل اُسکے پاس کھڑے اُسے جگا رہے تھے۔

''جی ڈیڈ۔''وہ بوجھل سی آواز میں کہتی سیدھی ہوئی۔ جیسے پُر سکون سی نیند میں خلل ڈال کر اُٹھایا ہو۔

نظر یونہی بھٹک کر سامنے بیٹھے اسفند پر پڑی۔ وہ اُسے ہی دیکھ رہا تھا۔ عُمائمہ کی رنگت بدلی۔ آنکھیں تیزی گھُما کر نبیل کو دیکھا۔ چہرہ پھر سے سپاٹ ہو گیا۔

''اسفند کو ائیر پورٹ سے پِک کیا ہے، اُٹھو گھر چلیں۔''اُسکا بازو تھامے اُسے اُٹھانے لگے۔ اسفند بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

''ڈیڈ مجھے کچھ بتانا ہے۔''بڑی نرمی سے اُنکے ہاتھ میں سے بازو نکالا اور بیڈ کا سہارا لے کر کھڑی ہوئی۔ ٹانگوں میں ٹیسیں سی اُٹھیں۔ گاڑی کے جھٹکوں کی وجہ سے ٹانگیں شدید درد تھیں۔

''کیا ہوا؟''نبیل نے اچھنبے سے دیکھا۔ اسفند چُپ تماشائی بنا کھڑا رہا۔

''آپ نے احمر کو بتایا؟''اُس نے اُلٹا سوال کیا۔

''نہیں وہ اِس وقت سو رہا ہو گا شاید، اور ویسے بھی وہ اتنی جلدی کیسے آ سکے گا، صبح بتاؤنگا۔'' نبیل کو ویسے بھی اُسے بتانے میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ اُنکا بڑا بیٹا تھا۔ عُمائمہ سے بھی بڑا۔ لیکن وہ ہمیشہ اُنہیں چھوڑ کر چلا جاتا تھا۔ نبیل کو اس سے کوئی اٹیچمینٹ نہیں تھی۔ وہ اُن سے لڑ کر ہی لندن گیا تھا۔

''ڈیڈ آپکو پتا ہے، ہم سب کی اِس حالت کا ذمہ دار آج بھی وہی ہے۔'' وہ عجیب طرح سی ہنسی۔ اسفند کو تکلیف ہوئی۔ وہ ایسی نہیں تھی۔ وہ ایسی کیوں ہو گئی تھی۔

''کیسے؟'' نبیل اُسکی طرف گھومے۔

''اُس نے باہر شادی کر لی ہے۔ ایک کرسچن لڑکی سے۔ اب یا تو وہ اُسکے عشق میں مسلمان ہو گی یا پھر میرا بھائی اُسکے عشق میں کرسچن ہو جائے گا۔''

وہ پھر سے ہنسی۔ اسفند نے اُسکی آنکھوں میں نمی دیکھی۔

''یہ۔۔۔یہ کیا کہہ رہی ہو؟'' نبیل شاکڈ تھے۔

"بالکل! بالکل ایسے ہی مام بھی شاکڈ ہوئیں تھیں۔وہ میری ماں کو لے گیا مجھ سے۔۔ڈیڈ۔۔۔ میں۔۔میں کس منہ سے اُسے بھائی کہوں؟اُسے بھائی کہوں جو میری ماں کو مار گیا؟"وہ کانپنے لگی تھی۔ غم سے نہیں غصے سے۔ نبیل کی آنکھیں بھیگیں۔

"آپکو پتا ہے۔۔۔وہ اپنے اور اپنی بیوی کے قصے سُنا رہا تھا۔"آنسو ٹوٹ کر گال پر بہہ گیا۔

"اور جو آخری جملہ اُس نے مجھے کہا وہ پتا ہے کیا تھا۔"اُس نے نبیل کو بازو سے پکڑ کر متوجہ کیا۔

"اُس نے کہا عُمائمہ تم آج کی تاریخ ہمیشہ یاد رکھنا۔"کہہ کر عُمائمہ نے قہقہہ لگایا۔وحشت ناک قہقہہ۔اسفند کو اپنا دل بند ہوتا ہوا محسوس ہوا۔اُسے اِس حالت میں دیکھنا بہت تکلیف دہ تھا۔ نبیل اب رو رہے تھے،اُنہیں اب پتا چلا تھا کہ رعناء کا نروس بریک ڈاؤن کیوں ہوا تھا۔

"دیکھیں! دیکھ لیں۔۔۔ہم سب کو آج کی تاریخ یاد رہے گی۔۔۔کوئی بھی نہیں بھولے گا!"اُس سے مزید کھڑا نہیں ہوا گیا۔وہ بھیگے چہرے کے ساتھ بیڈ پر ہی ڈھے گئی۔

''کیسے بھولینگے ہم آج کی تاریخ؟ دیکھیں ڈیڈ۔۔ وہ ایک بار پھر اپنی چیز کو یادگار بنا گیا ہے۔'' وہ روتے ہوئے ہنس رہی تھی۔ اُسکا ہر انداز، ہر قہقہہ نبیل اور اسفند کو ختم کر رہا تھا۔

''بس کرو میرا بچہ۔۔ بس کرو۔۔۔'' وہ آگے بڑھے اور اُسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ اسفند بھی مردہ سے قدم اُٹھاتا اُن تک آیا اور نبیل کے کندھے سے لگ گیا۔ وہ اتنا مضبوط نہیں تھا۔ وہ اچھے سے جان گیا تھا کہ عُمائمہ اتنی جلدی کیسے اتنا کچھ سیکھ گئی تھی۔ وہ ایسی کیوں ہو گئی تھی۔ وہ سب جان گیا تھا۔

''چُپ ہو جاؤ میرے بچو۔۔ بس کرو۔۔۔'' نبیل نے اُسکے گرد بھی بازو پھیلا یا۔

ٹوٹے الفاظ۔۔۔

ادھورے جملے۔۔۔

جھوٹی تسلیاں۔۔۔

اور بے اختیار آنسو۔۔۔

※※※

ڈرائیووے پر گاڑی روک کر نبیل نے اسفند کو عُمائمہ کولانے کا کہااور خود بھی گاڑی سے اُترے۔وہ بڑی مشکل سے اُسے چُپ کرواکر گھر تک لائے تھے۔وہ ہذیانی انداز میں کبھی ہنستی تھی، قہقہے لگاتی تو کبھی ہچکیوں سے رونے لگ جاتی تھی۔

نبیل گاڑی میں سے بیگز نکال کر ڈرائیور کو تھمارہے تھے،اسفند نے اُسکے طرف والادروازہ کھولا۔وہ سیٹ کے ساتھ ٹیک لگائے،آنکھیں موندے تھی۔

''عُمائمہ!''نرمی سے پُکارا۔اُس نے آنکھیں کھولیں۔آنکھیں رورو کراب سوج چکی تھیں،ناک سُرخ تھی۔بال بکھر کرپٹی میں اُلجھے اُلجھے سے تھےاُسے دروازہ کھولے دیکھاتوخود گاڑی سے اُترنے لگی۔

اسفند نے ہاتھ اُسکی طرف بڑھایا۔وہ رُکی۔ایک نظر اُسکے ہاتھ کو دیکھا اور پھر اُسکے چہرے کو۔وہاں تھکن تھی، آنکھوں میں نمی تھی اور صرف التجاء تھی۔عُمائمہ نے ہاتھ تھام لیا۔اور پھر سے رو پڑی۔حالات کسی اور طرح کے ہوتے تو وہ ہنستی، کھلکھلاتی اور قہقہے لگاتی۔لیکن اُس وقت اُسے صرف رونا آرہا تھا۔

اسفند نے مضبوطی سے اُسکا ہاتھ تھام کر اُسے سہارا دیا۔نبیل نے دوسری طرف سے سہارا دیا۔باپ کی جیکٹ کو مضبوطی سے تھامے، اسفند کا ہاتھ پکڑے وہ لڑکھڑا کر چل رہی تھی۔

دور کھڑی مناہل نے اُنہیں آتا دیکھا تو آنکھیں چھلک گئیں۔باقی سب کو متوجہ کیا، وہ پورچ سے ہوتے لاؤنج تک پہنچے تو آصفہ نے آگے آکر اُسے نبیل کی طرف سے پکڑا۔ماں پر نظر پڑی تو اُسکی رہی سہی چلنے کی سکت بھی جانے لگی۔خاموش رونا ہچکیوں میں تبدیل ہو گیا اور پھر ہچکیاں چیخوں میں۔

عائشہ نے اُسے دیکھا تو ماں کے پاس سے اُٹھ کر اُسکی طرف بھاگی اور اُس سے لپٹ گئی۔اسفند نے اُسی نرمی سے اُسکا ہاتھ چھوڑا اور ایک طرف ہو گیا۔

"مت رؤ میری بچیو۔۔مت رؤ۔۔رعناء کو تکلیف ہو گی عُمائمہ۔۔میری پیاری بس کرو۔۔" آصفہ نے دونوں کو اپنے ساتھ لگا یا۔اسفند آنسو ضبط کرتا بجو اماں تک آیا اور اُنکے کندھے سے لگ کر رو پڑا۔بس وہ اور برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

رعناء کا غم اُنہیں کسی ایسی بیماری کی طرح لگ گیا تھا جو پھیلتی ہی جاتی ہے ختم نہیں ہوتی۔روح تک کو کھا جاتی ہے۔مفلوج کر دیتی ہے۔

※ ※ ※

دن نکلنے سے پہلے ہی عدیل اور اسماعیل بھی پہنچ گی ئے تھے۔ عدیل نے فرم کے دیکھا تھا۔ وکی اکیڈمی ک س مینیجر کو سب کچھ سمجھا بُجھا دیا تھا اور اسماعیل نے ا اتنے تھوڑے سے عرصے میں وہ اپنے آپ کو بھی کمپوز کرنے کے قابل ہوگیا تھا۔

ہاجرہ نے کچن سنبھال لیا تھا اور آصفہ اور شائستہ نے باقی سارے انتظامات۔ وہ سب جب بھی آتے تھے تو انیکسی میں رُکتے تھے۔ رعناء اُن کے آنے سے پہلے انیکسی ضل صاف کروا دیا کرتی تھیں۔ لیکن اب رعناء نہیں تھیں۔ مناہل، عائشہ اور اف نے مل کر انیکسی صاف کی تھی۔ اسفند بجواماں کی گود میں ہی سر رکھے سوگیا تھا۔ وہ ناجانے کب کا جاگا ہوا، جوتوں سمیت سوگیا تھا۔ شائستہ نے گزرتے ہوئے اُسکے جوتے اُتار دی ئے تھے۔

عُمائمہ اپنے کمرے میں تھی۔ پتا نہیں رات کے کس پہر وہ بھی روتے روتے سوگئی

ھر پ ایک بار ہوتے ہی تھی۔ فجر کی ازان کے بعد اعلان ہوا تھا۔ اُس اعلان کے

رعناء کا پورا گھر چیخ اُٹھا تھا۔

دُکھ وردان کی طرح کچھ دُکھ ہمیں ہماری لکیروں میں ملتے ہیں۔ لکیریں اَن مِٹ ہوتی ہیں۔ اور وہ

ہوتے ہیں۔ اُن دُکھوں سے ہار جانا لکیروں میں نہیں لکھا ہوتا۔ وہ دُکھ ہمیں زندگی کے قریب کر

دینے کیلیۓ ہوتے ہیں۔ ہم اُن سے جیت کر زندگی کی ہر میدان میں جیت سکتے ہیں۔

※ ※ ※

جنازے کو صرف آدھا گھنٹہ رہتا تھا جب گیٹ کے سامنے ٹیکسی آکر رُکی۔ آنکھوں پر نظر کی عینک

لگائے، سفید گردن کے اوپر تک آتی شرٹ پہنے، کالی پینٹ میں ملبوس وہ ٹیکسی میں سے نکلا۔ ٹیکسی

والے نے اُسکا سامان جو کہ بمشکل ایک چھوٹا سا سفری بیگ تھا، گاڑی میں سے نکالا اور اپنے پیسے لیتا

چلتا بنا۔

لان میں کُرسیاں لگواتے نبیل کی نظر سب سے پہلے اُس پر پڑی اور پھر اسماعیل کی۔

''وہ احمر بھائی ہی ہیں نا؟!''اسماعیل نے پاس کھڑی عدیل کو کہا۔عدیل نے جھٹکے سے سر اُٹھایا۔

''ہاں وہی ہے،اب بھی آنے کی کیا ضرورت تھی ویسے۔''اُس نے اپنی بھڑاس نکالی اور اندر چلا گیا۔

اُسکا کوئی دل نہیں تھا مزید کڑواہٹ اپنے اندر گھولنے کا۔

اسفند جو وہیں کہیں مصروف تھا، تیزی سے نبیل کے پاس آیا اور اُنکا کندھا تھاما۔

''انکل۔۔۔ تحمل سے۔۔۔ صبر سے،وہ آپکا بیٹا ہے،رعناء کا بیٹا ہے۔''کان کے قریب سرگوشی کی۔

اُسکی آواز ابھی بھی بوجھل تھی۔

احمر ڈرائیو وے سے ہوتا ہوا اُن تک آیا اور باپ کے گلے لگ گیا۔ وہ اداکار تھا۔ لیکن کسی بھی ایکٹ کا

وہ بھونڈا اداکار جو اپنے پیسے کی بناء پہ خود کو ہیرو تو کاسٹ کروالیتا ہے لیکن پھر اُس ایکٹ کا فلاپ ہونا

سب کی نظروں کے سامنے ہوتا ہے۔

قصر میں ایک بار پھر شور مچا۔ رعناء کا اکلوتا بیٹا آیا تھا۔ عُمائمہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔ وہ اُسکی شکل دیکھ

کر مزید خود کو دُکھ نہیں دینا چاہتی تھی۔ پتا نہیں یہ نفرت اتنی سفاک کیسے ہو جاتی ہے۔

وہ اب رعناء کو لے کر جانے ہی والے تھے کہ عدیل کو کوئی خیال آیا۔

"عائشہ!" عورتوں میں بیٹھی عائشہ کو آواز دی۔

"جی بھائی؟" وہ اُٹھ کر ایک طرف آ گئی۔

"وہ پھپھو کی دوست نہیں آئیں۔" آواز ہلکی سی تھی۔

''میم حناء! اُنکو میں بھول گئی۔۔میں کیسے۔۔کیسے بھول گئی اُنکو؟''اُسکے دیکھتے دیکھتے ہی وہ رونے لگ گئی۔عدیل بوکھلا گیا۔

''عائشہ میرا بچہ رؤمت۔۔۔کچھ نہیں ہوا۔۔چُپ کرو۔''اُسے اپنے ساتھ لگایا۔

''لیکن میں کیسے بھول گئی اُنکو۔۔وہ اب۔۔اب اتنی جلدی کیسے آئینگی۔۔۔مام تو جانے والی ہیں۔''وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔

عدیل کی اپنی آنکھیں بھی نم ہونے لگیں۔وہ جو کہتے ہیں نا کہ انسان رونے بیٹھے تو پتا نہیں کون کونسے غم یاد آجاتے ہیں، غلط کہتے ہیں۔جو انسان اپنی ماں کو رو لے بس پھر اُسے کوئی اور غم نہیں رُلا سکتا۔وہ جب بھی روئے گا اپنی ماں کو ہی یاد کر کے روئے گا۔

''چلو چُپ کرو عائشہ۔۔۔میں عُمائمہ کو کہتا ہوں۔۔چُپ کرو۔''اُسی کے دوپٹے کے پلو سے اُسکے آنسو صاف کیے اور اُسے واپس بھیجا۔

عُمائمہ نے حناء کو فون کیا۔ جتنی رعناء کی موت کی خبر اُنکے خاندان کیلیے شاکینگ تھی اُتنی ہی حناء کیلیئے بھی تھی۔ وہ روتی ہوئی پہنچی تھی۔ وہ رعناء کے ساتھ لگ کر کم، بجو اماں کے ساتھ لگ کر زیادہ روئی تھی۔ عُمائمہ تک نے اُسے چُپ کروایا تھا مگر وہ روئے جارہی تھی۔ وہ دوست تھی۔ دوستوں کے غم کچھ اور طرح کی ہوتے ہیں۔ کسی اور طرح دل چیرتے ہیں۔

جتنی جلدی حناء آئی تھی، اُتنی ہی جلدی رعناء چلی گئی تھیں۔ رعناء کو کندھا دینے کیلیئے بہت تھے۔ انکا شوہر، دو بھائی اور تین بھائی کے بیٹے۔ اُنکے اپنے بیٹے کی کہیں بھی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اداکار بنا ایک طرف ہی کھڑا رہا۔

اور رعناء اُنکی زندگیوں سے چلی گئیں۔

لیکن مائیں مر بھی جائیں تو اولادوں کی زندگی سے نہیں جاتیں۔

وہ وجدان بن جاتی ہیں۔

چھٹی حِس بن جاتی ہیں۔

دھوپ میں سایہ اور بارش میں سہارا بن جاتی ہیں۔

مائیں مر بھی جائیں تو جاتی نہیں ہیں۔

※※※

تین دن بعد:

عُمائمہ اپنے کمرے میں بیڈ پر بیٹھی تھی۔ سامنے والی دیوار پر نسب ایل ای ڈی پر خبریں چل رہی تھیں۔ کراچی کی ہی خبریں۔ لیکن گونگے کردار۔ بیڈ کے بائیں جانب ایک صوفہ تھا اور باقی دو سے تین ڈھیلے سے کاؤچ۔ وہ پیلے، ہرے اور لال رنگ میں تھے۔ دائیں جانب کی دیوار پر جابجا پینٹنگز لگی تھیں۔ وہ ساری اُسکے اپنے ہاتھ کی ہی بنی تھیں۔ دیوار کے ساتھ ہی ریک تھا جس میں دُنیا جہان کی کتابیں رکھی تھیں اور ساتھ ہی سٹڈی ٹیبل۔ ہر چیز کو سجا کر رکھا تھا۔

کاؤچ پر مناہل بیٹھی فون میں لگی تھی۔

’’مناہل تمہیں پتا ہے جب میں ٹی وی پر نیوز دیکھتی تھی ایکسیڈینٹ کی، تو مجھے حیرانگی ہوتی تھی کہ کیسے کوئی انسان چھوٹے سے حادثے سے مر سکتا ہے،‘‘ وہ ہنسی۔ مناہل نے سر اُٹھا کر افسوس سے دیکھا۔ دو تین دن ہو گئے تھے، وہ ایسی ہی باتیں کر رہی تھی۔ ہنس رہی تھی۔ مگر اُسکی ہسی پر سب کو رونا آ رہا تھا۔

’’اب مجھے پتا چل گیا ہے کہ کیسے کوئی بھی کسی بھی وقت مر سکتا ہے۔‘‘ اُسکی آنکھوں میں نمی اُبھری، گیلی سانس اندر کھینچی۔

’’عُمائمہ صبر کرو، للہ تعالیٰ ہم پر رحم کریں۔‘‘ وہ اُٹھ کر اُسکے پاس آ گئی۔

''احمر کب جائے گا؟''اُس نے عجیب سے لہجے میں ہو چھا۔وہ اب اُسے بھائی نہیں بُلاتی تھی۔اِن تین دنوں میں اُس نے اُسے زرا بھی نہیں بُلایا تھا۔بس ہوں ہاں میں جواب دے کر اپنے کمرے میں آجاتی تھی۔

''بس دو تین دن میں چلے جائینگے۔''مناہل نے گہرا سانس لیا۔

''ہاں پھر بس تب ہی مجھے صبر آئے گا۔''اُس نے جیسے فیصلہ سُنایا تھا۔

''عُمائمہ ! مناہل !''آکر کھانا کھالو !''عائشہ نے کمرے کے دروازے سے منہ نکال کر کہا اور واپس مڑ گئی۔وہ دونوں بھی اُٹھنے لگیں۔

※ ※ ※

رات کا تیسرہ پہر تھا جب مناہل بیڈ پر اُٹھ بیٹھی۔کمرے میں موجود پردوں کے گرد فیری لائیٹس لگی تھیں جنکی روشنی کمرے میں پھیلی تھی۔بیڈ پر اُسکے ساتھ ہاجرہ سوئی تھی۔اور بیڈ کے ساتھ نیچے بستر

ڈالے آمنہ اور جویریہ اپنے اپنے کمبلوں میں منہ دیئے نیند میں غرق تھیں۔ ٹھنڈ اب آہستہ آہستہ چھٹ رہی تھی لیکن رات کے وقت سردی بدستور زیادہ ہی تھی۔

مناہل کو پیاس لگی تھی۔ وہ چُپ چاپ اُٹھی، اُن دونوں کو پھلانگتی دروازے تک پہنچی اور پھر آرام سے ڈورناب گھُما کر باہر نکل آئی۔ دروازے کے باہر ہی جوتے رکھے تھے۔ کمروں میں کارپٹس کی وجہ سے جوتے باہر ہی اتار دیتے تھے۔ اُس نے جس کا جوتا نظر آیا، پاؤں میں گھُسیڑا اور سیڑھیوں کی طرف چل دی۔

انیکسی کا طرزِ تعمیر کچھ اس طرح تھا کہ وہ عام سے دو منزلہ مکان کی طرح بنائی گئی تھی۔ تین کمرے، ایک کچن نیچے والے پورشن میں اور دو کمرے، ایک ہال اوپر والے پورشن میں۔ چھت پر جانے کا کوئی سسٹم نہیں تھا۔ البتہ ساری انیکسی کے گرد چار چار فُٹ کی جگہ کو بڑی خوبصورتی سے لان کی شکل میں ڈھالا گیا تھا۔ لکڑی کی باڑ لگا کر محفوظ کر، وہ انیکسی برطانیہ کے کسی گھر کی طرح لگتی تھی۔

وہ آرام سے سیڑھیاں اُترتی، چھوٹے سے صحن سے ہوتی کچن میں گھُسی۔ کچن میں آتے ہی اُسے ٹھنڈ کا احساس ہوا۔ بے اختیار دوپٹہ، جو گردن کے گرد دو چار بل دے کر لے رکھا تھا، کھول کر کندھوں پر شال کی طرح پھیلا لیا۔

شیلف پر پڑی پانی کی بوتلوں میں سے ایک بوتل اُٹھائی اور یونہی منہ کو لگالی۔ پانی پینے کیلیئے چہرہ اوپر اُٹھایا تو دروازے پر نظر پڑی۔ کچن کا پچھلا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اُسکے ماتھے پر بل پڑے۔

بوتل واپس رکھی۔ دوپٹہ درست کیا اور باہر نکل آئی۔ سرد ہوا کا تھپیڑا منہ پر آ کر لگا۔ باہر اندھیرا تھا۔ انیکسی کے چاروں طرف لگی بتیاں بھی اندھیرے کو کم کرنے کی کوشش میں تھیں۔ یہ انیکسی کا پچھلا حصہ تھا۔ یہاں پیچھے سے باقی مکانات کے اونچے اونچے پچھلے حصے دکھائی دیتے تھے۔

دو تین قدم باہر نکل کر مناہل نے ادھر اُدھر دیکھا۔ کوئی بھی نہیں تھا۔ شاید دروازہ بند کرنا بھول گیئے ہون۔ اُس نے سوچا اور کندھے اُچکا دیئے۔

دفعتاً کسی کی آہٹ سی محسوس ہوئی۔دل بے اختیار ڈرا۔سردی،اندھیرا اور اکیلی وہ۔اُسے خوف آیا۔ تیزی سے واپس مڑی اور اُسکا چہرہ کسی کے وجود سے ٹکرایا۔چیخ مارنے کیلیے منہ کھولا ہی تھا کہ مقابل نے اُسکے منہ پر ہاتھ رکھ کر اُسے گھُمایا اور اپنے ساتھ لگا لیا۔مناہل کی آنکھیں باہر آنے کو تھیں۔وہ شکل نہیں دیکھ سکی تھی۔مناہل نے دونوں ہاتھوں سے منہ پر رکھا ہاتھ ٹٹولہ۔نہ ہی وہ اسفند کا ہاتھ تھا اور نہ ہی اسماعیل کا۔پیچھے کھڑا وجود مُسکرایا۔

اُسکا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔پھر اُس نے بڑی قوت سے اُسکا ہاتھ ہٹایا اور گہرا سانس لیا۔وہ مڑنے ہی لگی تھی کہ مقابل نے کوئی ٹھنڈی سی چیز اُسکی گردن پر رکھی۔مناہل کا سانس تک رُک گیا۔وہ اُس چیز کو پہچانتی تھی۔پسٹل کی ٹھنڈی نال اُسکا پورا وجود پسینے میں بھِگا گئی تھی۔

''کو۔۔۔کون ؟'' بمشکل لبوں سے نکلا۔

''تمہارا اپنا!'' اُسکے کان کے قریب جھک کر سرگوشی کی۔

مناہل کا چہرہ سفید ہو گیا۔آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

※※※

باب نمبر دس

"خوف"

کیا کبھی تم نے۔۔۔

سُنی ہو آواز،ایک گولی جیسی

تیز،دھماکے دار۔

پھر تم نے دیکھا ہو،

پرندوں کو پھڑ پھڑاتے،سہمتے ہوئے۔

تو اُس وقت میں۔۔۔

وہ چھوڑ جاتے ہیں اپنے آشیانوں کو۔

ہاں وہی آشیانے جو اُنہوں نے تنکا تنکا بنائے تھے۔

جانتے ہو کیوں؟خوف سے!

مر جانے کے خوف سے۔

جان جانے کے خوف سے۔

اور اِس دُنیا سے چلے جانے کے خوف سے۔

حالانکہ زندگی اُنکی لکھی جا چکی ہے۔

بس خوف ہے، جسے سر پہ چڑھالو۔۔۔

تو وہ تمہیں کھا جائے گا اور،

مجبور کر دے گا، اپنے گھروں کو چھوڑ دینے پر۔

کیونکہ۔۔۔۔

"خوف ایک لا علاج بیماری ہے!"

سر سراتے پتے، اُڑتے، پھُدکتے پرندے۔رَس گھولتی خوشبوئیں اور رنگا رنگ تتلیاں۔اگر دیکھیں تو یکدم ہی اُلٹی چلنے لگی تھیں۔ہاں پیچھے کو ہی جا رہی تھیں۔سڑک پر دوڑتی گاڑیاں، آس پاس چلتے لوگ، حتیٰ کہ بادل بھی۔سب اُلٹے ہی جانے لگے تھے۔تو چلو ہم بھی اُنکے ساتھ ہی اُلٹا سفر کرتے ہیں اور چلتے ہیں وہاں، جہاں جانا تکلیف دہ ہے۔چلو ماضی میں چلتے ہیں۔

شہرِ فیصل آباد میں موجود بجّواماں کے آنگن کی ساری کھڑکیاں آج کھُلی ہوئی تھیں۔اٹھارہ سالہ ہاجرہ اور اُنیس سالہ عدیل ہاتھوں میں چھوٹے ٹاولز اُٹھائے کھڑکیوں کے پار سے دِکھائی دے رہے تھے۔ آج صفائی کا دن تھا کیونکہ رعناء کراچی آرہی تھیں۔

بجواماں کچن میں کھڑیں مناہل کو ڈپٹ رہی تھیں۔وہ پندرہ سالہ مناہل، آنکھوں میں شرارت اور چہرے پر بلا کی معصومیت لیۓ سر جھکائے اُنکی ڈانٹ سُن رہی تھی۔وہ اور اسماعیل صبح سے کام سنوارنے کے بجائے بس بگاڑے جا رہے تھے۔ایک بار وہ آصفہ کو مصالحوں کے ڈبے پکڑاتے ہوئے لڑ پڑے تھے اور اُنکی لڑائی میں مصالحے اپنی قربانی دیتے زمین بوس ہو گئے تھے۔

دو منٹ کے اندر اندر وہ دونوں کچن تو کیا لاؤنج سے بھی باہر تھے۔

"یہ لیں بجّواماں!" ہانپتی ہوئی آواز سترہ سالہ اسفند کی تھی۔وہ پورچ میں رکھے بوتلوں کے کارٹنز اُٹھا اُٹھا کر اندر لا رہا تھا۔چوکیدار کو صرف پورچ تک آنے کی اجازت تھی۔

مناہل کو ڈانٹتیں بجّو اماں کا انہماک ٹوٹا اور اسفند کی طرف مڑیں۔ وہ ٹی شرٹ اور لانگ شارٹس میں ملبوس تھا۔ کارٹن اُٹھا اُٹھا کر اب پسینے سے بھیگا ہوا تھا۔ گیلے بال ماتھے سے پیچھے ہٹائے۔ اُنہوں نے ایک نظر اُسے دیکھا اور پھر مناہل کو۔

''پانی پلا بھائی کو۔'' حکم صادر کیا اور کچن سے باہر نکل گئیں۔

اسفند ہنس دیا۔ مناہل نے منہ بگاڑ کر بھائی کی ہنسی کی نقل اُتاری اور فریج میں سے پانی نکالنے لگی۔

※ ※ ※

دوپہر کے وقت گاڑیوں کی آوازیں سُنائی دینے پر سب سے پہلے اپنے کمرے سے بھاگنے والی مناہل تھی۔ وہ تیار سی، کالے لمبے بالوں کو ہیئر کیچ لگائے، پیچھے سے کھلا چھوڑے، سفید اور ہری دھاریوں کے امتزاج کی فراک میں ملبوس تھی۔ پاؤں میں ہرا ہی کھُسہ پہنے وہ تیزی سے سیڑھیاں پھلانگ رہی تھی۔

پورچ میں آکرُرکی گاڑیوں میں سے سب سے پہلے اُترنے والا اُنیس سالہ احمر تھا۔وہ اُن سب میں زیادہ قد کا تھا،عدیل سے بھی بڑا۔وہ وقت سے پہلے ہی اپنی پرسنالٹی کو گروم کرنے لگ گیا تھا۔یا پھر یہ شاید رعناء کے لاڈلے ہونے کا اثر تھا۔

''پھپھو آ گئیں!''مناہل نے ٹی وی لاؤنج کے دروازے میں پہنچ کر نعرہ لگایا اور پھر باہر نکل گئی۔ عدیل،ہاجرہ،اسماعیل اور اسفند بھی اُسکے پیچھے ہی لپکے۔رعناء کے آنے پر وہ سب یونہی پُرجوش ہو جایا کرتے تھے۔

''مناہل!''احمر نے اُسے دیکھتے ہی اپنے دونوں بازو پھیلائے اور زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھا۔وہ بھاگتی ہوئی اُس تک آئی اور اُسکے گلے لگ گئی۔احمر اُسکے کندھے پر ٹھوڑی رکھے مُسکرایا۔مناہل کے پیچھے آتے اسفند نے وہ مُسکراہٹ دیکھی تھی۔وہ شیطانی سی مُسکراہٹ تھی۔اُسکے معصوم ذہن کو کچھ کھٹکا۔

''احمر بھائی میرے لیے کیا لائے؟''اُس سے الگ ہو کر اُسکا ہاتھ تھامے کھڑی ہو گئی۔

''وہی جو میری گڑیا کو سب سے زیادہ پسند ہے۔''اُسکے کان کے قریب ہو کر کہا۔

''کیا؟''مُسکراہٹ دبائے پوچھا۔وہ جانتی تھی لیکن پھر بھی پوچھا۔وہ جب بھی آتا تھا اُس کے لیے اسپیشل باسکٹ تیار کروا کر لاتا تھا۔اُس میں چھوٹے چھوٹے کھلونے اور بہت سی چاکلیٹس اور مختلف میٹھی چیزیں ہوتی تھیں۔اب جب سے وہ بڑی ہو رہی تھی تو اُس میں ہر بار کسی نئی چیز کا اضافہ ہوتا جا رہا تھا،کوئی جیولری یا میک اپ وغیرہ۔

''ابھی بتا دوں؟''اُسی کے انداز میں کہا۔

''نہیں!''کہہ کر مناہل کھلکھلائی اور پھر اپنے ہی منہ پر ہاتھ رکھا،راز کھل نہ جائے والے انداز میں۔

جہاں وہ دونوں یوں ساتھ کھڑے باقی خاندان کو اچھے لگ رہے تھے وہیں اسفند اُنہیں دیکھ کر مسکرا بھی نہیں پا رہا تھا۔وہ احمر کا رویہ پچھلے بہت سے عرصے سے نوٹ کر رہا تھا لیکن وہ مُسکراہٹ اُس نے

پہلی بار دیکھی تھی۔وہ چھوٹا تھا لیکن اتنا بھی چھوٹا نہیں تھا کہ مُسکراہٹوں کے پیچھے والی شیطانیت اُس سے چھُپی رہتی۔وہ کسی بھی جگہ کا آبزرور تھا۔

وہ اپنی بہن کو مزید اُسکے ساتھ نہیں دیکھ سکتا تھا۔ضبط سے آنکھیں پھیریں اور نظر عُمائمہ پر پڑی۔وہ جینزاور فراک میں ملبوس تھی۔بالوں کی فرنیچ چوٹی بنائے بڑے اسٹائل سے ایک طرف کندھے پر ڈال رکھی تھی اور جھینپ کر ہاجرہ کی کسی بات پر ہنس رہی تھی۔وہ یقیناً اُسکی تعریف کر رہی تھی۔ اسفند اور وہ ہم عمر تھے۔اُسے دیکھ کر مُسکرایا اور اُنکی طرف چل دیا۔اُسکی کلفت زائل ہونے لگی تھی۔

※※※

''مناہل!''ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے اسفند نے اپنے سامنے والے صوفے پر بیٹھی مناہل کو آواز دی۔

"جی بھائی؟"اُس نے گردن اُٹھائے بغیر کہا۔وہ صوفے کے ہتھے پر بیٹھی تھی۔ایسے کہ ساتھ ہی صوفے پر احمر بیٹھا تھا۔مناہل اُسکے کندھے پر کہنی ٹکائے جھک کر اُسکے ہاتھ میں پکڑے فون پر کچھ دیکھ رہی تھی۔احمر کی دوسری طرف اسماعیل بیٹھا تھا۔وہ دونوں ہی اُسکے فون میں مگن تھے۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد کھلکھلا کر ہنستے، قہقہے لگاتے تھے۔

"مجھے پانی لادو۔"معصومیت سے کہا۔مناہل نے گردن اُٹھا کر دیکھا۔آنکھوں میں حیرت تھی، جیسے بھائی کی عقل پر شُبہ سا ہوا ہو۔کہاں وہ اسفند جو سخت بخار میں بھی اپنا کام خود کرنے کا عادی تھا اُسے صرف پانی کیلئے اُٹھا رہا تھا۔

"بلکہ ایسا کرو، کافی بنادو۔"اُسے خود ہی اپنا بہانہ کمزور سا لگا۔اب کی بار احمر نے بھی اُسے دیکھا۔عینک کے پیچھے کی آنکھیں سُکیڑیں۔

"میں بنادوں کافی؟"وہیں بیٹھی عُمائمہ جو ہاجرہ کے ساتھ محوِ گفتگو تھی چہک کر بولی۔

اسفند نے ایک نظر مناہل کو دیکھا۔وہ سوالیہ سے تاثُر سے اُسے دیکھ رہی تھی۔پھر عُمائمہ کو دیکھا۔

اُسکی آنکھوں میں چمک تھی،خوشی تھی۔کہاں پھنس گیا تھا وہ۔

''ہاں عُمائمہ میرے لیٔے بھی بنانا،کافی بنانے جارہی ہو نا؟''رعناء جو اُوپر سے آرہی تھیں،اُنکی گفتگو میں حصہ لیتیں بولیں۔

''جی مام!''کہہ کر وہ مُسکرائی۔اسفند بھی بمشکل مُسکرایا۔مناہل پھر سے اپنے کام میں مگن ہوگئی۔

مناہل کو احمر اچھا لگتا تھا۔کسی بُری نیت سے نہیں۔وہ خوبصورت تھا۔ویل ڈریسڈ اور ویل گرومڈ۔ بڑی بڑی آنکھوں پر چشمہ اُسے جچتا تھا۔وہ اُن سب سے زیادہ فیشن ایبل تھا۔کم عمر بچے اپنے معصوم دماغوں پر زیادہ زور نہیں ڈالتے،جو چیز اُنہیں آنکھوں سے دیکھنے میں اچھی لگتی ہے بس وہ اُسی کے پیچھے بھاگتے ہیں،بغیر کسی نفع و نقصان کے۔مناہل کا بھی یہی حال تھا۔یہ جانے بغیر کہ وہ بچی تھی، احمر بچہ نہیں تھا۔اگر مناہل معصوم تھی تو احمر معصوم نہیں تھا۔اسفند کو یہی بات بُری لگتی تھی۔لیکن

وہ کسی سے کیا کہے؟ کس کو کیا بتائے؟ ایک گہرا سانس لے کر اُس نے سوچوں کو جھٹک دیا۔ لیکن سوچیں جھٹک دینے سے حقیقتیں تبدیل نہیں ہو جایا کرتیں۔

※※※

''کیا میں بھی آپکو جوائن کر سکتا ہوں؟'' اسفند نے اپنے کمرے کا سلائیڈنگ ڈور ٹیرس میں کھولا۔ اُن کی آوازوں پر وہ اُٹھ کر آیا تھا۔ ٹیرس کو اِس وقت مصنوعی گھاس لگا کر، ڈھیلے ڈھالے سے کاؤچ رکھ کر سجایا گیا تھا۔ گرم موسم کی مناسبت سے۔

''ہاں اسفند آ جاؤ۔'' ہاجرہ نے مُسکرا کر دعوت دی۔ ہاجرہ، عُمائمہ اور مناہل ٹیرس میں سارے کاؤچ ایک طرف لگا کر نیچے گھاس پر ہی بیٹھی تھیں۔ ایک چھوٹا ٹیبل سامنے رکھ کر اُسکے اُوپر لیپ ٹاپ کھولے، وہ تینوں کوئی مووی دیکھ رہی تھیں۔

ہاجرہ کی اجازت پر وہ مُسکرایا اور ہاجرہ کے بائیں طرف بیٹھی عُمائمہ کے ساتھ بیٹھ گیا۔ وہ چاروں اب ایسے بیٹھے تھے کہ ٹیرس کی ریلینگ کی طرف اُنکی کمر تھی اور سامنے لیپ ٹاپ کی سکرین۔ پاس ہی پاپ کارنز اور چائے کے مگ رکھے تھے۔

عُمائمہ نے سکرین سے نظریں ہٹا کر ایک بار اُسے دیکھا اور پھر واپس دیکھنے لگی۔ یہ اُسکی فیورٹ مووی تھی۔ اسفند کو نہیں آنا چاہیئے تھا۔ اب وہ مووی پر کنسنٹریٹ نہیں کر سکتی تھی۔

اسفند وقفے وقفے سے اُسکے پاؤں میں رکھے پاپ کارن باؤل میں سے مُٹھی بھر کر کھاتا رہا تھا۔ وہ اُسی طرح سکرین کو گھورتی رہی۔ نظریں وہاں تھیں لیکن ساری حسیات صرف ساتھ بیٹھے اسفند کی طرف متوجہ تھیں۔ وہ اُسکو حد سے زیادہ نوٹ کرنے لگی تھی، اُس پر توجہ دینے لگی تھی۔ ایسا اُس کے ساتھ پچھلے دو تین سالوں سے ہو رہا تھا۔ عمائمہ اسفند سے اُس وقت سے محبت کرنے لگی تھی جب وہ اُس جذبے کے نام سے بھی واقف نہیں تھی۔

وہ اور اسفند بچپن سے ساتھ تھے۔دونوں ہم عمر تھے۔اُن دونوں کی سالگرہ بھی اکھٹے ہی منائی جاتی تھی۔ایک سال اسفند کی سالگرہ کراچی میں عُمائمہ کے ساتھ تو ایک سال عُمائمہ کی فیصل آباد میں اسفند کے ساتھ۔

تین گھنٹے بعد جب سکرین پر ''دی اینڈ'' لکھا ہوا آیا تو وہ اپنی فیری ٹیل سے جاگی۔اُس نے ساری مووی دیکھی تھی لیکن اُسے یہ نہیں یاد تھا کہ اُسکی سٹوری کیا تھی،کونسے کردار تھے اور کیا ٹوئیسٹ تھے۔اُسے بس ایک کردار یاد تھا۔وہ جو اُسکے ساتھ بیٹھا تھا۔اُسے یاد تھا کہ کہاں اسفند مُسکرایا تھا۔کہاں اُس نے قہقہہ لگا کر اپنا ہاتھ عُمائمہ کے ہاتھ پر مارا تھا۔اُسے یاد تھا کہ کہاں اسفند نے اُن کرداروں کی تکلیف محسوس کی تھی اور کہاں اور کس کردار پر اُسے غصہ آیا تھا۔اُسے یاد تھا تو بس اسفند جو اُسکے کان میں بالکل صحیح صحیح سرگوشیاں کر رہا تھا،اور جب وہ چیز سامنے آجاتی تو وہ کس طرح اپنے فرضی کالر کھڑے کرتا تھا۔

سامنے پڑے چائے کے مگ کو عُمائمہ نے ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔ایک گھونٹ پی کر رکھنے کے بعد وہ آگیا تھااور پھر باقی کی چائے اُسی نے پی تھی۔شاید وہ اُسکی زندگی کے بہترین تین گھنٹے تھےاور اِس سے زیادہ خوبصورت مووی عُمائمہ شاید ہی دوبارہ دیکھ سکے گی۔

''ہاجرہ آپی ایک اور مووی!''مناہل کی آواز نیند سے بوجھل تھی لیکن پھر بھی وہ ضد کر رہی تھی۔

رات کا دوسرا پہر شروع ہو چکا تھا۔ٹیرس کے باہر دور دور شفاف آسمان تھااور ٹمٹماتے ستارے۔

''نہیں مناہل،اب سو جاؤ ٹائم بہت ہو گیا ہے۔''ہاجرہ نے اُسے ڈپٹااور لیپ ٹاپ بند کرنے لگی۔

''اسفند!عُمائمہ،یہ برتن نیچے لے جاؤ میں آرہی ہوں۔''لیپ ٹاپ اُٹھائے ہدایات دینے لگی،اُس نے ابھی وہ ٹیرس اپنی اصلی حالت میں واپس بھی لانا تھااور نہ دوبارہ مووی دیکھنے کی اجازت نہیں ملنی تھی۔

''اوکے۔'' کہہ کر اسفند نے عُمائمہ کے سامنے والا باؤل اور مگ اُٹھالیا۔ عُمائمہ نے بھی چُپ چاپ باقی چیزیں سمیٹ کر ٹرے میں رکھیں اور اسفند کے پیچھے ہی چل دی۔

''عُمائمہ مزا آیا نا؟!'' کچن میں برتن رکھتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں!'' پُرجوش سی ہو کر وہ مُسکرائی۔

''کل ایک اور دیکھینگے۔'' اُس نے پلان بتایا۔

''ٹھیک ہے۔'' اُس نے تائید کی۔ نیند آلود آنکھیں چمک رہی تھیں۔

''اوکے، اب آپ بھی سو جاؤ۔'' کہہ کر وہ مڑ گیا۔

''کہاں؟'' اُسے مڑتا دیکھ کر پوچھا۔

''بجو اماں کے پاس۔'' وہ ہنسا۔ عُمائمہ نے مُسکرا کر سر ہلایا اور سیڑھیاں چڑھ گئی۔

کمرے کے اندر آکر وہ ایک بار پھر کھلکھلایا۔بلا وجہ ہی۔یا پھر وجہ وہ محسوس کر سکتا تھا،بتا نہیں سکتا تھا۔وہ خوش تھا۔اور اسفند جب بھی خوش ہوتا یا پھر اُداس،اُسکا پہلا ٹھکانہ بجو اماں ہی ہوا کرتی تھیں۔

"اسفند؟"اُسکی کھلکھلاہٹ پر بجو اماں بڑبڑائیں۔

"جی بجو اماں۔"سرگوشی میں کہتا وہ اُن تک آیا اور بیڈ پر اُنکے ساتھ ہی لیٹ گیا۔اُنکا کروٹ لیا بازو اُٹھا کر اُنکا ہاتھ اپنے سر پر رکھا اور آنکھیں موند لیں۔لبوں پہ مُسکراہٹ برقرار تھی اور پھر آہستہ اہستہ نیند غالب آنے لگی تھی۔

※ ※ ※

"کہاں جا رہی ہو؟"

اسفند نے تیزی سے سیڑھیاں اُترتی مناہل کا بازو پکڑا۔ کھڑکیوں کے شیشوں کے پار سے گرمیوں کی ایک پُر سکون سی شام ڈھلتی نظر آرہی تھی۔

''احمر بھائی کے ساتھ، آئیس کریم کھانے!''اُسی پھرتی سے مناہل نے بازو چھڑایا اور بھاگ گئی۔

اسفند نے ہاتھ میں پکڑے پینٹ برش کو دیکھا اور پھر بھاگتی ہوئی مناہل کو۔

''میں بھی جاؤنگا مناہل!''اُسکے پیچھے ہی آواز دیتا وہ بھی سیڑھیاں پھلانگنے لگا۔

''کہاں؟''اسماعیل جو ٹی وی پر نظریں جمائے بیٹھا تھا، فوراً کان کھڑے ہوئے۔

''آئیس کریم کھانے!''اسفند نے بھنویں اُچکا کر اُسے چِڑایا اور باہر بھاگا۔

''میں بھی!''اُس نے ایک منٹ کی بھی دیر کیے بغیر صوفے سے چھلانگ لگائی اور پاؤں میں چپل اڑسنے لگا۔

''آرام سے!''اُنہیں اِس طرح بھاگتے دیکھ کر رعناء نے آواز دی۔اُنہیں فخر تھا کہ اُنکا احمر اُن بچوں کا فیورٹ تھا۔

احمر نے جب اُن دونوں کو بھی گاڑی میں سوار ہوتے دیکھا تو ماتھے پر بل پڑے۔

''مناہل؟''فرنٹ سیٹ پر بیٹھ کر سیٹ بیلٹ باندھتی مناہل سے اُس نے استفسار کیا۔

''اسفند بھائی اور اساعیل کو بھی پتا چل گیا تھا۔''اُس نے مُسکراتے ہوئے کندھے اُچکائے۔

''ایک تو اِسکے اسفند بھائی اور اساعیل!''بڑبڑاتا ہوا احمر گاڑی ریورس کرنے لگا۔اُسکا موڈ خراب ہو گیا تھا،وہ مناہل کو اکیلے لے کر جانا چاہتا تھا۔

پچھلی سیٹ پر بیٹھے اسفند نے بڑی احتیاط سے پینٹ برش پینٹ کی جیب میں ڈال دیا۔وہ اور عُمائمہ پیرنٹینگ کرنے لگے تھے۔لیکن پھر مناہل کی بات سُن کر اُس سے رہا نہیں گیا۔وہ اپنی بہن کو احمر کے

ساتھ اکیلا نہیں جانے دینا چاہتا تھا۔اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ کافی دیر تک عُمائمہ اُسے وہاں نہ پا کر ناراض ہو جائے گی۔ لیکن وہ اُسے منا لے گا۔

※ ※ ※

یہ رات کا تیسرا پہر تھا۔

سب سو چکے تھے سوائے اُس ذی روح کے جس کے دل و دماغ پر شیطان حاوی ہو جائے۔پورا گھر گہری نیند کے مزے لے رہا تھا سوائے اُنیس سالہ احمر کے۔وہ احمر جو اپنی حرکتوں، باتوں سے بالکل بھی چھوٹا نہیں لگتا تھا۔وہ اپنی سوچ اور خواہشات کی وجہ سے چھوٹا نہیں لگتا تھا۔خواہشات جب ناجائز ہونے لگیں تو وہ انسان کے چہرے کی معصومیت چھین لیتی ہیں۔اُسکا چہرہ بھی معصوم نہیں رہا تھا۔

وہ دبے پاؤں اپنے کمرے سے نکلا اور ایک چور نظر ٹی وی لاؤنج سے ملحقہ سارے کمروں کے بند دروازوں پر ڈالی۔ بجو اماں کا کمرہ، آصفہ اور شائستہ کا کمرہ، رعناء کا کمرہ اور گیسٹ روم میں وہ خود تھا۔ سارے دروازے بند تھے۔ مکمل خاموشی اور ملگجا سا اندھیرا۔ ایک شیطانی سی مُسکراہٹ اُسکے لبوں پر پھیلی اور وہ سیڑھیاں چڑھ گیا۔ جوتے اُتار کر رکھے تاکہ آواز نہ آئے۔ بکھرے بال، نظر کی عینک آنکھوں پر لگائے وہ رَف سے حُلیے میں تھا۔

اوپری ہال میں آکر اُس نے ایک گہرا سانس لیا اور نظروں کو گھما کر سارے ہال کا جائزہ لیا۔ یہاں نیچے سے زیادہ روشنی تھی۔ ا، عدیل، مناہل اور عُمائمہ اپنے اپنے کمروں میں تھے۔ کچھ سیکینڈز قدم روکے کھڑا رہا اور پھر اُس نے مناہل کے کمرے کا رُخ کیا۔ دروازے کے قریب ہو کر کچھ سُنا، صرف گھڑی کی ٹِک ٹِک سُنائی دے رہی تھی۔

ڈور ناب کو آہستگی سے گھُمایا اور دروازہ کھل گیا۔ ایک بار پھر مُسکرایا اور اندر چلا گیا۔ ایک دروازہ بند ہوا اور ایک کھلا۔ عدیل کے کمرے کا دروازہ۔ وہ باہر آیا اور سامنے مناہل کے کمرے کے دروازے پر نظر پڑی۔ دروازہ بغیر کسی آواز کے بند ہو رہا تھا۔ اُس نے آنکھیں رگڑیں اور آگے ہو کر جھانکا۔ کوئی بھی نہیں نظر آیا۔ دروازہ بند ہو گیا۔

''مناہل؟" آہستہ سی آواز میں پُکارا۔ ماتھے پر بے اختیار بل پڑے۔ اتنی رات تک وہ کیوں جاگ رہی تھی۔ اکثر وہ سب لڑکیاں جاگ ہی رہی ہوتی تھیں، لیکن کبھی بھی اتنی خاموش نہیں ہوا کرتی تھیں۔ اگر وہ جاگ رہی ہیں تو اُنکی آوازوں سے کوئی اور سو نہیں سکتا تھا۔

''مناہل؟'' اُس نے پھر آواز دی۔ سرگوشی نما آواز۔ کوئی جواب نہیں۔ وہ چلتا ہوا صوفوں کے پاس آیا اور جائے نماز ڈھونڈنے لگا۔ وہ وضو کر کے نکلا تھا۔ وہ اکثر اِس وقت اُٹھ کر تہجد کے نوافل پڑھتا

تھا۔ کبھی آنکھ کھل گئی تو ٹھیک ورنہ وہ الارم نہیں لگاتا تھا۔ اُسکے زہن میں کہیں نا کہیں یہ فٹ تھا کہ

تہجد کیلیے اللہ تعالیٰ آپکو اُٹھاتے ہیں، آپکو بلاتے ہیں۔ آج بھی وہ بغیر کسی الارم کے اُٹھ گیا تھا۔

مناہل کو دماغ سے محو کیا اور نیت باندھی۔

※ ※ ※

کمرے میں مکمل اندھیرا تھا۔ مناہل ایسے ہی سوتی تھی۔ مکمل اندھیرا کر کے۔ باہر سے آنے والے کو

چند لمحے آنکھیں پٹپٹا کر اُس اندھیرے کا عادی کرنا پڑا تھا۔

مناہل کا کمرہ کچھ یوں تھا کہ دروازے سے اندر آتے ہی سامنے صوفے اور ایک سینٹر ٹیبل، بائیں

طرف بیڈ تھا جس کے پیچھے بڑے بڑے شیشے کے سلائیڈرز تھے، جن کے آگے پردے ڈال رکھے

تھے۔ بیڈ کے دونوں طرف چھوٹے ٹیبل رکھے تھے۔ بیڈ کے سامنے والی دیوار مکمل طور پر الماری

تھی،اور اُسی میں ایل ای ڈی بھی نصب تھی۔دونوں اطراف کے الماری کے پٹوں پر بڑے بڑے شیشے لگے تھے۔اِس طرح کے دروازہ کھولو تو الماری دروازے کے پیچھے آتی تھی۔

وہ اندر آیا اور سیدھا اُسکی طرف گیا۔بیڈ کے دائیں طرف سے ہو کر وہ آرام سے سوئی ہوئی مناہل کے پاس آکر بیٹھ گیا۔چند لمحے اُسی طرح بیٹھا سامنے والی دیوار کو گھورتا رہا۔اندھیرا اتنا زیادہ تھا کہ بمشکل ہی کچھ نظر آرہا تھا۔

کمرے کے دروازے کی درز میں سے جو روشنی آرہی تھی بس وہی سارے کمرے میں دھندلی سی نظر آرہی تھی۔

''پتہ ہے،میں نے ڈیڈ سے بات کی تھی کہ میں تم سے نکاح کرلوں۔''وہ ہلکی سی آواز میں بے تاثر لہجے میں گویا ہوا۔

''تم مجھے بہت اچھی لگتی ہو۔ لیکن ڈیڈ نے مجھے ڈانٹ دیا کہ میں تمہارے بارے میں غلط نہ سوچوں۔'' وہ ہنسا۔

''اب دیکھو تم اتنی خوبصورت ہو۔۔'' وہ اُسکی طرف مڑا،

''کوئی کیسے تمہارے بارے میں غلط سوچنے سے خود کو روکے؟'' کہہ کر اُس نے مناہل کی کلائی پر اُنگلی پھیری۔ وہ اُسی طرف کروٹ لیے لیٹی تھی۔ ایک ہاتھ گال تلے رکھے، ایک بازو پھیلائے۔

''میں جانتا ہوں کہ آج کے بعد میرا یہاں آنا بند ہو جائے گا۔'' وہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُسکا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

''لیکن میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آج کے بعد تمہارا نام میرے ہی نام سے جوڑا جائے گا، مناہل اگر رُسواء ہو گی تو احمر کے نام سے ہی ہو گی۔'' کہہ کر وہ ایک بار پھر ہنسا اور قریب آ کر اُسکے گال کو اُنگلیوں کے پوروں سے چھوا۔ وہ کسمسائی۔ ٹھنڈی اُنگلیوں کا لمس انگاروں جیسا تھا۔

احمر نے ہاتھ واپس کھینچ لیا اور بس اُسی لمحے مناہل نے ایک جھٹکے سے آنکھیں کھولیں۔

''کون ؟!'' خمار آلود آواز میں، آنکھوں میں بھری نیند لیے وہ اُٹھ کر بیٹھنے لگی۔ یونہی تو نہیں وہ سارا اندھیرا کر کے سوتی تھی، اُسکی نیند کچی تھی۔

''میں ہوں مناہل پیاری، تمہارا اپنا احمر۔'' آہستہ سی آواز میں سکون سے کہا اور اُسکا ہاتھ تھام لیا۔

''احمر بھائی؟ آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟'' پندرہ سالہ مناہل کا دل پہلی بار کسی انہونی کے احساس سے دھڑکا۔ اُس نے تو کبھی اپنے سگے بھائی اسفند کو بھی اُسکے کمرے میں بغیر اجازت آتے نہیں دیکھا تھا، یہ تو پھر رات کا نا جانے کونسا پہر تھا۔ بے اختیار اُسے اپنی چادر کا خیال آیا۔ ایک ہاتھ ہنوز احمر کے ہاتھ میں تھا۔

''میں تمہیں بتانے آیا تھا کہ تم مجھے کتنی اچھی لگتی ہو۔'' وہ مُسکرایا اور مزید اُسکے قریب ہوا۔

''میں۔۔۔ میں لائیٹس آن کرتی ہوں۔'' وہ اُٹھنے لگی،

''مجھے ڈر لگ تہا ہے۔'' سہمی سی آواز میں کہا اور ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ واپس کھینچا۔

''بیٹھی رہو یہیں!'' احمر کا لہجہ بدلا، اب کی بار اُس نے سختی سے کہہ کر اُسکا بازو کھینچا۔ وہ ششدر رہ گئی۔ سارا دن احمر بھائی احمر بھائی کرتی مناہل کی اُس وقت سہی معنوں میں ٹانگیں کانپنے لگی تھیں۔

''احمر بھائی۔۔ یہ۔۔ آپ کیا کر رہے ہیں۔'' کانپتی ہوئی آواز نکلی۔ وہ اب بالکل رو دینے کے قریب تھی۔

''بتایا تو ہے میری گڑیا!'' کہہ کر وہ اُسکے چہرے کے قریب جھکا۔ اور بس مناہل کا صبر جواب دے گیا۔

''اسفند بھائی!'' چیخ نما آواز دی اور ساتھ پڑے ٹیبل پر ہاتھ مارا، شیشے کا گلاس ہاتھ میں آیا، اُس نے لمحہ بھی ضائع کیے بغیر گلاس احمر کے سر میں دے مارا۔ بھاڑ میں گئی اُسکی پسند، اُسے اپنی عزت زیادہ پیاری تھی۔

احمر کراہ کر دوہرا ہوا۔اپنا سر تھامے کھڑا ہو گیا۔

''اسفند بھائی!'' مناہل روتے ہوئے پوری شدت سے آواز دیتی بیڈ سے اُتر گئی۔

باہر لاؤنج میں جائے نماز پر بیٹھا عدیل شاید اب تسبیح پڑھ رہا تھا جب اُسے مناہل کے چیخنے کی آواز آئی۔پہلے تو کانوں پر یقین ہی نہ آیا،اُس نے اُسی طرح بیٹھے آواز محسوس کی۔ایک بار پھر مناہل کی ہذیانی سی آواز آئی۔اُسکا دماغ بھک سے اُڑا اور وہ بے اختیار جائے نماز سے اُٹھ کر اُسکے کمرے کی طرف لپکا۔

''تم!۔۔۔چھوڑونگا نہیں میں تمہیں!آواز بند کرواپنی!'' احمر نے ایک ہاتھ سے سر سہلایا اور بے دردی سے مناہل کا بازو اپنے گرفت میں لیا۔گلاس صرف ضرب کی طرح اُسکے سر پر لگا تھا اور بیڈ پر گر گیا تھا۔

''چھوڑو!چھوڑو مجھے!'' وہ چیخ رہی تھی،رو رہی تھی۔اُسی لمحے دروازہ کھولتے عدیل اندر داخل ہوا۔

''کیاہورہاہے یہاں؟ مناہل؟''اندھیرے کی وجہ سے اُسے صرف ہیولے سے نظر آرہے تھے۔وہ خود بھی گھبرا گیا تھا۔احمر نے اُسکا بازو چھوڑا تو وہ روتی ہوئی باہر کو بھاگی۔عدیل کو وہیں دروازے کے پاس چھوڑے وہ باہر ہال میں آگئی۔

''مناہل؟ کیاہوا؟''وہ اُسکی طرف مڑا لیکن وہ اُسے نظر انداز کرتی اسفند کے کمرے کی طرف بڑھی۔

عدیل نے اُسکی بوکھلاہٹ اور آنسو دیکھے تو اگلے ہی لمحے کمرے کی لائیٹس کا خیال آیا۔مڑ کر سوئچ پر ہاتھ مارا اور سب روشن ہو گیا۔اب کے اُسکے پیروں کے نیچے سے زمین نکلنے لگی تھی۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟''اُسکی آنکھوں میں حیرت،غصہ اور نفرت بیک وقت اُبھری۔

''میں پوچھ رہاہوں تم اِس وقت ہماری مناہل کے کمرے میں کر کیا رہے تھے؟!''عدیل دھاڑتاہوا اُسکے سر پر پہنچا۔

''اسفند بھائی! اسفند بھائی!'' وہ روتے ہوئے بھائی کے کمرے کا دروازہ پیٹ رہی تھی۔ اگلے ہی منٹ اسفند نے بوکھلاہٹ میں دروازہ کھولا تھا اور مناہل بھائی کو دیکھتے ہی اُسکے ساتھ لگ گئی اور ہچکیوں سے رونے لگی تھی۔ چند لمحوں کیلیے تو اسفند گنگ کھڑا رہا۔ اُسے اِس طرح دیکھ کر پہلا خیال اُسے احمر کا ہی آیا تھا۔ اُسکے سارے قلاوے مل کر احمر کا اتنا گھٹیا روپ اُسکے سامنے لائینگے اُس نے سوچا بھی نہیں تھا۔

ننگے پاؤں اور ننگے سر اُسکی اتنی پیاری بہن اِس طرح کیوں رو رہی تھی، وہ پوچھنے کی بھی ہمت نہیں کر پارہا تھا۔ کیونکہ وہ جان گیا تھا۔ سامنے کمرے سے آنے والی عدیل کی آوازیں اُسکی حالت کی گواہ بن رہی تھیں۔

مناہل کے گرد بازو لپیٹ کر اُسے محفوظ کیا اور اندر لے آکر صوفے پر بٹھا دیا۔ وہ بس روئے جا رہی تھی اور اسفند کے بازوؤں سے گرفت نہیں ہٹا رہی تھی۔

''ایسے مت رؤ مناہل۔''بھرائی ہوئی آواز میں کہہ کر اُسکے بالوں پر ہاتھ پھیرا۔

''اسفند بھائی۔۔وہ احمر۔۔احمر۔۔''اُس نے آنسوؤں سے تر چہرہ اُٹھا کر اُسے دیکھا۔

''اُٹھو ماما کے پاس چلیں۔''وہ بہن سے نظریں چُرا گیا اور اُسے اُٹھانے لگا۔

وہ دونوں باہر آئے تو عدیل،احمر کو دھکے اور گالیاں دیتا سیڑھیوں سے نیچے لے جا رہا تھا۔گیسٹ روم میں موجود عُمائمہ بھی آوازیں سُن کر باہر نکلی اور اُن دونوں کے قریب آگئی۔

''کیا ہوا مناہل؟''اُسکے قریب جھکے تشویش سے پوچھا۔

''مناہل کی چادر۔''عُمائمہ کو مخاطب کیا۔

''کہاں ہے؟''وہ مزید حیران ہوئی۔

''اُسکے کمرے میں۔''اسفند کے گلے میں آنسوؤں کا گولہ سا اٹکا۔عُمائمہ سر ہلاتی تیزی سے واپس مڑی اور اُسکا دوپٹہ لا کر اسفند کو تھمایا۔

اسفند نے روتی ہوئی مناہل کے کندھوں پر دوپٹہ پھیلا کر اُسے شانوں سے تھاما۔

''مناہل ڈر نا مت! بجو اماں کو سب سچ سچ بتانا، میں تمہارے ساتھ ہوں۔'' آنکھوں میں نمی لیے بھرّائی ہوئی آواز میں کہا اور پھر اُسے اپنے ساتھ لگائے سیڑھیاں اُترنے لگا۔ عُمائمہ بھی ساتھ ہی اُترنے لگی۔ وہ بس ہونقوں کی طرح سب دیکھ سُن رہی تھی۔ کیا ہوا تھا؟ اُسے نہیں پتا تھا۔

※ ※ ※

دور کہیں فجر کی اذانیں شروع ہو رہی تھیں اور بڑے سے لاؤنج میں قیامت خیز عدالت لگی تھی۔ یہ کوئی عام عدالت نہیں تھی، ایک ہی گھر کے بیٹے کی وجہ سے داؤ پر لگی اُسی گھر کی بیٹی کی عزت کی عدالت تھی۔

بجو اماں اپنے پورے جاہ و جلال سے کھڑیں عدیل کی بات سُن رہی تھیں۔ اُنکے ساتھ ہی افضل اور سُہیل کھڑے تھے۔ ایک طرف رعناء اور نبیل تھے۔ روتی ہوئی مناہل صوفے پر بیٹھی تھی، اُسکے

ساتھ اسفند اور شائستہ بیٹھے تھے۔ہاجرہ،اسماعیل اور عُمائمہ ایک ساتھ سہمے بیٹھے تھے۔ماحول کی سنجیدگی تو وہ بھی محسوس کر ہی چکے تھے۔

احمر ڈھیٹوں کی طرح اُن سب کی نظریں اپنے اوپر محسوس کرتا ایک نظر سامنے کھڑے ماں باپ کو دیکھتا تو کبھی گردن موڑ کہ روتی ہوئی مناہل کو۔

رعناء کا چہرہ بے تاثُر تھا۔وہ نہیں جان پا رہا تھا کہ ماں اِس وقت کیا سوچ رہی ہے۔

''میں ڈیڈ کو بتا چکا تھا کہ میں مناہل کو پسند کرتا ہوں،وہ نہیں مانے تو مجھے غلط۔۔۔''عدیل چُپ ہوا تو وہ بولا،الفاظ ابھی منہ میں ہی تھے کہ رعناء آگے بڑھیں اور ایک زناٹے دار تھپڑ اپنے جوان بیٹے کے منہ پر جڑا۔

وہ ہکا بکا ساماں کو دیکھنے لگا۔

''مام ؟''وہ رعناء کا لاڈلہ تھا،شاید اُسکی ہوش میں پڑنے والا یہ اُسکا پہلا تھپڑ تھا۔

www.novelsclubb.com

"Shut up!"

اب لاؤنج میں مناہل کی سسکیوں کے ساتھ رعناء کی آواز تھی۔

""میں نے ساری زندگی تم سے اِس لیے اتنا لاڈ کیا تھا کہ تم میری ہی بیٹی پر ہاتھ ڈالو؟!"" اُنکی آنکھوں میں نمی نہیں تھی، کرچیاں تھیں، مان ٹوٹ جانے کی کرچیاں۔ غرور ٹوٹ جانے کی کرچیاں۔

رعناء کا جملہ کمرے کے دروازے میں کھڑی آصفہ کے کانوں میں پڑا اور اپنے وجود کا وہ حصہ جہاں ایک نئ زندگی سانس لے رہی تھی، چادر سے ڈھکتے ہوئے اُنکے ہاتھ تھمے۔ وہ ایسی حالت میں تھیں کہ تکلیف کی وجہ سے اُنہیں دوائیں لے کر سونا پڑتا تھا اور وہ عموماً فجر کے وقت جاگ جایا کرتی تھیں۔

اپنے سامنے فرش پر پڑتی نظریں اُٹھا کر آصفہ نے لاؤنج میں گھمائیں اور انہیں صرف اپنی روتی ہوئی مناہل نظر آئی۔

"مناہل؟" حیران سی آواز حلق سے نکلی۔ یکدم ہی سب کی نگاہیں آصفہ پر گئیں۔ مناہل نے ماں کو دیکھا تو صوفے سے اُٹھی اور بھاگ کر ماں کے ساتھ لگ گئی۔ رونا ایک بار پھر نئے طریقے سے آیا تھا۔

"رعناء؟ اماں؟ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟" مناہل کے سر پر ہاتھ پھیرتی پوچھ رہی تھیں، جواب مانگ رہی تھیں۔

"ماما۔۔۔ احمر بھائی۔۔۔" مناہل روتے ہوئے ٹوٹے الفاظ میں بتا رہی تھی اور آصفہ کے وجود سے جان نکل رہی تھی۔

"مناہل! تم میرے کمرے میں جاؤ!" بجو اماں نے اُسے روکنا چاہا۔

''کیوں؟ کیوں جائے وہ آپکے کمرے میں؟تا کہ آپ لوگ میری معصوم بچی کو ورغلا کر اِس درندے سے اُسکا نکاح پڑھوا دیں؟'' مناہل کو ساتھ ہی لگائے وہ آگے بڑھیں۔قدم لڑکھڑا رہے تھے۔اسفند ماں کے حالت دیکھے اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

''سُہیل اب آپ کچھ بول کیوں نہیں رہے؟'' چہرہ غم وغصے سے سُرخ ہو رہا تھا۔ماتھے پر پسینے کے قطرے اُبھرے۔

''آصفہ تمہاری حالت۔۔'' رعناء نے آگے بڑھنا چاہا۔

''رہنے دو رعناء! ہاتھ اُٹھا کر انہیں روکا،'' تم اپنے بیٹے کے کردار کی حالت پر غور کرو، وہ میری حالت سے بھی زیادہ بر تر ہے!'' اُنکا سانس پھولنے لگا تھا۔سُہیل آگے بڑھے اور اُنہیں کندھے سے تھام کر سہارا دیا۔آصفہ کی حالت بگڑ رہی تھی۔

''اماں کیا اب میری بچی اپنے ہی گھر میں محفوظ نہیں رہی؟ لیکن آپ کیوں بولینگی کچھ؟ رعناء اور رعناء کی اولاد تو آپکی لاڈلی ہے نا، آپ کیوں۔۔''بولتے بولتے آصفہ کا سانس ٹوٹ گیا۔ چہرہ جھکا کر خود کو کمپوز کیا اور پھر گردن اُٹھائی۔

''آپ سب تو احمر کو کچھ نہیں کہینگے، میری بیٹی تو داغدار۔۔۔''اور بس اُنکا ضبط جواب دے گیا۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا اور پیٹ کے نچلے حصے میں درد کی ٹیسیں اُٹھنے لگیں۔ اگلے ہی لمحے وہ سُہیل کے کندھے پر ڈھے گئیں۔

''آصفہ!''بہت سی آوازیں ایک ساتھ اُبھریں۔ اسفند جو پہلے ہی کھڑا ہو گیا تھا تیزی سے ماں کی طرف بڑھا۔ رعناء ایک بار پھر آگے بڑھیں۔

''رعناء تم کراچی واپس چلی جاؤ!''بجو اماں نے رعناء کا بازو پکڑ کر روکا اور سپاٹ سا چہرہ لیے حکم سُنایا۔

''اماں؟''رعناء ششدر تھیں۔

''افضل گاڑی نکالو! شائستہ! ہاجرہ! آصفہ کو سنبھالو! پانی لاؤ!'' رعناء کو نظرانداز کیا اور اُنہیں مخاطب کیا۔ خود بھی جھک کر آصفہ کے ہاتھ ملنے لگیں۔

ایک طرف لاڈلی بیٹی تھی اور ایک طرف بیٹے کی اولاد۔ فیصلہ مشکل تھا لیکن وہ کر چکی تھیں۔ فلحال رعناء کا وہاں سے چلے جانا ہی بہتر تھا۔ وہ ایک ماں تھیں۔ اُنہیں اپنی ساری اولاد کو ایک جیسا رکھنا تھا۔ ماؤں کے ظرف بہت اعلیٰ ہوتے ہیں۔ مائیں سفاک ہونے پر آئیں تو اپنی لاڈلی اولاد کو بھی نہیں دیکھتیں۔

سُہیل، شائستہ اور عدیل نے آصفہ کو کندھوں سے سہارا دے کر پورچ سے آگے تک لائی گاڑی میں بٹھایا۔

''نبیل میاں! میں واپس آؤں تو یہ مجھے یہاں نظر نہ آئے!'' بجو اماں نے بھی اُنکے ساتھ جاتے ہوئے احمر کی طرف اشارہ کیا اور لاؤنج سے نکل گئیں۔

رعناء اکیلی کھڑی رہ گئیں۔زندگی میں پہلی دفعہ اُنہوں نے اپنی ماں کی آنکھوں میں اپنے لیٔے ناپسندیدگی دیکھی تھی، وہ کیسے سہتیں؟ماں چلی گئی، بھائی منہ موڑ گیٔے، نہ کوئی تسلی، نہ ہی حرفِ ندامت۔سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ اولاد ہی اِس سب کی وجہ بنی تھی۔وہ کیا کرتیں؟بے اختیار وہ وہیں لاؤنج کے درمیان زمین پر بیٹھتی چلی گئیں۔پاس کھڑے نبیل تیزی سے آگے بڑھے۔

پورچ سے آتے عدیل اور اسفند کی نظر پھپھو پر پڑی تو وہ بھی بھاگتے ہوۓ آگے آۓ۔

''پھپھو!اُٹھیں۔روئیں مت، بجو اماں مان جائینگی۔''عدیل نے تسلی دینے کی کوشش کی۔

''پھپھو وہ زیادہ دیر آپ سے ناراض نہیں رہ سکتیں۔''اسفند نے اُنکا بازو تھاما اور صوفوں کی طرف لے جانے لگا۔

رعناء نے نظر اُٹھا کر اُن دونوں کو دیکھا۔آنسوؤں میں پھر تیزی آگئی۔اُنکا اپنا بیٹا نا جانے کب وہ سارا منظر دیکھ کر اپنے کمرے کا رُخ کر گیا تھا۔

''مجھے معاف کردو اسفند۔''اُسے اپنے ساتھ لگایا۔

''پھپھو آپکی تو کوئی غلطی نہیں ہے۔''رعناء کے ساتھ لگے معصوم اسفند کی آواز بھرا گئی۔

''ہاجرہ! پھپھو کیلیے پانی لاؤ۔''شائستہ نے آگے بڑھ کر رعناء کا ہاتھ تھاما۔

ہاجرہ تیزی سے کچن کی طرف مڑی۔ عُمائمہ نے ماں کو روتے دیکھا تو ٹیبل پر پڑے ٹشو باکس میں سے ٹشو نکال کر اُنکے آنسو پونچھنے لگی۔

''عُمائمہ میرا بچہ اُٹھو، پیکینگ کرو۔''نبیل نے سنجیدگی سے کہا۔

''نبیل وہ مان جائینگی۔''رعناء نے گیلی پلکیں اُٹھا کر شوہر کو دیکھا۔

''مان جائینگی، لیکن رعناء اُس سے پہلے ہمیں اپنے بیٹے کو سیدھا کرنا ہے۔''

اُسی سنجیدگی سے کہا۔ رعناء خاموش ہو گئیں۔ عُمائمہ نے تائیدی تاثرات دیکھے تو اُٹھ کر سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی۔ اُنہیں اب ہر صورت واپس جانا تھا، وہ جان گئی تھی۔

''مناہل ! میرا بچہ یہاں آؤ۔''رعناء نے دور بیٹھی مناہل کو اپنے پاس بُلایا۔وہ واقعی بہت شرمندہ تھیں۔

وہ سب بچے تھے۔لیکن بچے بھی غم اور غصے کی کیفیات کو بخوبی سمجھتے ہیں۔وہ ناراضگی کو بھی جانتے ہیں۔وہ سب یہ بھی جانتے تھے کہ بجو اماں پھپھو سے ناراض ہیں۔حالانکہ پھپھو کی کوئی غلطی نہیں ہے۔سب ہی اپنی اپنی جگہ ایک دوسرے سے کترا رہے تھے۔

دن چڑھا اور گرمیوں کی چلچلاتی دھوپ ہر سُو پھیل گئی۔ہاسپٹل سے اسفند اور مناہل کی ایک اور چھوٹی بہن کے آنے کی خبر بھی آگئی۔لیکن پھر بھی وہ سب خوش نہیں ہو پا رہے تھے۔کیونکہ رعناء جا رہی تھیں۔ٹکٹس بُک ہو گئی تھیں،سامان پیک کر لیا تھا،بس اب حوصلہ چاہیئے تھا۔وہ رعناء جو گرمیوں کی چھٹیوں میں دو دو مہینے رُکا کرتی تھیں،اِس بار بس دس ہی دنوں میں واپس جا رہی تھیں۔

''کیا مجھ سے ناراض ہو؟''اسفند ٹیرس کی ریلینگ پر ہاتھ رکھے گردن نیچے گرائے،لان کی گھاس کو گھُور رہا تھا۔

''نہیں۔''یک لفظی جواب دیا۔ایسے جیسے گھاس بہت اہم تھی۔

''ہم جا رہے ہیں،کیا سی آف بھی نہیں کرو گے؟''آنکھوں میں نمی لیے اُسکی پُشت کو گھورا۔وہ ٹیرس کے دروازے میں کھڑی تھی۔

''میں پھپھو اور نبیل انکل سے مل آیا ہوں اور آپ سے ملنے ابھی آ ہی رہا تھا۔''اُسی طرح کھڑا رہا۔مڑے بغیر۔وہ خاموش ہو گئی۔تھوڑی دیر بعد گیلی سی سانس اندر کھینچی تو اسفند ٹھٹکا۔وہ رو رہی تھی۔تیزی سے مڑا۔

''رو کیوں رہی ہو؟''ریلینگ چھوڑ کہ اُسکے پاس آ گیا۔

''سب ہم سے ناراض ہیں، بجو اماں بھی واپس نہیں آئیں، مجھے رونا آرہا ہے۔'' اُسکے پوچھنے پر وہ ہچکیوں سے رونے لگی تھی۔

''سب سے نہیں ناراض، بس احمر سے ناراض ہیں، اور پلیز رونا بند کرو، بجو اماں کو میں منالونگا۔'' اسفند نے ایسے کہا جیسے اُس نے یقین کر لیا۔ اور اُس نے واقعی یقین کر لیا تھا۔

''سچ میں؟'' روتی ہوئی آنکھیں اُٹھائیں۔

''ہاں! دیکھنا وہ خود پھپھو کو کال کر کے بُلائینگی اور اب تو میری ایک اور بہن بھی آگئی ہے، کیا اُسے دیکھنے کیلئے نہیں بلائینگی وہ۔'' وہ مُسکرا دیا۔ یکدم ہی سارے غم دور ہونے لگے تھے۔

''ٹھیک ہے۔'' آنسو پونچھتے ہوئے وہ بھی مُسکرائی۔

''لیکن مناہل سے تو میں نے سوری کہا ہی نہیں۔'' کتنی ہی فکریں اُسے کھائے جارہی تھیں۔

''میں اُسے بھی منالونگا، بس رونا بند کرو۔'' بڑی بے نیازی سے کہہ کر اُسکا شانہ تھپکا۔

''ٹھیک ہے اسفند۔اب میں جاؤں؟'' وہ پورے دل سے مسکرا دی۔

''ہاں جاؤ!اب رونا مت۔'' اُسے مطمئن کر کے ہدایت دی۔اُس نے سر ہلایا اور مڑ گئی۔ ٹیرس میں کھڑے اسفند نے اُسے سیڑھیاں اُتر جانے تک دیکھا۔

※※※

وہ بائے ائیر کراچی پہنچے تھے۔شہر بدل گئے تھے لیکن حالات نہیں۔رعناء ابھی تک اِس شاک میں تھیں کہ آتے ہوئے اُنکی ماں اُن سے نہیں ملی تھیں۔ماں ہی کیا، بھائی بھی نہیں ملے تھے۔بظاہر وہ سب ہاسپٹل میں تھے، لیکن رعناء جانتی تھی کہ وہ جان بوجھ کر گھر نہیں آئے۔وہ پورے راستے کچھ بھی نہیں بولی تھیں۔عُمائمہ البتہ پُر سکون تھی۔وہ جانتی تھی اسفند بجو اماں کو منا لیگا اور پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔احمر کے ساتھ جو بھی ہو گا وہ اُسکی سزا ہو گی، اُس نے مناہل کو تنگ کیا تھا، سزا تو ملنی ہی تھی۔

اور احمر؟ احمر اپنی ماں کی خاموشی سے ڈر رہا تھا۔ وہ کیا سوچ رہی تھیں، وہ اب اُسکے ساتھ کیا کرینگی؟

وہ نہیں جانتا تھا۔ لیکن اُسے کہیں بھی اپنے کیے پر پچھتاوا یا پھر اپنی غلطی کا احساس تک نہیں تھا۔

"نبیل! احمر کا ایڈمیشن اسلام آباد شفٹ کروادیں اور اِسکے ہاسٹل کا بندوبست کریں۔" گھر پہنچ کر ابھی وہ بیٹھی ہی تھیں کہ سامان اندر رکھتے ہوئے نبیل کو اونچی آواز میں مخاطب کیا، تاکہ احمر بھی سُن لے۔

"میں اسلام آباد نہیں جاؤنگا!" وہ چِلاّیا تھا۔

"تو پھر کہاں جاؤگے؟ دل تو میرا تمہیں شوٹ کردینے کو کررہا ہے!" نبیل معاملے میں پہلی دفعہ بولے اور تقریباً بھڑک اُٹھے تھے۔

"آپکو بتایا تھا میں نے!" وہ باپ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

''میں نے اگر انکار کیا تھا تو اِسکا یہ مطلب تو نہیں تھا کہ تم اپنے ہی گھر کی عزت خراب کر و!'' آواز آہستہ کرلی۔

''میرے ایک غلط قدم سے آپ سب کو مناہل کا نکاح مجھ سے مجبوراً کر وانا پڑتا۔'' ڈھیٹوں کی طرح ہنسا۔ نبیل کا واقعی دل چاہا کہ وہ اُسے شوٹ کر دیں۔

'' کبھی سوچا ہے کہ اگر اسفند تمہاری بہن کے ساتھ ایسا کچھ کرے تو کیا کر و گے ؟'' اُنہوں نے گردن نفی میں ہلاتے، زہرخندہ سے لہجے میں برابری کا جواب دیا۔

''میری بہن آپکی بیٹی ہے !'' احمر کے کان سُرخ ہوئے۔

''اور جس پر تم گندی نیت ڈال کر آئے ہو نا وہ بھی میری ہی بیٹی ہے !'' نبیل کی آنکھوں میں اب صرف افسوس تھا۔

''بس کریں نبیل، یہ اب یہاں نہیں رہ سکتا، جو انسان میرے خاندان کی ایک بیٹی پر بُری نظر ڈال سکتا ہے، اُس سے میری اپنی بیٹی بھی محفوظ نہیں ہے۔ اِسے بھیج دیں۔'' رعناء نے اپنا فیصلہ سُنایا۔

آنسو ٹوٹ کر گالوں پر بہہ گئے۔

احمر اُنکا لاڈلا بیٹا تھا۔ اکلوتا بیٹا۔ اُسکے بغیر تو وہ کھانا بھی نہیں کھاتی تھیں۔ لیکن رعناء خود بھی تو لاڈلی تھیں۔ رعناء کی آواز کے بغیر تو بجواماں کا دن ہی شروع نہیں ہوتا تھا۔ اُس ماں نے بھی اپنی لاڈلی اولاد کو سزا دینے کیلیے دور بھیج دیا تھا نا۔ وہاں بھی دل پہ پتھر رکھنا پڑا تھا، یہاں بھی۔

''ٹھیک ہے میں چلا جاؤنگا، لیکن میں لندن جاؤنگا۔'' وہ میڈیکل کا سٹوڈنٹ تھا، اپنا نقصان کیسے ہونے دیتا؟ چند لمحوں کی سوچ بچار کے بعد کہا۔ رعناء نے گیلا چہرہ اُٹھا کر اپنے بیٹے کو دیکھا۔ کہاں کمی رہ گئی تھی اُسکی تربیت میں جو وہ اتنا گھٹیا سوچ رہا تھا؟ وہاں کمی نہیں زیادتی تھی۔ لاڈ پیار کی زیادتی۔

زندگی میں ایک بات جو رعناء احمر کی دفعہ بھول گئی تھیں، وہ توازن تھا۔

''نبیل بھیج دیں اِسے، جہاں بھی جانا چاہتا ہے۔'' کہہ کر رعنا نے اُس پر ایک آخری نگاہ ڈالی اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

زندگی میں بعض فیصلے آپ جذبات میں، غصے میں آ کر کرتے ہیں۔ اور ایسے فیصلے کبھی بھی دُرست نہیں ہوتے۔

※ ※ ※

ایک ہفتہ لگا تھا اور احمر لندن کی فلائیٹ کیلیۓ تیار کھڑا آئینے میں اپنا عکس دیکھ کر مُسکرا رہا تھا۔

''مجھے نہیں پتا تھا مناہل کہ تم میرے لیۓ جیک پاٹ ثابت ہو گی!'' اپنی عینک ٹھیک کرتے ہوئے وہ بڑبڑایا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

اِس ایک ہفتے میں رعناء کے گھر کی ہر چیز معمول پر تھی، سوائے رعناء کے۔ وہ خاموش تھیں۔ اُنکا خیال تھا کہ گھر سے دور جانے کی خبر سے احمر ڈرے گا، لیکن اُلٹا وہ خوش ہوا تھا۔ وہ شرمندہ ہونے کی

بجائے روز رعناء سے ایسے ملتا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔لندن جانا اُسکے لیے ایک خواب کی طرح تھا،

خواب سچ ہو رہا تھا،چاہے کسی بھی طریقے سے ہو اُسے کیا فرق پڑتا تھا۔

ایک ہفتے سے فیصل آباد سے کسی کی بھی کال نہیں آئی تھی۔یہ بات رعناء کو کھائے جا رہی تھی۔شاید

یہی وجہ تھی کہ وہ احمر کو بھی نہیں روک رہی تھیں۔وہ بجو اماں کی ناراضگی کا بدلہ احمر سے لے رہی

تھیں۔غلط کر رہی تھیں۔

اور پھر احمر چلا گیا۔بغیر کسی کو منائے،بغیر کوئی شرمندگی دکھائے،ڈھیٹ بنا لندن چلا گیا۔اُسکی نئ

زندگی اُسکا انتظار کر رہی تھی۔نبیل نے اُسکے چلے جانے کے بعد بجو اماں کو کال کر کے بتا دیا تھا،اُنہوں

نے بغیر کچھ کہے،اطلاح سُن کر فون بند کر دیا تھا۔

※ ※ ※

جس دن رعناء گئی تھیں، اُسی دن دوپہر تک بجو اماں واپس آگئی تھیں۔ وہ دانستہ اُسکے ہوتے ہوئے نہیں آئی تھیں۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ اپنا فیصلہ بدلیں۔ وہ رعناء کو اُس وقت سے سمجھاتی آرہی تھیں جب احمر بہت چھوٹا تھا اور رعناء اُسکی ہر بات پہ آمین کہتی جارہی تھیں۔ وہ اُسے مسلسل سر پر چڑھائے جارہی تھیں اور کہتی تھیں کہ وہ ابھی بچہ ہے، بڑا ہو کر ٹھیک ہو جائے گا۔ لیکن عادتیں نہیں جاتیں، خاص طور پر وہ عادتیں جو بچپن میں ڈالی جائیں وہ قبر تک پیچھا نہیں چھوڑتیں۔

سُہیل اور افضل نے بھی بجو اماں کو خوب سمجھایا تھا کہ اِس سب میں رعناء کا تو کوئی قصور نہیں تھا، لیکن اُنکا کہنا تھا کہ اگر وہ وقت سے پہلے اُس پر سختی کرتیں، اور اُسکی جائز ناجائز خواہشات پر آنکھیں بند کر کے پوری نہ کرتیں تو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔ بجو اماں اپنی جگہ بالکل ٹھیک تھیں۔

اُنہوں نے رعناء کو جانے کیلئے کہا تو رعناء نے وہی حربہ احمر پر آزمایا اور اُسے بھی خود سے دور کر دیا۔ رعناء نے یہاں بھی غلط کیا۔

بیٹیاں اکثر ماں باپ کی صرف ایک چُپ پر ہی اپنی ساری غلطیاں مان لیتی ہیں۔ لیکن بیٹے تھوڑے اُلٹے سے دماغ کے ہوتے ہیں۔ انہیں جب تک آرام سے سمجھایا نہ جائے وہ بات نہیں مانتے، نہ ہی اپنی غلطیوں کا احساس ہوتا ہے۔ اگر خاموشی اختیار کر لینے یا پھر گھر سے نکال دینے والے حربے بیٹوں پر آزمائے جائیں تو وہ اپنے ہی گھر والوں کے متبادل ڈھونڈ لیتے ہیں اور پھر واپس کبھی نہیں آتے۔

مناہل دو تین دن تک بجو اماں کے پاس ہی رہی تھی۔ اُسے اپنے آپ کو، اپنی عزت و وقار کو واپس بحال کرنے کیلیے وقت درکار تھا۔ اُس نے ایک بار بغیر روئے ساری بات بجو اماں کو بتادی تھی اور وہ مطمئن تھیں۔ وہ آصفہ کو بھی سمجھالینگی اور اسفند کو بھی۔

اِس سب میں واقعی رعناء کا قصور نہیں تھا۔ بیٹے تو ہر ایک کو پیارے ہوتے ہیں۔ بس یہی چیز رعناء کو لے ڈوبی تھی۔

ایک ہفتے بعد آصفہ اور وہ ننھی آمنہ بھی گھر آگئی تھیں۔ مناہل اور اسفند کو ایک نئی چیز مل گئی تھی۔

مناہل بلاخر گزرے واقعات بھولنے میں کامیاب ہو رہی تھی۔اِس سب میں مناہل کو ہنسانے اور

اُسکے ساتھ ساتھ رہنے میں بڑا ہاتھ اسفند کا تھا تو اُسکے ساتھ ساتھ اسماعیل کا بھی تھا۔

وہ مناہل کے سامنے ہنستا کھیلتا، جب اپنے کمرے میں جاتا تو اُداس ہو جایا کرتا تھا۔شائستہ نے اُسے بتایا

تھا کہ احمر نے مناہل کو بیڈ ٹچ دیا تھا اِس لیے وہ مناہل کو اچھے سے ٹریٹ کرے تاکہ وہ اُن سب سے

بھی منہ نہ پھیر لے۔

ہمارے اپنوں سے جُڑے کچھ واقعات ہماری اپنی ذات کو بھی کھوکھلا کر جاتے ہیں۔ایسے واقعات

ساری زندگی کیلیے ہمارے اندر ایک گلٹ، ایک ڈر چھوڑ جاتے ہیں۔

※※※

تقریباً ڈیڑھ ہفتے بعد رعناء کے فون کی سکرین بجو اماں کے نام سے روشن ہوئی تھی۔رعناء نے سکرین دیکھی تو بے اختیار آنکھوں میں نمی اور لبوں پہ آسودہ سی مُسکراہٹ در آئی۔لمحے کی بھی دیر کیے بغیر فون اُٹھایا۔

"السلام علیکم!" دسوری طرف سے ہشاش بشاش سی آواز سنائی دی۔

"وعلیکم السلام اماں!" رعناء کی آواز بھرانے لگی۔زخم یاد آنے لگے۔

"رعناء میں ناراض ہوئی تھی، مر تو نہیں گئی تھی جو تم نے ایک فون بھی نہیں کیا۔" بجو اماں کی اپنی آنکھوں میں بھی نمی تھی۔

"اللہ نہ کریں اماں! آپکو میری عمر بھی لگ جائے۔" رعناء نے بے اختیار کہا۔

"چلو اب زیادہ ڈرامے نہ کرو، صبح کی فلائیٹ پکڑو اور بچیوں کو لے کے آجاؤ۔" عام سے انداز میں مُسکراتے ہوئے کہا۔

''سچ میں اماں ؟''رعناء حیران ہوئی تھیں۔

''ہاں تواور کیا؟آصفہ کی بیٹی کا عقیقہ ہے پرسوں،بچی کا نام بھی سوچتی آنا۔''

''لیکن آصفہ ؟''وہ اُسکا حق کیوں چھینتیں،پہلے اوراب کی حالات میں بہت فرق تھا۔

''کیا آصفہ ؟اسفند کا نام بھی تو تُو نے ہی رکھا تھانا،تب آصفہ نے کچھ کہا تھا؟''ڈیڑھ ہفتے بعد بجو اماں اپنی جون میں واپس آئی تھیں۔رعناء ہی تھیں جو اُنہیں اپنی جون میں واپس لا سکتی تھیں۔

''لیکن اماں احمر کی وجہ سے۔۔''اُنہوں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑا۔

''جو احمر نے کیا وہ اُسکی غلطی تھی،وہ اپنی سزا بھگت لیگا،تیری سزا بھی تجھے اچھی خاصی مل گئی ہے اور ویسے بھی آصفہ کوئی چھوٹی بچی نہیں ہے جو صحیح غلط میں فرق نہ کر سکے۔''

''ٹھیک ہے اماں۔''آہستہ سی آواز میں کہا۔

''ہاں اب اُٹھو اور پیکینگ کرو،کل دوپہر تک تم یہاں پہنچی ہو۔''

www.novelsclubb.com

’’فکر ہی نہ کریں اماں!‘‘ رعناء مُسکرا دیں۔

کیا ایسا ہو سکتا تھا کہ بجو اماں حکم کریں اور رعناء انکار کر دیں؟

※ ※ ※

دونوں شہروں میں ایک بار پھر مُسکراہٹیں پھیلیں۔ ایک گھر میں جانے کی خوشی تھی تو ایک میں آنے کی۔

جس خاموشی سے رعناء گئی تھیں اُسی خاموشی سے واپس آئی تھیں۔ اُسی رات جس دن بجو اماں نے فون کیا تھا۔ رعناء اُنہیں سرپرائز دینا چاہتی تھیں۔

گیٹ کے باہر رُکتی گاڑیوں کی آواز پر وہ سب لاؤنج میں بیٹھے چونکے تھے۔ عشاء کی اذانیں ابھی ابھی مکمل ہوئی تھیں اور وہ سب بجو اماں کے ساتھ بیٹھے کوئی ڈرامہ دیکھ رہے تھے۔

’’اِس وقت کون آیا ہے؟‘‘ بجو اماں نے حیرانگی سے سُہیل کو دیکھا۔

"افضل ہوگا اماں، ابھی تھوڑی دیر پہلے ضروری کام کا کہہ کر نکلا تھا۔" وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"گاڑیاں تو زیادہ لگ رہی ہیں۔" شائستہ جو ریموٹ ہاتھ میں پکڑے بیٹھی تھیں لقمہ لگایا۔

سُہیل لاؤنج سے باہر کی طرف بڑھے۔ عدیل اور اسفند بھی ساتھ ہی لپکے۔

اُنکے باہر آنے تک افضل کی گاڑی اندر آچکی تھی اور کھُلے ہوئے گیٹ سے ٹیکسی نظر آرہی تھی۔

"پھپھو آئی ہیں!" اسفند نے باپ سے آگے دوڑ لگائی اور نعرہ لگایا۔

"رعناء؟" لاؤنج تک اُسکا نعرہ سُنا گیا تھا۔

"رعناء نے تو کل آنا تھا؟" آصفہ کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔

بجو اماں اپنی جگہ سے اُٹھتی تیزی سے باہر نکلیں۔ ہاجرہ اور مناہل نے آنکھوں میں چمک لیئے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر کھلکھلاتی ہوئیں باہر بھاگیں۔

"میں نے کہا تھا نا سب مان جائینگے!"معصوم چہرے ایک بار پھر کھل اُٹھے تھے۔ عُمائمہ مُسکرائی۔

"عُمائمہ!"ہاجرہ اور مناہل نے بیک وقت آواز دی۔

"میں نے تمہیں بہت مِس کیا!"مناہل اُسکے ساتھ لگ گئ۔

"میں نے بھی!"وہ کھلکھلائی۔

"کتنے تیز ہو تم سب، تجھے پتا تھا نا یہ آ رہی ہے!"اماں نے افضل کے کندھے کو ٹھوکا دیا۔

"کہاں اماں؟ ابھی ائیر پورٹ پر پہنچ کر اِس نے کال کی ہے۔"وہ بھی ہنسے۔

"یہاں آؤ میرے جگر کے ٹکرو!"بجو اماں نے اُنہیں اپنے ساتھ لگایا۔ قریب کھڑی اُنکی اولادیں بھی اُنہیں دیکھ کر کھلکھلائیں۔

رات کا اندھیرا گہرا ہوتا گیا اور فضاء میں جابجا ایک بار پھر خوشیاں پھیل گئیں۔ غم کے بعد خوشی کا آنا تو پھر فرض سا ہی ہے نا!

اُنکے قہقہے، ہنستے چہرے اور آوازیں پھر کسی گہرے پردے پر نظر آتے آتے مدھم ہونے لگے۔اتنے مدھم کہ غائب ہوگئے۔اب وہاں سردی تھی اور رات کا گہرا اندھیرا۔اُسی سردی میں ہم ہواؤں کے سردپن کو محسوس کرتے انیکسی کے پچھلے حصے کی طرف سفر کرتے ہیں جہاں وہ دو وجود آج بھی اُسی طرح کھڑے نظر آرہے تھے۔آج بھی ایک وجود سہما تھا اور دوسرا مُسکرایا تھا۔آج بھی ایک وجود نہتا تھا اور ایک طاقتور۔

لیکن کیا ضروری ہے کہ جو اسلحے والا ہو بس وہی طاقتور ہے؟ اصل طاقتور تو وہ ہے جو اپنے اعصاب، اپنے خوف پر قابو پالے۔

اِس حساب سے آج مناہل زیادہ طاقتور تھی۔

سفید ہوتا چہرہ لیے اُس نے گہرا سانس لیا۔ایک بار، دوبار اور بس۔اتنا سا ہی خوف تھا۔وہ اب مزید نہیں ڈر سکتی تھی۔پسٹل کی نال کو ایک ہاتھ سے جھٹکا اور پیچھے مڑی۔انیکسی کی زرد روشنیوں میں احمر

کی عینک چمک رہی تھی۔ لبوں پہ وہی شیطانی مُسکراہٹ تھی جو اُس زرد روشنی میں بھی مناہل سے چھُپی نہیں رہی تھی۔ وہ بھی مُسکرا دی۔ جیسے انتظار میں تھی۔

''مجھے نہیں پتا تھا تم اتنے گھٹیا نکلو گے!'' آواز بے تاثر تھی اور لہجہ زہر خندہ!

''اِس سے زیادہ گھٹیا ہوں، میری گڑیا۔'' کہتے ہوئے اُس نے پسٹل کا اگلا حصہ مناہل کے چہرے کے ساتھ مس کیا۔ وہ گردن اُٹھائے بے خوف انداز میں کھڑی رہی۔

''چاہتے کیا ہو؟'' مناہل نے سوال کیا۔

''نائیس! سمجھدار ہو گئی ہو، آف کورس تمہیں چاہتا ہوں۔'' اُسکے سوال پر ہنس کر کہا۔ مناہل بھی ہنسی، طنزیہ ہنسی۔ گردن جھکائی، بہت کچھ یاد آیا تھا، بہت سے آنسو اندر اُتارے اور پھر گردن اُٹھائی۔

''اور پتہ ہے میں کسے چاہتی ہوں؟'' اُسکی آنکھوں میں دیکھتی مناہل نڈر تھی۔ بے خوف!

''کسے؟'' پسٹل پر اُسکی گرفت سخت ہوئی۔

''اسماعیل کو!''سرگوشی نما آواز میں کہہ کر مُسکرائی۔اسماعیل سُن لیتا تو یقیناً خوشی سے بیہوش ہی ہو جاتا۔

احمر کی رنگت بدلی۔سُرخ ہوئی تھی یا سفید؟اندھیرے کے باعث وہ دیکھ نہیں سکی البتہ تاثرات بتا رہے تھے،اُسے تکلیف ہوئی تھی۔

''اوہ تو میری گڑیا اب محبت کرنے لگی ہے؟''اب کے اُسکا لہجہ سنجیدہ تھا۔مناہل نے گردن ہاں میں ہلائی اور دونوں بازو سینے پر باندھ لیے،کہ کر وا ب کیا کر سکتے ہو۔جو بات وہ اتنے عرصے سے چھُپائے ہوئے تھی اُسکا اقرار کر کے وہ اب اچھا محسوس کر رہی تھی۔محبت ہی ہے جو ہمیں بے خوف کر دیتی ہے۔

''اور محبتیں اکثر ادھوری ہی رہ جاتی ہیں۔''اُس نے اُسی لہجے میں پسٹل کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔

''تم کچھ نہیں کر سکتے، تم ایک بزدل انسان ہو میں تم سے نہیں ڈرتی، اب ہٹو!'' تنفر سے کہتی وہ آگے بڑھ گئی۔البتہ اُسکی بات پہ مناہل کا دل بند ہو تھا۔

''میں ایک بار پھر وہی مطالبہ سب کے سامنے رکھونگا، اور دیکھونگا کہ اب کون انکار کرتا ہے۔'' اُسکے پیچھے سے ہی کہا۔

''شوق سے کروالینا اپنی بے عزتی، تمہیں تو عادت ہے!'' مڑے بغیر ہی کہا اور اندر چلی گئی۔

اندر آکر دروازہ لاک کیا اور گہرے سانس لے کر خود کو پُرسکون کیا اور پھر مُسکرا دی۔اپنے اوپر فخر سا محسوس ہوا۔سامنے شیلف پر رکھی پانی کی بوتل اُٹھائی اور کندھے سے دوپٹہ درست کرتی اندر کی طرف بڑھ گئی۔

※※※

اگلی صبح ابر آلود سی تھی۔ کراچی کے آسمان پر بادل تھے اور سورج آنکھ مچولی کھیلتا نظر آرہا تھا۔ ایسے موسم سے جہاں ہر ایک مسرور سا تھا وہیں عُمائمہ اپنے کمرے میں بیزار سی بیٹھی تھی۔ پھر جیسے تیسے اُٹھی اور کمرہ سمیٹنے لگی۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد باہر آئی تو لاؤنج میں بیٹھے اسفند پر نظر پڑی۔ وہ فون پر سر جھکائے ہوئے تھا۔ وہ اُسکے صوفے کے پیچھے ہی آکر کھڑی ہوگئی۔ فون کی سکرین اب وہ بھی دیکھ سکتی تھی۔ وہ اپنی سیکریٹری سے بات کر رہا تھا۔ وہ اُسے کام پر نہ آنے کے نقصانات گنوا رہی تھی اور اسفند اُسے ٹالے ہی جا رہا تھا۔

عُمائمہ کے کمرے کے باہر ہال تھا جسے بڑے بڑے ایل شیپڈ صوفوں سے سجایا گیا تھا۔ جا بجا بڑے بڑے واز اور باقی ڈیکوریشن پیس رکھے تھے۔ ہال میں ہے اوپر بنے پانچ کمروں کے دروازے کھُلتے تھے۔ عُمائمہ کے کمرے کے ساتھ ہی ایک چھوٹا سا کمرہ تھا، وہ ویسے تو سٹور روم تھا لیکن عُمائمہ نے

اُسے اپنا اسٹوڈیو بنالیا تھا۔اور وہاں جانے کی اجازت کسی کو بھی نہیں تھی۔اب تو شاید وہ خود بھی بھول گئی تھی کہ وہ پینٹنگز بھی کرتی ہے۔

''کافی پئیں گے؟''ہلکی سی آواز میں پکارا۔وہ مُسکرایا۔

''شیور! پھپھو کیل ئے بھی۔۔''الفاظ دم توڑ گی ئے۔ٹائپینگ کرتے انگوٹھے تھمے۔ گردن موڑ کر عُمائمہ کو دیکھا۔وہ مُسکرا رہی تھی۔وہ ایک ہی بار رو کیوں نہیں دیتی تھی۔

''ایم سوری۔''اسفند کے چہرے کی مُسکراہٹ اب وہاں نہیں تھی۔فون کا پاور بٹن دبایا اور کھڑا ہو گیا۔

''اِٹس اوکے،میں بنا کر لاتی ہوں۔''وہ پلٹ گئی۔اسفند کا دل بند ہوا۔وہ اُسے ایسے نہیں دیکھ سکتا تھا۔بے اختیار اُس نے اپنی کنپٹی سہلائی۔سر درد کرنے لگا تھا۔یا نا جانے کب سے کر رہا تھا۔اُسے واقعی کافی چاہی ئے تھی۔سیڑھیوں کی طرف دیکھا۔وہ جا چکی تھی۔

دن ڈھیل گیا اور پھر سے رات آگئی۔ احمر نے کوئی بات نہیں کی۔ مناہل کو سارا دن دھڑکا ہی لگا رہا

تھا۔ اوپر سے اُسکے پیٹ میں اُٹھتے مروڑ اُسکا منہ زیادہ دیر بند نہیں رکھوا سکتے تھے۔

اُسے یہ بھی فکر تھی کہ وہ بتائے کِسکو؟ عُمائمہ؟ نہیں، وہ پہلے ہی پھپھو کی وجہ سے ڈسٹرب ہے۔

اسفند؟ نہیں، وہ عُمائمہ کی وجہ سے ڈسٹرب ہے۔ ہاجرہ؟ اُسکے لیے اُسکے پاس وقت نہیں ہے۔ بچا

اسماعیل۔ لیکن اسماعیل کے سامنے اگر وہ یہ بات چھیڑے گی تو وہ بات کی کھال اُتارتا اُسکے دل کے

حال تک پہنچ جائے گا۔ کمبل میں لیٹی مناہل اِس سوچ پر جھرجھری سی لی اور آنکھیں بند کر لیں۔ وہ

صبح جاکر بجو اماں کو ہی بتادیگی۔

※※※

کھولو یار دروازہ!"" صبح کے نو بجے تھے جب عائشہ انیکسی کا باہری دروازہ پیٹ رہی تھی۔

"کیا ہوا عائشہ؟" دروازہ اسفند نے کھولا تھا۔ وہ کافی کا مگ ہاتھ میں اُٹھائے کھڑا تھا، شاید تھوڑی دیر پہلے ہی جاگا تھا۔

"آصفہ ممانی کو جگائیں! ہاجرہ آپی! مناہل! اُٹھو!" اونچی اونچی آوازیں دیتی وہ اسفند کو دروازے کے پاس ہی چھوڑے صحن کے درمیان میں کھڑی تھی۔

"کیوں؟ کیا ہو گیا؟" اُس نے دروازہ بند کیا اور اُسکی طرف مڑا۔

"سیفی بھائی آرہے ہیں۔ ڈیڈ نے کہا ہے حالات جیسے بھی ہیں وہ گھر کے داماد ہیں، اور یہاں پہلی بار آرہے ہیں، کوئی کمی نہ رہے۔" آخری جملہ کہتے اسفند کو اُسکی آواز کانپتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

"ہاجرہ آپی اور مناہل کو اُٹھاؤ، میں ماما کو دیکھتا ہوں۔" مُسکرا کر کہتا وہ کچن کی طرف مڑ گیا۔ عائشہ سیڑھیاں پھلانگ گئی۔

''ہاجرہ آپی! شوہر آگیا آپکا! اور آپ یہاں سوتی رہیں!'' دروازہ دھڑام سے کھولا اور ساری لائیٹیں ایک جھٹکے میں جلادیں۔

''سیف؟ کہاں؟ کہاں ہیں؟'' ہاجرہ ہڑبڑا کر اُٹھی۔ عائشہ کے نعرے ہی بہت جاندار تھے۔ بال کھُلے، بکھرے ہوئے تھے اور دوپٹے کو سر پر پٹی کی طرح باندھا ہوا تھا۔ آنکھیں اچانک روشنی کی وجہ سے کھل ہی نہیں رہی تھیں۔

''آہ عائشہ! بند کرو لائیٹس!'' مناہل کی سوئی ہوئی آواز۔

''اُٹھ جاؤ مناہل! سیفی بھائی آرہے ہیں۔'' عائشہ نے آگے بڑھ کر اُسکا کمبل کھینچ دیا۔

''اور یہ آپ کیا بنی ہوئی ہیں؟'' ہاجرہ اب گُم سُم بیٹھی آنکھیں مل رہی تھی۔

''میرا سر درد تھارات کو، مناہل کو دبانے کا کہا تھا جس پر محترمہ نے یہ آئیڈیا دیا تھا۔'' کہتے ہوئے ساتھ لیٹی مناہل کو گھورا اور دوپٹے کی گرہ کھولنے لگی۔ مناہل دونوں بازو آنکھوں پر رکھے ہوئے تھی کہ کہیں سے بھی روشنی آنکھوں میں نہ جائے۔

''اُٹھ جاؤ، عُمائمہ نے ناشتہ بنایا ہے، اسماعیل دوبار ناشتہ کر بھی چکا ہے۔'' کہہ کر وہ باہر نکل گئی۔

وہ سب رات کو صرف سونے کیلئے انیکسی میں آجایا کرتے تھے۔ انکسی میں فلحال سُہیل کی فیملی اور ہاجرہ تھے۔ وہاں کھانے پینے کی چند چیزیں اور خاص طور پر کافی کا سامان ہر وقت موجود تھا۔ البتہ ناشتہ، کھانا وہ سب قصر میں اکھٹے ہی کھاتے تھے۔

تھوڑی ہی دیر میں وہ ساری آدھی سوئی ہوئی اور آدھی زبردستی جگائی ہوئی مخلوقات چُپ چاپ ناشتہ کرتی نظر آرہی تھیں۔

''میں آپ سب سے ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔''

چھری پلیٹ میں رکھی اور عینک درست کی۔ مناہل کا دل بند ہوا۔ عُمائمہ نے اُسکی بات کو اگنور کر دیا اور ناشتہ جاری رکھا۔ سارے بڑوں کے ماتھے پر بل پڑے۔ اسماعیل بھی البتہ ناشتے کے ساتھ انصاف کرتا رہا۔

''بولو بیٹا۔''افضل نے اجازت دی۔ بجو اماں نے ناشتہ روک دیا اور مکمل اُسکی طرف متوجہ ہوئیں۔ وہ سربراہی کُرسی پر بیٹھی تھیں، جہاں رعناء بیٹھا کرتی تھیں۔

''میں نے چند سال پہلے بھی ڈیڈ کے سامنے یہ مطالبہ رکھا تھا، آج آپ سب کے سامنے میں وہی مطالبہ دُہرا رہا ہوں۔''اُس نے تمہید باندھی۔ عدیل، اسفند اور ہاجرہ نے اچھنبے سے اُسے دیکھا۔ مناہل نے سر جھکا لیا۔ اسماعیل کے ہاتھ رُک گئے۔

''میں مناہل سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔''جملہ مکمل ہونے کی دیر تھی کہ ٹیبل پر بیٹھے ہر فرد کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔ منہ میں بھرے لقمے نگلنا مشکل ہوا۔

''احمر میرا جواب اُس وقت بھی انکار ہی تھا اور اب بھی انکار ہے۔'' بڑے ہی تحمل سے نبیل نے بات ختم کرنے کی کوشش کی۔

''ڈیڈ اُس وقت مناہل بہت چھوٹی تھی، وہ اپنا فیصلہ خود نہیں کر سکتی تھی لیکن آج کے حالات میں اور آج سے سات آٹھ سال پہلے کے حالات میں بہت فرق ہے۔'' اُس نے سارے خاندان کے سامنے باپ کی نفی کی۔

''واؤ! لیکن احمر اگر آپکو یاد ہو تو آپ ہماری اُسی چھوٹی مناہل کو بے عزت کر کے لندن گئے تھے۔'' عدیل نے حساب برابر کیا۔ اسفند نے لب بھینچ لیے۔ کان سُرخ ہوئے۔

''میں اُس سب کی معافی بہت پہلے ہی مانگ چکا ہوں اور بجو اماں۔۔۔'' بات کرتے ہوئے وہ اُس نے عدیل کو گھورا اور بجو اماں کی طرف مڑا۔ اگر رعناء وہاں ہوتیں تو یقیناً ابھی تک کوئی برتن اُٹھا کر اُسے مار چکی ہوتیں۔

''اگر آج دیکھ بھال کر فیصلہ کیا جائے تو میں عدیل اور اسماعیل سے زیادہ کما لیتا ہوں۔۔''اُس نے جان بوجھ کہ اسماعیل کا نام لیا،اسماعیل کے منہ کے زاویے بگڑے۔وہ مزید نہیں کھا سکتا تھا۔

''لندن میں ایک اچھا ڈاکٹر ہوں،میرا اپنا گھر ہے۔۔''

''ایک بیوی ہے اور غالباً بچے بھی۔''عُمائمہ نے چھری کانٹے سے آملیٹ علیحدہ کرتے ہوئے سکون سے اُسکی بات مکمل کی۔سُننے والوں کے دماغ بھک سے اُڑے۔مناہل نے چونک کر جھکی گردن اُٹھائی۔یہ ایک آخری چیز تھی جسکی اُمید وہ اُس گھٹیا احمر سے کر سکتی تھی۔اسفند نے ضبط سے آنکھیں پھیریں اور ایک گہرا سانس لے کر منہ موڑ لیا۔

''کیا مطلب عُمائمہ ؟''بجو اماں نے بات کا فسوں زائل کرتے ہوئے پوچھا۔

''میں بتاتی ہوں بجو اماں۔''چھری کانٹا پلیٹ میں رکھا،سامنے پڑے ٹشو باکس میں سے ٹشو نکالا اور لب تھپتھپائے۔سب ہونقوں کی طرح اُسے دیکھ رہے تھے۔وہ سب کے صبر کا امتحان بن رہی

تھی۔اور احمر؟اُسے اُمید نہیں تھی کہ اُسکی اپنی بہن اُسکے راز سے یوں پردہ اُٹھائے گی۔وہ تو فراموش کر چکا تھا کہ اُس دن رعناء کے ساتھ عُمائمہ نے بھی اُسکی ساری بات سُنی تھی۔

"یہ میرا بھائی،بد قسمتی سے میرا بڑا بھائی۔۔"ہاتھ سے اشارہ کر کے بتایا،

"لندن میں ایک عیسائی عورت سے شادی کر چکا ہے۔اور اسفند!"منہ پھیر کر بیٹھے اسفند کو براہِ راست مخاطب کیا۔اسفند چونکا۔مناہل کی ہنسی چھوٹتے چھوٹتے بچی۔وہ دونوں واقعی پاگل تھے۔

"اِس کی وجہ سے مام کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا۔بجو اماں!وہ ایکسیڈینٹ سے نہیں مریں۔۔۔وہ نروس بریکڈاؤن کی وجہ سے مری تھیں۔"عُمائمہ بڑے ہی سکون سے اُن سب کے سروں پر ایک کے بعد ایک بم پھوڑتی جا رہی تھی۔

"میں اُسے طلاق دے دونگا،لندن میں تو ویسے بھی دو شادیوں کا ٹرینڈ ہے۔احمر ڈھیٹ نہیں کمینہ تھا۔مناہل نے اِس بات کا اعتراف کیا۔

''اور تمہیں کوئی اجازت نہیں ہے کہ تم میری پرسنل لائف یوں کھانے کی میز پر ڈسکس کرو۔''

''اور جو آپ اتنی دیر سے ہماری مناہل کے بارے میں ڈسکس کر رہے ہیں وہ پرسنل نہیں ہے!''

عُمائمہ نے میز پر زور سے ہاتھ مارا۔ آواز بلند ہوئی۔ سارے برتنوں میں ارتعاش سا پیدا ہوا۔ ساتھ بیٹھی عائشہ نے بے اختیار بہن کا بازو تھاما۔

سُہیل، افضل، نبیل حتٰی کہ بجو اماں بھی اُنہیں دیکھتی ہی رہ گئیں۔ اُنکی اولادیں کب سے اتنی بڑی ہو گئی تھیں کہ ایک دوسرے کے دفاع میں کھڑی تھیں۔ کب اُنہوں نے اچھے بُرے کی تمیز سیکھ لی تھی۔

''بجو اماں! ڈیڈ! آپ اِسکا فیصلہ کریں اور اِسے اِسکا حصہ دیکر یہاں سے روانہ کریں، میں سمجھونگی میرا کوئی بھائی تھا ہی نہیں۔'' کہہ کر وہ کھڑی ہو گئی۔ لمحوں کا کھیل تھا اور احمر ''آپ'' کے مقام سے گر گیا تھا۔

''ویسے بھی میری ماں کو مار دینے والا میرا بھائی تو ہو نہیں سکتا۔''بس پھر وہ رُکی نہیں۔کچن سے باہر نکل گئی۔

وہ وہاں بیٹھے ہوئے ہر ایک فرد کو گونگا کر گئی۔زبانیں، عقلیں چھین کر لے گئی۔عُمائمہ رعناء کی موت کے سارے کھرنڈ ایک بار پھر چھیل گئی تھی۔سارے زخم تازہ کر کے وہ ایک بار پھر اپنے کمرے میں بند ہو گئی۔

ٹیبل سے اُٹھنے والا سب سے پہلا اسفند تھا،اور پھر آہستہ آہستہ وہ سب اُٹھ گیے۔اب وہاں بڑے تھے اور احمر۔اُنہیں کے درمیان فیصلہ ہونا تھا۔

''ہم اِس بات کو رات کو۔۔''سُہیل بھی اُٹھنے لگے کہ بجو اماں نے بات کاٹی۔

''نہیں میرا بچہ، یہ بات ابھی ختم ہو گی، بالکل اُسی طرح جس طرح آج سے آٹھ سال پہلے ہوئی تھی۔''بجواماں کے چہرے پر سکون تھا۔اُس وقت اُنہیں رعناء کی فکر تھی لیکن آج تو رعناء تھیں ہی نہیں۔

''احمر میاں تم نے مجھے بہت شرمندہ کیا ہے، تم نے مجھ سے میری رعناء چھینی ہے، مجھے رعناء سب سے زیادہ عزیز تھی۔رعناء کے بعد اب اگر کوئی اس کی جگہ ہے تو وہ عُمائمہ ہے۔''آسودہ سا مُسکرائیں۔ٹیبل پر بیٹھے باقی سارے افراد بجواماں کو سُن رہے تھے۔

''اور اِس وقت عُمائمہ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے۔''جیسے اُسے باور کروایا کہ احمر تم اپنا سامان باندھ لو۔

''نبیل میاں، اپنے بیٹے کا جو بھی حصہ بنتا۔۔''اُسے کہتی کہتی وہ نبیل کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''مجھے کوئی پیسہ نہیں چاہیئے۔''احمر نے بات کاٹی۔بجواماں نے ایک غصیلی نظر اُس پر ڈالی اور اپنی بات جاری رکھی۔

''اِسکا جو بھی حصہ ہے وہ اِسے دو، بلکہ ہم سب مل کے دینگے اور تم واپس چلے جاؤ۔'' پھر سے اُسکی طرف آئیں۔

''اور جہاں تک بات ہے مناہل کی تو اُسکا رشتہ میں اسماعیل سے کرونگی اور اِس بات پر کوئی اعتراض بنتا نہیں ہے۔'' ایک نظر دونوں کے ماں باپ پر ڈالی۔ وہ مطمعئن تھے۔ یہ بات جیسے اُنکے لیے نئی نہیں تھی۔ وہ اُن دونوں کو تسلیم کر چکے تھے، نا جانے کب سے۔

''دوبارہ میں اپنی مناہل کا نام تمہاری زبان پہ نہ سُنوں۔ کل تمہاری فلائیٹ ہے تیاری پکڑو اور دوبارہ یہاں نہ آنا۔'' بجو اماں نے فیصلہ سُنا دیا۔

احمر کا چہرہ شرمندگی سے سُرخ ہوا اور وہ تیزی سے ٹیبل سے اُٹھا، ایک نفرت انگیز نظر اُن سب پر ڈالی اور لاؤنج سے ہوتا باہر نکل گیا۔ وہ بس مناہل کو مزید ٹارچر کرنے اور زلیل کرنے کیلئے اُس سے نکاح کرنا چاہتا تھا۔

"اپنے اپنے بچوں کو سمجھادو کہ یہ احمر نامہ اب بند کر دیں اور یہ مناہل اسماعیل والی باہر نکلی تو مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہو گا۔"

وہ پھر سے ناشتے کی طرف متوجہ ہو گئیں۔سارے سر تائیدی انداز میں ہلے تھے۔

کبھی کبھی صرف ایک ٹاکسک انسان کو زندگی سے نکال دینے سے ہر چیز، ہر رشتہ دوبارہ سکون کے رستے پر ہموار چلنے لگ جاتا ہے۔

بجو اماں نے بھی یہی کیا تھا۔

※ ※ ※

"میں سوچ رہا ہوں کہ تم کیسے اتنی دیر کچھ نہیں بولی، تم نے اُسے سُنائی کیوں نہیں؟" اسماعیل فریج میں رکھے سلاد کیلیے کاٹے کھیرے اُٹھا اُٹھا کر کھا رہا تھا۔

''کیا مطلب ؟''وہ انجان بنی پاسٹے کی سبزیاں کاٹتی رہی۔لبوں پہ مُسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں چمک۔

''چلو اب زیادہ ڈرامے نہ کرو، تم نے کیسے اپنی گز لمبی زبان ٹیبل پر بندر کھی ہوئی تھی، بھئی میں تو فین ہو گیا تمہارا۔''اسماعیل ہنستا ہوا اُسکے ساتھ والی شیلف کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔بازو سینے پر باندلیے اور پاؤں کی قینچی بنائی۔گلاس وال اب اُسکے پیچھے تھی اور دوپہر کی سُنہری دھوپ اُسکے بالوں پر پڑ رہی تھی۔چہرے پر اندھیرا سا تھا اور پیچھے سے انیکسی کی طرف جاتی روش نظر آتی تھی۔

مناہل نے مُسکراتے ہوئے اُسے دیکھا۔دھوپ مناہل کی آنکھوں میں پڑ رہی تھی۔

''دو دن پہلے میں اپنی اِس گز لمبی زبان سے اُسے اچھی طرح سمجھا چکی تھی۔''انداز فخریہ تھا۔

''ہیں؟واہ!اور یہ تم مجھے اب بتا رہی ہو۔''اسماعیل نے آنکھیں چھوٹی کیں۔

''اور وہ دو دن پہلے میری گردن تک گن تان چکا تھا۔'' مناہل نے اپنی آواز آہستہ کی۔اسماعیل سیدھا ہو کر کھڑا ہو گیا۔ مُسکراہٹ غائب ہو گئی۔آنکھوں میں خوف در آیا۔دل کی رفتار نے تیزی پکڑی۔

''اُس۔۔اُس نے تمہیں نقصان تو نہیں پہچایا نا؟'' بولا تو آواز میں کپکپی سی تھی۔

''نہیں اسماعیل، میں اب وہ چھوٹی ڈرپوک مناہل نہیں ہوں، جسے کوئی بھی اٹھا کر لے جائے اور کوئی بھی نقصان پہنچا لے۔'' حلق میں کچھ اٹکا۔اسماعیل سے نظریں چُرا کر وہ واپس سبزیوں کی طرف مڑی۔

وہ چند لمحے اُسے دیکھتا رہا، خاموشی سے۔پھر آگے بڑھا اور بالکل اُسکے کندھے سے زرا فاصلے پر کھڑا ہو گیا۔ایسے کہ دونوں کا رُخ اب ایک طرف تھا۔ہاتھ بڑھا کر مناہل کا بائیاں ہاتھ تھاما اور اپنے ہاتھوں میں رکھ لیا۔دُھلی ہوئی سبزیوں کی وجہ سے اُسکا ہاتھ ٹھنڈا برف تھا۔مناہل نے گردن موڑ کر اُسکا چہرہ دیکھا۔

"مجھے تم پر فخر ہے مناہل! تم کبھی خود کو اکیلا نہ سمجھنا، میں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں میں وعدہ کرتا ہوں۔" اُسکے ہاتھ پر ہی نظریں جمائے اسماعیل نے اپنی بات مکمل کی، ہاتھ تھپتھپایا اور نرمی سے چھوڑ دیا۔ پھر گردن اُٹھا کر اُسے دیکھا۔ وہ شاک میں تھی، ششدر سی اُسکا منہ تکے جارہی تھی۔ چہرہ سُرخ ہورہا تھا۔ اسماعیل ہنس دیا اور ایک طرف سے ہوتا باہر نکل گیا۔ وہ اُسی طرح گنگ کھڑی رہی۔

سر جھکائے، مُسکراتے ہوئے باہر کو قدم بڑھاتے دفعتاً وہ رُکا۔ گردن اُٹھا کر دیکھا، سامنے ہاجرہ اور عائشہ کھڑی تھیں۔ ہاجرہ کے ہاتھ میں کبابوں کی ٹرے تھی اور عائشہ باقی برتن تھامے ہوئے تھی۔

اسماعیل کی مُسکراہٹ غائب ہوئی، اب کے چہرے کے ساتھ ساتھ کان بھی سُرخ ہوئے۔ ہاجرہ چہرے پر بے پناہ برہمی لیے اُسے گھور رہی تھی البتہ عائشہ سے مزید جبر نہ ہوا اور وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔

اُسکے اِس طرح ہنسنے پر مناہل اُس لمحے کے ٹرانس میں سے نکلی اور پوری اُنکی طرف گھومی۔

''ہاجرہ آپی آپ؟'' مناہل کی آواز میں حیرانگی تھی۔

''ہاں اور میں بھی مناہل!'' عائشہ کہہ کر ایک بار پھر ہنسی۔

''تم دونوں کو شرم نہیں آتی؟'' اُس نے آگے آکر ٹرے پھینکنے والے انداز میں میز پر پٹخی۔

''اوپر سے ہاجرہ آپی، گلاس والڈ کچن میں کھڑے ہیں یہ۔'' عائشہ نے تیل ڈالا۔

اسماعیل نے بے اختیار سارے کچن میں گردن گھمائی۔ واقعی یہ تو حد ہی ہو گئی۔

''استغفر اللہ! کوئی پرائیویسی ہی نہیں ہے یہاں!'' بڑبڑاتا ہوا باہر بھاگا۔

''تمہیں تو میں بعد میں بتاؤ نگی، پرائیویسی کے کچھ لگتے!'' ہاجرہ بھی پیچھے سے ہی بولی،

''اور مناہل!'' اب اُسکی طرف آئی۔ مناہل اب پہلے سے بھی زیادہ تیزی سے سبزیاں کاٹ رہی تھی۔ عائشہ منہ پر ہاتھ رکھے ہنسی روکتے ایک طرف کھڑی تھی۔

"بند کرو اِس کھٹ کھٹ کو، میں تم سے بات کر رہی ہوں!" ایک ہاتھ پہلو پر رکھے ایک ہاتھ سے اُسکا کندھا ہلایا۔

"کیا ہاجرہ آپی؟ اوہ! یاد آیا! مجھے اسفند بھائی بُلا رہے تھے!" کہہ کر مناہل نے چھری پھینکی اور باہر بھاگی۔ پیچھے سے بلند ہونے والا عائشہ کا قہقہہ اُس نے لاؤنج تک سُنا تھا۔

"بے شرم کہیں کے!" بڑبڑاتے ہوئے ہاجرہ نے چھری اور سبزیاں سمیٹنی شروع کیں۔

"بس کرو تم بھی ہنسنا!" چھری عائشہ کو دکھائی۔

"اوکے اوکے!" اُس نے دونوں ہاتھ اُٹھا کر اپنی ہنسی روکی۔

※※※

رات کھانے پر اُن سب کے ساتھ سیف بھی موجود تھا۔ وہ اکیلا آیا تھا۔ ریاض کی کوئی بزنس میٹینگ تھی اور فوزیہ کو دانستہ اگنور کر دیا تھا۔ سیف نے بھی ماں کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔

وہ رعناء کی تعزیت کیلے آیا تھا لیکن اُسکی دعوت میں کوئی کمی نہیں کی گئی تھی۔

بجو اماں اب بہت کم مُسکراتی تھیں۔ اکثر بولتے بولتے وہ رعناء کو آواز دے دیتیں اور پھر خود ہی آنکھوں میں نمی لیے بیٹھی رہتیں۔

رعناء کی موت کا سب سے زیادہ اثر جہاں بجو اماں پر ہوا تھا وہیں نبیل پر بھی ہوا تھا۔ وہ زیادہ وقت جویریہ کے ساتھ رہتے، اُسے باہر لے جاتے تھے۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ انکی بیٹی ماں کی کمی سے بھرا بچپن گزارے جیسا اُنہوں نے خود گزارا تھا۔ وہ اُسے احساسِ کمتری سے بچانا چاہتے تھے۔ لیکن باپ، باپ ہوتا ہے۔ اور ماں، ماں۔

چھوٹی جویریہ تھوڑی دیر بعد لڑنے یا پھر رونی لگتی تھی۔ وہ چڑچڑی سی ہو گئی تھی۔ لیکن اُسکے وہ سب موڈز بھی سنبھالنے کیلئے وہاں بہت سے اُسکے اپنے موجود تھے۔ وہ سب اُسے لے کر کبھی لان میں بھاگتی پھرتیں تو کبھی کوئی ویڈیو گیم کھیل رہی ہوتیں۔ لان میں اُنکے ساتھ اسفند بھی بھاگتا ہوا

نظر آتا۔ وہ دونوں، آمنہ اور جویریہ، اُسے پکڑنے کی ناکام کوشش میں جب تھک ہار کر بیٹھتیں تو وہ اُنہیں چِڑانے والے انداز میں ہنستا اور پھر اِس طرح دوڑ کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو جاتا۔

کھانے کے بعد سیف نے واپسی کی رَٹ لگائی تو اُسکی حاضری بجو اماں کے پاس صادر فرمائی گئی۔ ایک لحاظ جو وہ مروتاً عصرے سے اب تک اُسکے ساتھ برت رہی تھیں، لمحوں میں زائل ہو گیا۔ چونکہ اُسکی حاضری لاؤنج میں لگی تھی، کچن میں کھڑی ہاجرہ، مناہل اور اسماعیل منہ پر ہاتھ رکھے اپنی اپنی ہنسی کی آوازیں دباتے لیٹ لیٹ کر ہنستے رہے تھے۔

سیف بھی مُسکراتا رہا۔ فیصلہ یہ ہوا کہ وہ رُک جائے گا، یہ نہیں پوچھا کہ کب تک، اب اتنی سے ڈوز کافی تھی۔

※ ※ ※

''مناہل! ہاجرہ کو بھیجنا۔''

رات ڈھل رہی تھی اور وہ لان میں بچھی کرُسیوں میں سے ایک پر بیٹھا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے تک وہ سب بھی اُسکے پاس ہی بیٹھے تھے، لیکن پھر سونے کیلئے آگئے تھے۔ اُسے بھی کہا تھا لیکن اُسے ابھی کھُلی ہوا میں بیٹھنا تھا۔

اسماعیل نے تو انیکسی کے لاؤنج میں آکر نعرہ لگادیا تھا کہ اب لان میں کوئی بھی نہ جائے کیونکہ سیفی بھائی اب ہاجرہ کا انتظار کررہے ہیں۔ لیکن ہاجرہ بھی سب سے پہلے اپنے کمرے میں جاکر کمبل میں سکون سے بیٹھی تھی۔ وہ اپنامزاق بالکل بھی نہیں بنوانا چاہتی تھی، اور ویسے بھی وہ مکمل مشرقی تھی، ایسا اُسکا کہنا تھا۔ البتہ دل تو تھا کہ شوہر کے ساتھ لانگ ڈرائیو پر جاتی۔

اب جب مناہل سیف کو دوسری بار چائے دینے آئی تھی تو اُس بیچارے نے بھی عاجز آکر خود ہی بیوی کا پوچھ لیا تھا۔ مناہل سر ہلاتی وہاں سے نکل آئی۔ البتہ اُسکی مُسکراتی آنکھیں سیف کو مُسکرانے پر مجبور کرگئی تھیں۔

نتیجہ یہ نکلا تھا کہ عائشہ نے ہاجرہ کو گھسیٹ کہ کمبل میں سے باہر پٹخ دیا تھا۔اسماعیل نے ''شوہر کی نافرمان بیوی جہنمی ہوتی ہے۔'' کے ٹیگ والی کسی مفتی کی یوٹیوب ویڈیو لاؤنج میں لگی ایل ای ڈی پر پلے کر دی تھی۔ مناہل نے اُس کی ''کام والی'' بنی حالت کو سنوارا اور انیکسی کے دروازے سے باہر دھکا دے دیا۔اِس سب میں عدیل اور اسفند وہ ویڈیو دیکھ دیکھ کر کبھی کانوں کو ہاتھ لگاتے تو کبھی صوفوں پر لیٹ لیٹ کر ہنستے۔

وہاں اگر کوئی نہیں تھا تو وہ عُمائمہ تھی۔ وہ قصر میں ہی تھی۔احمر ڈنر پر نہیں تھا، کہیں باہر ہی تھا۔ عُمائمہ کھانے پر آگئی تھی۔ سیف کو زرا بُرا تاثُر نہیں دیا تھا۔اُسے اگر پتا چل بھی جاتا تو اُن میں سے کسی کو کوئی فرق نہیں پڑنا تھا۔

وہ چُپ چاپ کھانا کھا کر واپس کمرے میں چلی گئی تھی۔ خاموش اور بے تاثُر۔

''اسفند بھائی!''سارے میلوڈرامے کے بعد جب وہ کمروں میں جانے لگے تو عائشہ اسفند کے پاس آئی۔وہ دروازے کی ناب پر ہاتھ رکھے مڑا۔

''عمائمہ کو بھی منا لیں۔''وہ بڑے مان سے اُسکے پاس آئی تھی۔وہ جانتی تھی وہی اُسے دوبارہ پہلے جیسا کر سکتا تھا۔کیا واقعی؟

''عائشہ وہ ناراض نہیں ہے،دُکھ میں ہے،صدمے میں ہے۔''اسفند نے گہرا سانس لیا اور ڈور ناب چھوڑ کر اُسکی طرف گھوم گیا۔

''تو کیا مجھے مام کا دُکھ نہیں ہے؟''اُسکی آواز بھرّائی،''وہ ایسی کیوں ہو گئی ہے؟''

''ہم سب کو پھپھو کا دُکھ ہے،ہم سب بھی تکلیف میں ہیں،لیکن ہم سب ساتھ ہیں،کبھی ساتھ بیٹھ کر رو لیتے ہیں تو کبھی ہنس بھی رہے ہیں۔اُس نے خود کو اکیلا کر لیا ہے۔اپنوں کے غم تو ساری زندگی

نہیں جاتے، لیکن صبر بھی تو باقی اپنوں کی وجہ سے ہی آتا ہے نا۔" اُسکے چہرے پر کرب اور فکر رقم تھی۔

"اور ویسے بھی وہ اُس وقت پھپھو کے ساتھ تھی، ہوسکتا ہے وہ گلٹ محسوس کر رہی ہو۔" اسفند نے اندازہ لگایا۔

"جو بھی ہے، آپ اُسے سمجھائیں نا، میں اُسے مِس کرتی ہوں۔ اگر وہ ایسے کریگی تو پھر باقی رہ ہی کیا جائے گا۔" گیلی سی سانس اندر کھینچی۔

"میں سمجھاؤنگا، وہ ٹھیک ہو جائے گی۔" مان رکھ لیا گیا۔ وہ سر ہلا کر مڑ گئی۔

زندگی میں یہ پہلی بار تھا کہ ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے اسفند عُمائمہ کو مِس کر رہا تھا۔ اسفند نے ایک بھاری سا سانس لیا اور کمرے میں چلا گیا۔

پیچھے لاؤنج ایک بار پھر خاموش ہو گیا۔

※ ※ ※

لان کی ساری روشنیاں جلی ہوئی تھیں۔گھاس پر جابجا لگے چھوٹے پولز بھی جگمگا رہے تھی۔زرد سی روشنی رات کے اندھیرے میں بھلی لگ رہی تھی۔

''السلام علیکم!''ہاجرہ نے کُرسیوں کے قریب آکر سلام کیا۔

میز پر پڑا چائے کا کپ اب بھاپ اُڑانا بند کر چکا تھا اور سیف کُرسی کی پُشت کے ساتھ سر ٹکائے، بازو سینے پر لپیٹے، آنکھیں موندے ہوئے تھا۔

''وعلیکم السلام!زہِ نصیب!یہ چاند کیسے اُتر آیا آج؟''اُسکی آواز پر چونک کر آنکھیں کھولیں اور سیدھا ہو کر بیٹھا۔ہاجرہ ہنس دی اور سامنے والی کُرسی سنبھالی۔

''بڑی ہی کوئی ظالم بیوی واقع ہوئی ہیں آپ، شوہر صبح سے آکر بیٹھا ہے مجال ہے جو آپ نے حال بھی پوچھا ہو۔''وہ مُسکراتے ہوئے اُس سے گلے شکوے کر رہا تھا۔

''صبح سے نہیں آئے، ابھی شام میں آئے ہیں۔'' ہاجرہ نے عام سے انداز میں کہا۔

''چلیں ٹھیک ہے مان لیا شام میں ہی آیا ہوں، لیکن اُن پچھلے چھ مہینوں کا کیا جس میں آپ نے ایک کال بھی نہیں کی اور اگر مجھ ناچیز نے کال کر بھی لی تو آپ نے کاٹ دی۔'' اب اُس نے آنکھیں چھوٹی کیں۔ ہاجرہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ وہ سرعت سے تین مہینوں کو چھ مہینے بنا گیا تھا۔

''مجھے اچھا نہیں لگتا، اور ویسے بھی آپکو کونسا کوئی منع کرتا ہے آپ گھر آجایا کریں۔'' مفتِ مشورہ تھا۔

''اچھا یعنی اب میں اتنا اوچھا بن جاؤں کہ آئے روز اپنی بیوی سے ملنے کیلئے سسرال کے چکر لگاتا رہوں؟ یہ تو زیادتی ہے۔'' اُس نے نفی میں گردن ہلاتے دونوں بازو مزید اپنے گرد گھیرے، ٹھنڈ زیادہ ہو رہی تھی۔

''سیف زیادہ ڈرامے نہ کریں، اچھا اتنا کر سکتی ہوں کہ کال اُٹھا لیا کروں۔''ہاجرہ نے دریادلی کا مظاہرہ کیا۔

''بڑی نوازش!''سر کو خم دیا۔

''کوئی بات کرنی تھی آپ نے؟''ہاجرہ سنجیدہ ہوئی۔

''بات تو کرنی ہے، لیکن اتنی خوبصورت بیوی کو دیکھ کر بس ڈائیلاگز ہی ذہن میں آرہے ہیں۔''

سیف نے مُسکراہٹ روکے کہا، ہاجرہ نے گھورا۔

''اچھا اچھا معذرت!''اُسکو گھورتا دیکھ کر موضوع بدلا۔

''امی چاہتی ہیں کہ ہم شادی کے بعد اسلام آباد ہی شفٹ ہوں، آپ بھی اجازت دیں تاکہ میں آپ گھر کی رینوویشن وغیرہ شروع کرواؤں۔''سیف نے رُک کر اُسکے تاثرات دیکھے۔ وہ سنجیدگی سے بات سُن رہی تھی۔

''بجو اماں سے میں نے پوچھ لیا ہے، وہ بھی یہی چاہتی ہیں۔'' بات مکمل کر کے جیسے ایک بوجھ سر سے اُتارا۔

''اگر بجو اماں نے اجازت دے دی ہے تو مجھے کیا اعتراض ہو گا بھلا۔'' فیصلے میں حامی بھرنے والا انداز تھا۔ یہ تو وہ بھی محسوس کر چکی تھی کہ اُن دونوں کا نکاح اتنا سادہ نہیں تھا جتنا نظر آ رہا تھا۔ اسلام آباد رہنے کا مطلب یہ تھا کہ وہ مکمل طور پر سیف کی فیملی سے الگ رہے گی۔

''بابا کا اسلام آباد والا بزنس فلحال وہ خود سُپر وائز کر رہے ہیں، میں وہی جوائین کرونگا، باقی آپ فکر نہ کریں آپ کے شوہر کا گھر اُسکے دل کی طرح بہت بڑا ہے۔'' سنجیدگی زائل کرنے کو ہنسا۔

ہاجرہ بھی مُسکرا دی۔

تھوڑی ہی دیر مزید بیٹھنے کے بعد وہ اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تھے، رات کی بڑھتی ٹھنڈ نے مزید رُکنے کی اجازت ہی نہ دی تھی۔

※ ※ ※

''اسفند!''وہ لاؤنج کے دروازے سے زرا آگے کھڑا آمنہ اور جویریہ کی کسی بات پر مُسکرا رہا تھا جب بجو اماں نے لاؤنج سے آواز دی۔

''جی بجو اماں!''وہیں سے کہتا وہ اندر آیا۔

یہ اگلے دن کی دوپہر ہے۔دھوپ مکمل پھیلی تھی اور سردی میں کافی حد تک کمی تھی۔آج شام احمر نے واپس چلے جانا تھا۔

''ہاجرہ کو،عُمائمہ کو،سب کو بلاؤ،میں نے زرا تم سب سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔''تیور کڑے سے تھے۔وہ''جی اماں''کرتا مڑ گیا۔

''احمر کو نہ بُلالانا!''وہ مڑا تو پیچھے سے آواز دی۔لہجے میں صاف اُکتاہٹ تھی۔اسفند کو ایک''اجتماعی جھاڑ''کی بو آنے لگی۔

تقریباً دس سے پندرہ منٹ بعد اسفند اُن سب کو قصر اور انیکسی کے کونوں کھُدروں سے اکٹھا کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ وہ سب لاؤنج میں پہنچے تو بجو اماں سیف کے ساتھ محوِ گفتگو تھیں۔ یعنی بجو اماں نے سیف کو بھی اپنا پکا والا بیٹا مان لیا تھا اور اب عدالت اُسکے سامنے ہی لگائی جانی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ اگلی عدالت میں وہ بھی اُنکی ہی صف میں کھڑا ہو۔

عُمائمہ سب سے آخر میں آئی تھی۔ اُسے مناہل بلانے گئی تھی۔ اب منظر کچھ یوں تھا کہ لاؤنج کی بڑی دیوار کے سامنے ایل ای ڈی کی جگہ وہ سب کھڑے تھے۔ اور مجال تھی کہ اتنے سارے صوفوں میں سے کسی ایک پر بھی کوئی ٹِک جاتا۔ اُنکے سامنے والے صوفے پر بجو اماں تھیں اور ساتھ سیف بیٹھا اُن سب کو دیکھے جا رہا تھا۔

اسفند اُن سب کو ڈرا دھمکا کر لایا تھا۔

"ہاجرہ تم کہاں تھیں؟" پیشی شروع ہو گئی۔ پہلا سوال داغا گیا۔

''میں باہر لان میں تھی۔''حیرانگی سے سچ بتایا۔سیف بھی اُسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''اور مناہل؟''ایک اور سوال۔

''میں ہاجرہ آپی کے ساتھ ہی تھی۔''کندھے اُچکا کر ہاجرہ کو دیکھا۔

''یعنی تم دونوں بیٹھ کر چُغلیاں کر رہی تھیں۔''وہاں کوئی وکیل نہیں تھا، صرف جج تھا اور وہ سب مجرم۔

ہاجرہ اور مناہل چُپ رہیں۔وہ چُغلیاں ہی کر رہی تھیں۔

''تم تینوں کہاں تھے؟''صنفِ نازک سے اب بجو اماں کا رُخ''صنفِ ڈھیٹ''کی طرف ہوا۔

''میں عدیل بھائی کے ساتھ تھا، ہم انیکسی میں سُہیل چچا اور نبیل انکل کے ساتھ بیٹھے تھے۔''

اسماعیل نے تیزی سے بتایا، عدیل نے تائد کی۔

''یعنی بیٹھ کر اُن موئے سیاستدانوں پر تبصرے کر رہے تھے، ہاجرہ اور مناہل کے کام سے بالکل بھی مختلف کام نہیں ہے یہ۔''ساتھ بیٹھے سیف نے بڑی جدوجہد کر کے اپنی ہنسی روکی تھی۔

''میں یہیں تھا آپکے سامنے۔''اسفند نے اُنہیں خود کو دیکھتے پایا تو فوراً بولا۔

''کیا تم سب میری رعناء کو بھول گئے ہو؟''سنجیدہ چہرہ لیے چابُک مارا۔

''میں دیکھ رہی ہوں اور تین چار دن سے تم سب کو منہ کھول کھول کے ہنستے دیکھتے برداشت کر رہی ہوں۔''ایک اور چابُک۔

اُن سب کے چہرے اُتر گئے۔شرمندگی اُبھری، نگاہیں جھکا لیں۔عُمائمہ البتہ بے تاثُر کھڑی رہی۔ وہ اُن کے ساتھ نہیں تھی۔وہ ساری باتیں ایک کان سے سُن کر دوسرے سے نکال رہی تھی۔

''ایک ہفتہ اگر تم سب نے سوگ منایا ہے تو اِسکا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ تم لوگ فوتگی والے گھر کو شادی کا گھر بنادو۔''بجواماں کا چہرہ غصے سے سُرخ ہو رہا تھا۔

''کبھی سوچا ہے کہ نبیل پر کیا گزرتی ہو گی جب وہ تم سب کو ایسے قہقہے لگاتے دیکھتا ہو گا؟ سوچا ہے کہ مجھ بوڑھی پر کیا گزرتی ہو گی جس نے اپنا جگر کا ٹکڑا کھویا ہے؟''اُنکی آواز کپکپائی۔

بے اختیار دو تین سر اُٹھے اور بجو اماں کے چہرے پر اُنہیں صرف کرب نظر آیا تھا۔ وہاں کھڑے ہر ایک نے خود کو کوسا۔ سوائے عُمائمہ کے۔

''کل میری رعناء کا دسواں ہے، تھوڑی شرم کر لو اور مجھ پر رحم کھاؤ۔''اب کے آواز آہستہ رہی۔

چہرہ اُٹھا کر اُنہیں دیکھا۔ چہروں پر تکلیف تھی، ندامت تھی۔ وہ تو خود ایک دوسرے کو سہارا دیتے ہنسا رہے تھے۔ غم کو اگر ہنسی سے نہ ٹالا جائے تو وہ وبالِ جان بن جاتا ہے۔

''میں جانتی ہوں کہ تم سب کو بھی دُکھ ہے، لیکن دُکھ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دو دن منا لیا اور پھر مرنے والے پر قہقہے لگانے شروع کر دیے۔ جہاں کوئی مر جاتا ہے وہاں فرشتے آکر دیکھتے ہیں کہ بھلا

وہ مرنے والا انسان اپنی اولاد کو انسان بنا کر گیا ہے یا پھر جانور۔" بولتے بولتے اُنہیں سانس چڑھ گیا تھا۔

"نکلو اب یہاں سے، شکلیں گُم کرو!" ہاتھ جھلا کر کہا اور گہرا سانس لیا، جیسے اپنا تنفس بحال کیا۔

"عُمائمہ بچے مجھے پانی لا کر دو۔" آخر میں سیڑھیاں چڑھتی عُمائمہ کو بلایا۔

"تمہاری اصل ٹیوننگ تو میں گھر جا کر کرونگی۔" کچن کے دروازے میں کھڑی شائستہ نے اسماعیل کو آنکھیں دکھائیں۔

وہ سب چُپ چاپ اپنی اپنی جگہ منہ چھپاتے نکل گی ئے۔ کوئی کسی کمرے میں بند ہو گیا تو کوئی ایک بار پھر رونے کی تیاری میں لگ گیا۔ اُنکی اِتنی سی دماغی درستگی کی اشد ضرورت تھی۔

"سیف بیٹے تم باہر بیٹھو مجھے عُمائمہ سے بات کرنی ہے۔" سب نکل گی ئے تو اُسے کہا۔ وہ بھی سر ہلاتا اُٹھ گیا۔ مسکرایا تک نہیں تھا۔ وہ اتنی جلدی اُن سب کی صف میں نہیں شامل ہونا چاہتا تھا۔

عُمائمہ پانی کا گلاس اُنہیں تھماتی وہیں بیٹھ گئی۔وہ جانتی تھی بجو اماں اُس سے بات کرنا چاہتی ہیں۔وہ کل صبح سے اب تک کچھ بھی نہیں بولی تھی۔

''عُمائمہ بچے کسی سے خفا ہو؟''فضول سا سوال تھا، لیکن پوچھا گیا۔

''میں کیوں خفا ہو نگی اماں؟''بے تاثُر لہجہ۔ہلکی سی آواز۔

''میرا بچہ کیا سوچ رہی ہو؟''اُنہوں نے گلاس واپس کیا۔

''کچھ نہیں بجو اماں،بس احمر چلا جائے گا تو ٹھیک ہو جاؤ نگی،مجھے اُس سے نفرت ہو رہی ہے۔''اُس نے صاف گوئی سے کہا۔اماں نے اُسکا ہاتھ تھام لیا۔

''نفرت بہت بھاری جذبہ ہے عُمائمہ، محبت سے بھی زیادہ بھاری۔''اُنہوں نے اُسکے کندھے پر بازو پھیلایا۔عُمائمہ انکے کندھے کے ساتھ لگ گئی۔یکدم ہی رعناء یاد آنے لگی تھیں۔عُمائمہ کو بھی، بجو اماں کو بھی۔

''جب ہم کسی سے نفرت کرتے ہیں تو نقصان صرف ہماری اپنی ذات کا ہوتا ہے۔ ہم اپنے آپ کو کھو دیتے ہیں اور اُس سخت جذبے کو اپنے اوپر حاوی کر لیتے ہیں۔'' اُسکا سر تھپکتے نرمی سے سمجھا رہی تھیں۔

''لیکن اماں ہم جس سے نفرت کر رہے ہوتے ہیں، وہ اِسی قابل ہوتا ہے۔'' عجیب سی منطق تھی۔

''کوئی نفرت کے قابل ہے یا نہیں اِسکا فیصلہ کرنے والے ہم کون ہوتے ہیں؟ کبھی یہ سوچا ہے۔''

''بجو اماں کیا چاہتی ہیں؟'' اُنکے سینے سے سر اُٹھا کر دیکھا۔

''میں رعناء کی ایک نشانی کھو چکی ہوں، تمہیں نہیں کھونا چاہتی۔ تم میری دوسری رعناء ہو، میں چاہتی ہوں تم زندگی کی طرف واپس آ جاؤ۔ مجھے پہلے والی عُمائمہ چاہیئے جو ہنستی، کھلکھلاتی یہاں وہاں بھاگتی نظر آئے۔'' اُنہوں نے مُسکرانا چاہا۔ کوشش ناکام گئی۔

''ابھی آپ اُن سب کو ہنسنے سے منع کر رہی تھیں۔'' اُس نے جیسے بُرا منایا۔

''وہ تو حد سے زیادہ تھا۔ لیکن وہ سب اُس ٹراما سے لڑ کر واپس تو آ گئی ہیں نا، میرا بچہ تم بھی بس کرو، اِس طرح ماں کو تکلیف ہو گی۔''

بجو اماں کی اُنگلیاں مسلسل اُسکے بال سہلا رہی تھیں۔

''میں کوشش کرونگی۔'' اُنکا ہاتھ چوما اور آنکھیں موند گئی۔

پھر سب خاموش ہو گیا۔

عُمائمہ بھی خاموش تھی۔ اُسکی فیری ٹیل بھی غائب تھی۔

※ ※ ※

احمر کی فلائیٹ رات آٹھ بجے کی تھی۔ اُس نے کسی سے معافی تو دور کی بات کلام تک کرنے کی توفیق نہیں کی تھی۔ اُسکے حصے کے سارے پیسے جو گھر سے اور باقی پراپرٹی سے آتے تھے اُسکے اکاؤنٹس میں ٹرانسفر کردی ئے گی ئے تھے۔ اُسکے لی ئے ایک سپورٹس کار جو رعناء نے پسند کی تھی اُسکی چابی بھی

اُسکو تھما دی تھی۔ وہ ایک نیوی بلو رنگ کی اوپن روف سپورٹس کار تھی۔ رعناء کی فیورٹ برانڈ کی چمچماتی گاڑی۔ لیکن احمر نے بغیر کوئی تاثر لیئے منہ پر انکار کر دیا تھا۔

''میں اِسکا کیا کرونگا؟ اِسکے پیسے بھی اکاؤنٹس میں ٹرانسفر کر دیں۔'' کہہ کر چابی واپس کر دی تھی۔

اُسکے جانے کیلئے گھر کے باہر ٹیکسی رُکی کھڑی تھی۔ سارے مکین لاؤنج میں چُپ سادھے بیٹھے تھے۔ وہ سب جیسے کسی معجزے کا انتظار کر رہے تھے۔ کوئی ایسا معجزہ جو ماضی کو غائب کر دے اور ہر چیز ٹھیک ہو جائے۔ لیکن معجزے حال میں ہوتے ہیں، یا پھر مستقبل میں، ماضی میں معجزے نہیں، صرف پچھتاوے ہی ہوا کرتے ہیں۔

وہ اوپر اپنے کمرے میں سے بیگ گھسیٹ گھسیٹ کر پورچ تک رکھ رہا تھا، لیکن کوئی بھی اُسکی مدد کرنے کو نہیں اُٹھ رہا تھا۔ اِس لیئے نہیں کہ وہ اُس سے نفرت کرتے تھے، اُن سب کو کہیں نہ کہیں

اُس سے ہمدردی تھی۔بس اِس لیے کہ وہ کوئی نیا تماشہ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔وہ سب اُسے معاف کر دینے کیلیے تیار تھے، لیکن وہ معافی تو مانگتا، برائے نام ہی سہی لیکن مان ہی رکھ لیتا۔

آخری بیگ رکھ کر وہ اوپر گیا اور کافی دیر تک دوبارہ نمودار نہ ہوا۔

''بجو اماں وہ عُمائمہ کے پاس گیا ہوگا۔'' عدیل نے تشویش سے کہا۔

''جانے وہ میرا بچہ، وہ دونوں بہن بھائی شاید ایک آخری بار لڑلیں۔ہو سکتا ہے عُمائمہ اِس طرح ٹھیک ہو جائے۔'' اُنکا گلا رُندھ رہا تھا اور ہاتھ میں پکڑی تسبیح کے دانے گرانے میں تیزی آرہی تھی۔

''میں اندر آجاؤں؟'' عُمائمہ کے کمرے کا دروازہ بجا کر باہر سے ہی کہا۔

وہ نماز پڑھ کر اُٹھی تھی۔جائے نماز ہاتھ میں تھا اور دوپٹہ چہرے کے گرد لپیٹ رکھا تھا۔

''نہیں۔'' سکون سے کہا اور جائے نماز تہہ کرنے لگی۔

''میں پھر بھی آجاؤنگا۔'' احمر نے باہر سے ہی کہا اور ڈور ناب گھما کر اندر آگیا۔

www.novelsclubb.com

''تمہیں ویسے بھی عادت ہے۔''استہزائیہ ساہنسی۔وہ بھی اُسکے طنز کو سکون سے سُن کر وہیں دروازے کے پاس پڑے صوفے پر بیٹھ گیا۔

''جارہاہوں میں۔''ایسے کہا جیسے اُسے یاد کروارہاہو۔

''مجھے پتاہے۔''وہ اب جائے نماز رکھنے کیلئے بیڈ کے ساتھ والا دراز کھول رہی تھی۔

''سب نیچے بیٹھے ہیں،شاید مجھ سے ملنے۔۔''

''وہ نہیں ملینگے۔''سکون سے دراز بند کر کے مڑی۔

''میں نے مناہل کے ساتھ غلط کیا۔۔۔''

''لیکن مجھے اُسکی کوئی شرمندگی نہیں ہے۔''اُسکی بات مکمل کی۔احمر ہنسا۔

''مام میری وجہ سے۔۔۔''پھر بولنا شروع کیا۔

''نہیں تمہاری وجہ سے نہیں، میری وجہ سے مام چلی گئیں۔'' وہ بیڈ کے کنارے بیٹھ گئی۔ چہرہ بے تاثر تھا۔ لہجہ کسی بھی طرح کے غم سے پاک تھا۔

''طنز کر رہی ہو؟'' اب وہ حیران ہوا۔

''نہیں یہ سچ ہے۔ مام اُس وقت ڈرائیونگ کر رہی تھیں، تمہاری کال میں نے ہی اُٹھائی تھی۔ مجھے کال سپیکر پر ڈالنے کے بجائے خود ہی سُن کر بند کر دینی چاہیئے تھی۔'' اُس نے کندھے اُچکائے۔

اور یہی وجہ تھی کہ عُمائمہ کے اپنے جہان کی آوازیں اُس سے روٹھی ہوئی تھیں کیونکہ عُمائمہ خود سے ہی روٹھی ہوئی تھی۔

''یہ سب ڈیسائیڈ کرنے والا اللہ ہے۔'' اُس نے بڑی سہولت سے کہا۔ عُمائمہ نے پہلے چونک کر اُسے دیکھا اور اگلے ہی لمحے اُسکا قہقہہ کمرے میں گونجا۔

''اوہ مائی گاڈ!'' ہنستے ہوئے اُس نے آنکھوں میں آئی نمی صاف کی۔احمر کو چُپ لگ گئی۔ وہ وحشت ناک قہقہہ تھا۔ایسا کہ اُس قہقہے پر بھی ترس آئے۔

جہاں تک احمر اپنی بہن کو جانتا تھا وہ سمجھ رہا تھا کہ وہ اُس پر پھٹ پڑے گی۔ باتیں سُنائے گی اور پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔ایسا ہوتا اگر وہ وہی پُرانی عُمائمہ ہوتی۔ یہ تو کوئی بہروپیا تھا۔

''اللہ تعالیٰ کو بیچ میں مت لاؤ پلیز۔''ہنسی روکتے ہوئے کہا۔

''کیوں؟''وہ اب دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

''کیونکہ احمر اللہ تعالیٰ کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے اور اِس وقت تمہاری رسی دراز ہے۔'' عجیب سے لہجے میں بغیر ہنسے اُس نے جملہ مکمل کیا۔احمر کی ریڑھ کی ہڈی تک جملے کی سنسناہٹ محسوس ہوئی۔

''میں بس تمہیں منانا چاہتا ہوں، لیکن مجھے نہیں لگتا کہ تم مجھے معاف کرو گی۔'' وہ کھڑا ہو گیا۔عینک درست کی، کوٹ کے بٹن بند کیے اور گھڑی دیکھی۔اُسے دیر ہو رہی تھی۔

''میں کون ہوتی ہوں معافی تلافی کا پیمانہ بنانے والی،'' وہ بھی کھڑی ہو گئی،

''اِن فیکٹ کوئی بھی انسان معافی کا پیمانہ اپنے ہاتھ میں نہیں لے سکتا۔ یہ سب بھی اللہ تعالیٰ کے فیصلے ہیں۔'' رُک کر سانس لیا۔

''لیکن میری ایک بات یاد رکھنا احمر،'' وہ قدم قدم چلتی اُس تک آئی،

''میری ما م کے ساتھ تم نے جو کیا سو کیا، مناہل والے معاملے کو بھی ہم ختم کر چکے تھے، اگر تم دوبارہ نہ کھولتے تو۔ لیکن ایک معاملہ ہے جو کبھی ختم نہیں ہو گا۔'' بے تاثر چہرہ اُٹھا کر اُسے دیکھا۔ آنکھیں خُشک تھیں۔

احمر نے عینک کے پیچھے کی آنکھیں چھوٹی کیں۔

''تم نے ایک عیسائی عورت سے نکاح کر کے اللہ کی بنائی حد کو توڑا ہے، خدا کی بنائی حدوں کے ساتھ کھیلنے والے کا انجام بہت بُرا ہوتا ہے۔'' اُسکے بالکل سامنے آن رُکی۔

اُن دونوں کی آنکھیں ایک جیسی تھیں۔ رعناء جیسی۔ گہری بھوری بڑی بڑی آنکھیں۔

''میں تمھیں نہیں بتاؤنگی کہ کیا کرنا چاہیئے، تم اگر نکاح کر سکتے ہو، گناہ کر سکتے ہو تو تمھیں اُس گناہ کا ازالہ اور سزا بھی معلوم ہوگی۔ یونہی تو نہیں گناہ کی لذت زیادہ۔'' آخری بات پر کندھے اُچکائے۔

وہ خاموش سا اُسے سُنتا رہا۔

''تم چلے جاؤ، تمھیں دیر ہو رہی ہے۔'' دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ احمر نے گہرا سانس لیا اور مڑ گیا۔

''خدا حافظ عُمائمہ!'' مڑتے ہوئے کہا۔

''اللہ تم پر رحم کریں احمر۔'' اُس نے دونوں بازو سینے پر باندھ لیئے۔ وہ مکمل پُر سکون تھی۔ احمر سیڑھیاں اُتر گیا۔

وہ اُس سے لڑتی، جھگڑتی اور بات ختم کر لیتی۔ لیکن بات اگر صرف اُن دونوں بہن بھائی کی ہوتی۔

وہاں بات ماں کی تھی۔ اُسکی اپنی ذات کے ایک کھوکھلے پن کی تھی۔ سب سے بڑی بات اُس گناہ کی

تھی جو وہ کر چکا تھا۔ وہاں بات رب کی بنائی حدود کی تھی، جنہیں احمر توڑ چکا تھا، ایک بار نہیں بار بار۔

※※※

وہ سیڑھیوں پر نمودار ہوا تو بے اختیار سب نے گردن موڑ کر اُسے دیکھا۔ اِک آس تھی اُنکی آنکھوں

میں، لیکن اُسکے چہرے پر سکون میں رتی برابر بھی فرق نہ دیکھ کر اُنکی نظریں مایوس لوٹ آئیں۔

"احمر بھائی!" وہ لاؤنج سے گزر رہا تھا جب سیڑھیوں سے جویریہ نے آواز دی۔ وہ تیزی سے بھاگتی

ہوئی، مُسکرا کر سیڑھیاں عبور کر رہی تھی۔ ہاتھ میں کوئی کارڈ سا تھا۔ احمر مڑا۔

وہ بھاگتی آئی اور بھائی کی ٹانگوں سے لپٹ گئی۔ بجو اماں کی آنکھ سے آنسو ٹوٹ کر بہہ گیا۔ بہت سی بصارتیں ایک ساتھ دُھندلائیں۔ مناہل نے منظر سے منہ پھیر لیا۔ عائشہ نے رونا روکنے کو منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔

''آپ جارہے ہیں نا، مجھ سے ملے بغیر ہی جارہے تھے؟''اُسی طرح کھڑے کہا۔ احمر مُسکرایا اور اُسکا سر تھپکتا گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔

''میں آنے ہی والا تھا آپ سے ملنے۔''کمال مہارت سے اُس نے جھوٹ بولا۔

''یہ میں نے آپ کیلئے بنایا ہے۔''اُس نے ننھے ہاتھوں سے کارڈ اُسکی طرف بڑھایا۔

''واؤ یہ تو بہت خوبصورت ہے۔''احمر نے کارڈ کھول کر دیکھا۔ اُس پر وِشز لکھی تھیں۔ خیریت سے جانے کی دُعائیں۔ ہاتھ سے بنی آڑھی ترچھی لکیریں تھیں، جنہیں پھولوں میں ڈھالا گیا تھا۔ بہت سے سٹیکرز لگے تھے۔ وہ مُسکرایا۔

ایک صوفے پر بیٹھی آصفہ کو بے اختیار اپنی مناہل یاد آئی۔ وہ بھی تو ایسی ہی تھی۔ وہ بھی تو احمر کو ایسے ہی اہمیت دیتی تھی۔ لیکن بدلے میں احمر نے کیا کیا تھا۔ وقت کی کایاپلٹ گئی تھی۔ احمر کا وقت اب ختم ہونے کو تھا، یا پھر بس ابھی شروع ہوا تھا؟ ایک جھرِ جھری سی لے کر آصفہ نے خوفزدہ سی سانس فضاء کے سپرد کی۔

''اور میں نے ایک لسٹ بھی بنائی ہے۔'' اب وہ دوسرے ہاتھ میں پکڑا فولڈ ہوا کاغذ کھول رہی تھی۔

''کیسی لسٹ؟'' حیرانگی سے پیپر تھاما۔

''اُن چیزوں کی لسٹ جو آپ اگلی بار میرے لیئے لے کر آئینگے۔'' مُسکرا کر پُرجوش ہوئی۔ مناہل سے مزید آنسو نہیں روکے گئے اور وہ اُٹھ کر لاؤنج سے ملحقہ ایک کمرے میں چلی گئی۔

احمر نے نظریں اُٹھا کر اُن سب کو دیکھا پھر بہن کو۔

''اوکے ٹھیک ہے۔اور کچھ؟''

''بس آپ جلدی آجائینگے نا؟ مجھے ماما بہت یاد آتی ہیں، آپ جائینگے تو آپ بھی یاد آئینگے۔'' معصوم دل نے افسردہ ہو کر بتایا۔

''ہاجرہ آپی اُٹھیں! میرا۔۔۔ میرا دَم گھُٹ جائے گا!'' عائشہ کے اضطراری انداز میں ہاتھ جھلاتے ہاجرہ کو اُٹھایا، وہ دونوں قصر سے باہر نکل گئیں۔

''میں وعدہ نہیں کرتا، کوشش کرونگا۔'' اچھے طریقے سے اُسکا دل رکھا۔

''اوکے!'' وہ اتنے میں ہی خوش ہوگئی اور دوبارہ اُس سے لپٹی۔ احمر ایک ہاتھ میں کارڈ لیے، ایک ہاتھ میں پیپر لیے اُس سے ملا اور کھڑا ہو گیا۔

''اللہ نگہبان بجو اماں!'' وہ چلتا ہوا اُن تک آیا اور اپنا سر اُنکے آگے جھُکایا۔

''اللہ نگہبان!'' تسبیح والا ہاتھ اُس کے سر پر رکھا اور گیلی سی سانس اندر کھینچی۔

پھر وہ مڑ گیا۔ کسی اور سے نہیں ملا۔ نہ وہ ملا نہ اُن میں سے کسی نے ملنے کی کوشش کی۔

(وہ نہیں ملینگے!)

لاؤنج کے دروازے میں پہنچ کر اُس نے ایک نظر پھر پیچھے دیکھا۔ نظریں اُن سب سے ہوتی سیڑھیوں کے اوپر تک گئیں اور اُس نے دیکھا عُمائمہ اوپر ہی کھڑی تھی۔ دونوں بازو سینے پر باندھے۔ بے تاثر یا پُر سکون؟

اُس نے سر جھٹکا اور آگے بڑھ گیا۔

نبیل، افضل اور سُہیل گیٹ کے پاس ہی کھڑے تھے۔ وہی اُسکے بیگز پورچ سے گھسیٹ کر باہر ٹیکسی تک لائے تھے۔ وہ اُن تینوں سے ملا۔ وہاں کوئی گرمجوشی، کوئی تپاک نہیں تھا۔ وہ نبیل سے مل رہا تھا جب عائشہ انیکسی کی طرف سے بھاگتی ہوئی آئی۔

''ڈیڈ!'' اُسکی آواز پر وہ چاروں چونکے۔

نبیل کے زہن کے پردوں پر وہ منظر لہرایا جب وہ رعناء کی میت لے کر گھر آئے تھے۔آنکھوں میں نمی اُبھری۔

''بھائی کو کہیں مجھ سے کوئی ناراضگی ہے؟'' دور کھڑے ہی آواز اُونچی کر کے کہا۔روتی ہوئی آواز۔

''نہیں عائشہ!'' وہ بھی وہیں سے بولا۔

''تو پھر ملینگے نہیں؟'' دوبدو کہا۔

احمر مُسکرایا۔اُسکی طرف بڑھا وہ بھی رَوش پر آگے آئی۔ نبیل کی آنکھیں بس چھلک جانے کو تھیں۔

افضل نے اُنکا شانہ تھپکا۔

وہ عائشہ سے ملا،اُسکے آنسو پونچھے اور مڑ گیا۔

نبیل اُسکے ساتھ ہی گیٹ سے باہر نکلے تھے۔وہ تب تک باہر ہی رہے تھے جب تک ٹیکسی نظروں سے اوجھل نہیں ہو گئی۔

''للہ تم پر رحم کریں، تمہیں ہدایت دیں احمر!'' بڑبڑاتے ہوئے دُعا دی، اپنے آنسو پونچھے اور اندر آگئے۔

وہ ایک بیگ لے کر آیا تھا، اور ساتھ کئی بیگز لے کر جا رہا تھا۔

وہ خالی اکاؤنٹس لے کر آیا تھا اور اب اُسکا بینک بھرا پڑا تھا۔

اُسکا باپ جو ٹیکسی او جھل ہونے تک اُسے دیکھتا رہا تھا۔

وہ پورا خاندان اُسکے ندامت کے صرف ایک بول کا منتظر تھا۔

کیا ابھی بھی کوئی کہہ سکتا تھا کہ وہ خاندان اُس سے نفرت کرتا تھا؟

ٹیکسی میں بیٹھے اُس نے واٹس ایپ کھولا اور ''سویٹ ہارٹ'' کے نام کی چیٹ کھولی۔

"Mission Completed!"

دو لفظی میسج بھیج کر اُس نے گاڑی کی کھڑکی سے باہر دیکھا اور مُسکرایا۔ کمینگی بھری مُسکراہٹ۔

سکرین تاریک ہو گئی۔

"Did you acted well?"

سکرین ایک بار پھر روشن ہوئی۔

"Absolutely Perfect!"

جواب بھیجا گیا اور پھر سکرین تاریک ہو گئی۔

※※※

یہ جمعہ کا ایک چمکتا ہوا دن تھا۔ آج رعناء کو اُن سے بچھڑے دس دن بیت گئے تھے۔ اُنکے پیچھے کئی زندگیاں لڑکھڑائی تھیں، گری بھی تھیں۔ مگر پھر بھی سنبھل کر اُٹھ کر کھڑی ہو گئی تھیں، یا کوشش

کر رہی تھیں۔ شاید یہ قدرت کا اصول ہے کہ وہ آپکو، کبھی اپنے آپ کو تو کبھی اپنے اپنوں کو پہچاننے کیلئے ایک گہرا دھچکا دیتی ہے، اور پھر مقصد حاصل ہو جانے پر ہر چیز اپنے مدار میں واپس آجاتی ہے۔ آہستہ آہستہ ہی سہی لیکن ایسا ہونا اٹل ہے۔

قصر کے لاؤنج میں ایک بار پھر ساری چیزیں ہٹا کر سفید چادریں بچھادی گئی تھیں۔ لان میں جابجا کُرسیاں لگائی تھیں۔ دھوپ ٹھنڈی سی تھی اور ایک طرف کھانے پینے کا اہتمام کیا جا رہا تھا۔ چہروں پر سوگواریت چھائی تھی۔ اُنہوں نے تاریخیں یاد کر لی تھیں۔ وہ کیسے بھول سکتے تھے۔ ایک دوسرے سے آنسو چھُپاتے وہ سب اپنے اپنے کاموں میں لگے تھے۔ جس کا کوئی کام نہیں تھا وہ ہاتھ میں قرآن اُٹھائے رعناء کیلئے دُعا گو تھا۔ عُمائمہ بھی بجو اماں کے پاس بیٹھی تھی۔ ہاتھ میں قرآن تھا اور وہ پڑھتی جاتی، روتی سسکیاں لیتی خاموش تھی۔ اُسے اِس طرح دیکھنا ان سب کیلئے جیسے

امتحان سا تھا۔ جہاں وہ سب اپنے آنسو ضبط کر رہے تھے، وہیں عُمائمہ آج ایسے رو رہی تھی جیسے ماں کو پہلی بار رو رہی ہو۔

دوپہر اُتری تو حناء بھی آ گئی تھی۔ چُپ سادھے وہیں بجو اماں کے پاس ٹِک گئی تھی۔ کہاں وہ جب بھی آتی تو رعناء کو منانے کے چکر میں پورے گھر کو سر پر اُٹھا لیتی تھی۔ اب نہ تو رعناء تھیں، جو ناراض ہوتیں اور نہ ہی اب حناء میں منانے کی سکت باقی تھی۔

حناء کے ساتھ عُمائمہ کی کلاس فیلوز بھی آئی تھیں۔ اُن سب کو پہلے تو عُمائمہ نے نہ پہچاننے والے انداز میں دیکھا اور اپنے کام میں مگن ہو گئی۔ لیکن پھر عائشہ نے اُسکے کان کے قریب آ کر کچھ کہا اور اُسکے ہاتھ سے پاک کتاب لے کر ایک طرف رکھی۔ اُسکی بات پر وہ ایک گہرا سانس لے کر آنسو پونچھنے لگی۔ ایک بار پھر اپنا سارا بکھرا وجود اُس نے سمیٹا اور اُن سب سے تعزیت وصول کی۔ دُنیا کا مشکل ترین کام اپنی جان سے عزیزوں کی تعزیت وصول کرنا ہے۔

وہ سب تھوڑی دیر بیٹھیں اور پھر اجازت طلب کرلی۔بس یہی رسم تھی،یہی رواج تھا۔کیا مرنے پر بھی رسم ورواج ہوا کرتے ہیں؟کہا گیا ہاں! مرنے والے کی زندگی ختم ہوئی ہے اُس سے جُڑے لوگوں کی نہیں۔اور یہ دُنیا ہے،یہاں جینا اگر رسم ورواج کے ساتھ ہے تو پھر مرنا بھی رسم ورواج کے ساتھ ہی ہے۔

تلخ سی ہے،لیکن حقیقت ہے!

وہ سب چلی گئیں،سوائے مریم کے۔اُمِّ مریم۔وہ عُمائمہ کی دوست تھی۔باقیوں سے زیادہ اُس سے کلوز تھی۔وہ عُمائمہ کا ہاتھ تھامے اُسکے پاس ہی بیٹھی رہی۔رعناء کی باتیں کرتی رہی۔رعناء یونی میں اُنکی پروفیسر رہ چکی تھیں۔لیکن جب اُس نے دیکھا کہ عُمائمہ رعناء کے ذکر پر مزید افسردہ ہو رہی ہے تو وہ خاموش ہو گئی۔ہاتھ ہنوز تھامے ہوئے تھی۔

تھوڑی ہی دیر بعد عُمائمہ کو اُس سے اُلجھن سی ہوئی لیکن پھر کچھ دیر میں وہ بھی ختم ہو گئی۔مانا کہ وہ باقی کلاس سے اُس سے زیادہ کلوز تھی لیکن اتنی نہیں کہ وہ اُسے اپنا کندھا پیش کرتی۔اتنے دنوں میں شاید وہ پہلی تھی جو اسکے ہاتھ تھامے بس خاموشی سے اُسکا دُکھ ختم کرنا چاہ رہی تھی۔باقی سب تو اُسے سمجھا ہی رہے تھے۔اُس نے تلخی سے سوچا۔

پھر آہستہ آہستہ ہر رشتہ اُسکے ذہن میں اُبھر نا شروع ہوا اور سوچیں تلخ ہوتی ہی چلی گئیں۔اور پھر عُمائمہ کے آنسوؤں میں تیزی آ گئی۔پاس بیٹھی اُمِّ مریم نے اُسے روتے دیکھا تو ہاتھ بڑھا کر اُسکے آنسو پونچھے اور اُسکا سر اپنے ساتھ لگا گئی۔بغیر کوئی لفظ کہے اُسے تھپکنے لگی۔

سوچوں کی کڑی چلتی چلتی اسفند کے نام پر رُکی۔اُس نے بھی تو اتنے دنوں سے۔۔۔

''عُمائمہ!''ہلکی سی آواز دی گئی۔وہ مزید کچھ نہ سوچ سکی۔نگاہیں اُٹھا کر دیکھا دُھندلی سی بصارت میں وہی شخص نظر آیا جو سوچوں میں تھا۔

''ذرا بات سُنیں۔''اُسی آواز میں کہا اور کچن کی طرف بڑھا گیا۔اُمّ مریم نے بھی اُسے سر تا پا جانچتی نظروں سے دیکھا تھا۔

عُمائمہ نے سرہلایا، آنسو برائے نام پونچھے اور اُٹھ کھڑی ہوئی۔دوپٹہ درست کیا اور قدم بڑھانے ہی لگی تھی کہ مریم یاد آئی۔واپس مڑ کر اُسے دیکھا۔وہ اب نظریں یہاں وہاں گزرتے باقی افراد پر ڈال رہی تھی۔عُمائمہ کو خوامخواہ ہی اُس میں اپنا عکس نظر آیا۔اکیلا پن، بے بسی۔

''مریم!تم بھی میرے ساتھ آجاؤ۔''وہ بولی تو آواز پھٹی پھٹی سی تھی۔رونے کی وجہ سے گلا بیٹھ رہا تھا۔

عُمائمہ نے ایک غیر کو فوقیت دی۔مریم نے اُسے دیکھا اور اُسکی آنکھوں میں عجیب سی چمک اُتری۔

اگلے ہی لمحے اُس نے اپنی کیفیت پر قابو پایا اور سنجیدہ چہرہ لیے اُٹھ گئ۔

"کافی بنائی ہے آپکے لیے، صبح سے آپ بس روئے ہی جارہی ہیں۔ سر درد ہو رہا ہو گا۔" لہجے میں بے پناہ فکر تھی، آنکھوں کی چمک البتہ ماند پڑ گئی تھی۔ آہٹ پر اُس نے کہا اور صلیب سے کافی کا مگ اُٹھالیا۔ وہ مڑا تو ٹھٹکا۔

وہ بالکل بھی توقع نہیں کر رہا تھا کہ عُمائمہ اُس لڑکی کو ساتھ لے آئے گی۔ اُسے دیکھ کر رُکا اور پھر ایک گہرا سانس لے کر آگے بڑھا اور مگ اُسے تھما دیا۔

کنکھیوں سے اُسے دیکھتا اسفند محسوس کر سکتا تھا کہ وہ مسلسل اُسے دیکھتی اپنی مُسکراہٹ چھپانے کی کوشش میں تھی۔ اسفند واپس مڑا اور اپنا مگ بھی اٹھالیا۔ زرا سا بھی تکلف کر کے اپنا کپ اُس انجان لڑکی کو دینے کا اُسے کوئی شوق نہیں تھا۔

عُمائمہ نے کپ لیا اور کڑوے مادے پر نظریں جمالیں۔ وہ کیا کہے؟ اُسکے پاس باتیں نہیں تھیں۔ وہ شکریہ بھی تو ادا کر سکتی تھی۔ نہیں کیا۔

''آپ بیٹھیں، میں۔۔۔'' وہ کچن سے باہر نکلنے ہی لگا تھا کہ اُمّ مریم نے اُسکی بات کاٹی۔

''عُمائمہ تم انٹروڈیوس نہیں کرواؤ گی؟'' اتنا تو وہ جانتی تھی کہ وہ عُمائمہ کا شوہر ہرگز نہیں تھا، پھر کون تھا، اُسے یکدم ہی اسفند میں دلچسپی پیدا ہوئی۔

''ہاں؟'' اُسے جیسے اچھنبا ہوا۔ پھر خود کو کمپوز کیا۔ اُمّ مریم اُسے ایک عجیب صورتحال میں ڈال چکی تھی۔

''ا، یہ اُمّ مریم ہے۔ اور مریم یہ اسفند ہیں۔'' کندھے اُچکا کر بے تاثر لہجے میں کہا۔ حد ہو گئی! کوئی ایسے بھی تعارف کرواتا ہے؟

''عُمائمہ کیا ہو گیا ہے؟ یہ تو صرف نام ہیں تم رشتے بھی تو واضع کرو۔'' اب کے وہ مُسکرا دی۔ وہ ابھی بھی اسفند کو ہی دیکھ رہی تھی۔ اسفند کے ماتھے پر ہلکی سی لکیر اُبھری۔

''یہ میری دوست ہے ا، ہم یونی میں چار سال ساتھ رہے ہیں۔'' بیزاریت سے کہا اور خاموش ہو گئی۔

''میں اسفند عباسی ہوں، عُمائمہ کا کزن۔'' سنجیدہ اور مختصر سا تعارف۔ وہ کیوں خاموش ہو گئی تھی۔ اسفند کو اسکی خاموشی بُری طرح کھُلی تھی۔

''نائیس ٹو میٹ یو۔'' وہ پھر مُسکرائی۔

''تھینک یو، ناؤ ایکسیوز می پلیز۔'' ایک رسمی سے انداز میں مُسکرائے بغیر کہا اور ایک طرف سے ہوتا نکل گیا۔

باہر آیا تو بجو اماں اُسے گھور رہی تھیں۔ اُس نے کندھے اُچکا دی ئے۔ جیسے کہہ رہا ہو:

''میں کیا کر سکتا ہوں اب؟''

وہ لاؤنج سے باہر پورچ میں کھڑا تھا جب جو اماں نے اُسے آواز دی تھی۔لاؤنج کا پورا دروازہ کھول رکھا تھا۔اُنہوں نے اُسے قریب بُلا کر عُمائمہ کو اُس لڑکی کے پاس سے اُٹھانے کا کہا تھا لیکن اُن دونوں کا اکٹھا اُٹھنا دیکھ کر اُن موڈ اور زیادہ خراب ہوا تھا۔

اُنہیں وہ لڑکی ایک آنکھ نہیں بھائی تھی۔وہی ماؤں کی ایک ساتویں آنکھ جس سے وہ ہمارے دوستوں کو دیکھتی ہیں اور پل میں بتا دیتی ہیں کہ کون کیسا ہے۔

''تمہارا کزن بہت روڈ نہیں ہے؟''اسفند باہر نکل گیا تو اُس نے عُمائمہ کے قریب سرگوشی کی۔

''نہیں وہ ایسے ہی ہیں۔''اُس نے جیسے بات ختم کر دی۔

البتہ اُمّ مریم نے اسفند کی طرف سے ایک نئی سوچ اُسکے ذہن میں ڈال دی تھی۔ایک نئی منفی سوچ۔

سوچیں انسان کے رشتوں کو کمزور کر دیتی ہیں،چاہے وہ دوستی کا رشتہ ہو یا پھر خون کا۔

www.novelsclubb.com

※ ※ ※

دن ڈھل گیا اور رات پوری شان و شوکت سے پھیل گئی۔ سیف کی فلائیٹ تقریباً عصر کے وقت کی تھی۔ اُسے اُن سب نے رُخصت کیا۔ حناء آج سارا دن اُن کے ساتھ ہی رہی تھی۔ ہاجرہ اور وہ کافی گھُل مل گئی تھیں۔ وہ ہاجرہ سے دو سال ہی بڑی تھی۔ کھانے کے بعد وہ آصفہ اور شائستہ کے ساتھ کچن میں لگی رہی۔ اُن سے زیادہ وہ کچن کی چیزوں اور اصولوں کو جانتی تھی۔ کیونکہ وہ رعناء کی دوست تھی اور اکثر وہیں ہوا کرتی تھی۔ شائستہ بس مُسکرا کر اُسے دیکھتی رہی تھیں۔

حناء بہت تیز تیز بولتی تھی۔ بولتے ہوئے اُسکے لہجے میں ہلکا سا برٹش لہجہ جھلکتا تھا۔ اُسکے بچپن کا ایک حصہ امریکہ میں گزرا تھا۔ وہ اپنی زبان اور ہاتھوں کی تیزی سے وہاں کام کرتیں شائستہ کو بُری طرح متاثر کر چکی تھی۔

اور بس اِسی چکر میں شائستہ بجو اماں کے کمرے میں موجود تھیں۔

"بجو اماں میں نے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔"اُنہوں نے جب دیکھا کہ سب سونے کیلے انیکسی میں جانے کے لی ئے نکل گی ئے ہیں تو وہ تیزی سے بجو اماں کے کمرے میں پہنچیں۔

"کیاہوا شائستہ ؟اب کونسی تمہاری اولاد نے نیاڈرامہ کر دیاہے جو تم مجھے بتانے آئی ہو۔"بجو اماں اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے گھٹنے دبا رہی تھیں، وہ نیچے بیٹھ بیٹھ کر تھک گئی تھیں۔

"چھوڑیں اماں میری اولاد کو، وہ سب تو نکمے ہیں۔"اُنہوں نے بھڑاس نکالی،

"آپکو حناء کیسی لگی ؟"بیڈ پر اُنکے قریب ہی بیٹھ کر وہ اُنکے کہے بغیر گھٹنے دبانے لگیں۔

"کیا مطلب ؟"اُنہیں حیرت ہوئی۔

"وہ بھی کسی کی بیٹی ہے میں کیوں کسی کے بارے میں قیافے لگاؤں ؟"اُنہوں نے آنکھیں چھوٹی کیں۔شائستہ کے پاس کوئی بڑی گوسپ تھی یہ تو بجو اماں کو اندازہ ہو گیا تھا۔ورنہ وہ اتنی پُر جوش نہ ہو تیں۔

''اوہو اماں! میں چغلی نہیں کر رہی۔'' گھٹنے تیزی سے دبانے لگیں۔

''عدیل کے لیے حناء کی بات کر رہی ہوں۔'' چمکتی آنکھوں سے سرگوشی کی۔ لیکن وہ سرگوشی بھی دروازے کی اوٹ میں چھپی مناہل نے بڑی آسانی سے سنی تھی۔ وہ تائی کی بے چینی صبح سے دیکھ رہی تھی اور موقع میں تھی کہ وہ کہاں اپنی بے چینی نکالینگی۔ سُن کر مناہل تیزی سے وہاں سے بھاگی۔

''اچھا۔۔ سوچا جا سکتا ہے۔'' اُنہوں نے حامی بھری۔

''اماں سوچا کیا جا سکتا ہے، آپ رعناء سے بات کریں نا کہ وہ حناء کے گھر والوں کا کوئی اتا پتا ڈھونڈ کر دے۔'' وہ اپنی ہی دھُن میں کہتی جا رہی تھیں، پھر نظر اُٹھا کر دیکھا۔ بجو اماں سنجیدہ چہرہ لیے اُنہیں دیکھ رہی تھیں۔

شائستہ گڑبڑائیں۔ نظروں کے پیچھے کی سوچ سمجھ گئیں۔ زبان کو بریک لگا۔ گھٹنے دباتے ہاتھ رُکے۔

''سوری اماں۔۔۔زبان کو،زہن کو رعناء کی عادت ہے،آہستہ آہستہ ہی جائے گی۔'' کچھ دیر پہلے والی شوخی اب غائب تھی۔چمکتی آنکھیں لمحوں میں نم ہوئی تھیں۔

''ہم بعد میں بات کرینگے شائستہ۔'' کہہ کر بجواماں نے اُنکا کندھا تھپکا۔

شائستہ سرہلائے خاموش ہورہیں۔

※ ※ ※

وہ سب انیکسی ہال میں بیٹھے تھے جب اسفند کا فون بجا۔وہ ایکسیوز کرتا اٹھ گیا۔عُمائمہ بھی آج خلافِ معمول اُنکے ساتھ ہی بیٹھی تھی۔بجواماں کی باتوں پر عمل کررہی تھی۔وہ فون سائلینٹ کرتا سیڑھیاں اُترتا چلا گیا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد واپس آیا اور اُن سب پر ایک نگاہ ڈالی۔

عُمائمہ، ہاجرہ اور عائشہ ایک صوفے پر بیٹھیں باتیں کر رہی تھیں۔ مناہل البتہ اُن سے الگ، کُشن گود میں اٹھائے ناخن کتر رہی تھی۔ نظریں غیر مرئی نقطے پر جمی تھیں۔ اسفند کو حیرانگی ہوئی۔ اُسے کیا پتا تھا کہ وہ بڑی مشکل سے اپنے پیٹ کے مڑوڑ دبائے ہوئے تھی۔ اسماعیل اور عدیل ایک صوفے پر بیٹھے ٹی وی پر نظریں جمائے ہوئے تھے۔ میز پر ابھی تازی بنائی چائے اور کافی کے مگ اپنی توجہ کھوتے ہوئے بھاپ اُڑا رہے تھے۔

''میرے پاس ایک نیوز ہے۔'' گلا کھنکھار کر اُنہیں متوجہ کیا۔ بازو سینے پر باندھے وہ ایسے کھڑا تھا کہ سب گردنیں موڑ کر اُسے دیکھنے لگے۔

''میرے پاس بھی ہے!'' دوسرا نعرہ مناہل نے لگایا۔ یکدم ہی ساری گردنیں اُس کی طرف گھومیں۔

''کیا نیوز ہے؟'' اسفند نے پوچھا۔ مناہل نے ایک نظر اُن سب کو دیکھا اور پھر عدیل کو۔

''لیکن اگر میں نے بتایا تو بجو اماں اور شائستہ تائی مجھے کچا چبا جائینگی۔'' منہ بنا کر دوبارہ ناخن کترنے لگی۔اسفند نے آنکھیں چھوٹی کر کے گھورا۔

''اب تو تمہیں بتانا پڑے گا، کیا میری بات ہے؟'' اسماعیل کو اپنی فکر ہوئی۔

''نہیں تمہاری نہیں، عدیل بھائی کی بات ہے۔'' ناخن کتر کے ایک طرف پھینکا۔ہاجرہ کے ماتھے پر بل پڑے۔

''ہیں!؟ میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا! اتنے شریف انسانوں کی طرح رہ رہا ہوں جب سے آیا ہوں۔''

وہ جو صوفے پر لم لیٹ تھا فوراً سیدھا ہوا۔

''دفعہ کرو اِسکو میری بات زیادہ ایمپورٹینٹ ہے۔'' اسفند جھنجھلایا۔

''میری بات بھی بہت زیادہ ایمپورٹینٹ ہے!''اُسی کے لہجے میں کہا اور گود میں رکھا کشن اُٹھا کر اسفند کے منہ پر دے مارا۔ وہ حملے کے لیٔ بالکل بھی تیار نہیں تھا۔ کُشن عین اُسکے منہ پر لگا اور وہ لڑکھڑا کر دو قدم پیچھے ہوا۔

وہ جو بیٹھے کسی ٹینس میچ کی طرح کبھی اسفند تو کبھی مناہل کو دیکھ رہے تھے، کشن اُسکے منہ پر لگنے پر دو تین سیکینڈز سکتے میں گیٔ تھے۔ اور پھر سب سے پہلا اُبھرنے والا قہقہہ اسماعیل کا تھا۔ اُسکے ساتھ ہی مناہل بھی ہنسنے لگی اور پھر وہ سب ہی۔ کشن اُسکے منہ پر لگ کر نیچے گر گیا۔ اسفند کا چہرہ سُرخ ہو گیا اور اُس نے دونوں بازو پھیلا کر خود کو گرنے سے بچایا۔

سنبھل کر اُس نے ایک بار اُن سب کو دیکھا اور نگاہیں عُمائمہ پر اٹک سی گئیں۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھے گردن جھکائے اپنی ہنسی روکنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ اتنے دنوں وہ پہلی بار مُسکرائی تھی۔

اسفند بھی مُسکرا دیا۔ پھر اُن سب کو ایک احساس ہوا۔ زیادہ ہنسنے کا احساس۔ یکدم ہی سب نے اپنی اپنی ہنسی کا گلا گھونٹا۔ البتہ مُسکرا اب وہ ہنوز رہے تھے۔

''ڈرامے کروالو تم سے جتنے مرضی، بیوقوف!'' بڑبڑا کر پاؤں میں پڑا کشن اُٹھایا اور صوفے پر اُچھال دیا۔

''میری بات سُن لو۔'' تھک کر وہیں عدیل کے ساتھ بیٹھ گیا۔

''ٹھیک ہے سُنائیں۔'' مناہل نے منہ بنایا۔

''عدیل اور میں کل واپس فیصل آباد چلے جائینگے۔'' فضاء میں ایک لحظے میں سنجیدگی دَر آئی۔ مُسکراہٹیں سمٹ گئیں۔ عُمائمہ کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔ ایک گہرا سانس لے کر اُس نے اپنی کافی کا مگ اُٹھا لیا۔

''ہیں؟میں کیوں جانے لگا بھئی تمہارے ساتھ؟''نیوز مناہل کی طرف سے ہو یا اسفند کی طرف سے،وہ دونوں بہن بھائی پھنسا عدیل کو ہی رہے تھے۔

''اور بجو اماں سے پوچھا آپ نے؟''مناہل نے بھنویں سُکیڑیں۔

''آپ اِس لیٔے میرے ساتھ جائینگے کیونکہ آپکی اکیڈمی سے فون اب مجھے آنا شروع ہو گیٔے ہیں اور میری فرم کا تو پیچھے ستیاناس ہو گیا ہو گا۔''آخری جملہ بڑبڑایا اور مناہل کے سوال کو نظر انداز کر دیا۔بجو اماں سے ابھی اُس نے بات کرنی تھی۔

''ہاجرہ آپی مجھے نیند آ رہی ہے۔''عُمائمہ نے کافی کا کڑوا مایہ اندر اُنڈیلا اور اُٹھ کھڑی ہوئی۔

وہ لمبے گھٹنوں تک آتے سویٹر اور قمیض کے ساتھ کھُلے سے فلیپر میں ملبوس تھی۔دوپٹہ گردن میں بل دے کر لے رکھا تھا اور بالوں کے جوڑے میں سے لٹیں نکل کر پھیلی ہوئی تھیں۔

''ٹھیک ہے عُمائمہ،اللہ حافظ۔''ہاجرہ نے مُسکرا کر اُسکا بازو تھپکا۔

وہ پھیکا سا مُسکرائی اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔اسفند نے گردن موڑ کر اُسے دیکھا اور گہرا سانس لے کر گردن واپس موڑ لی۔

وہ خاموش تھی۔اُسکی خاموشی اسفند کو بُری طرح مایوس کر رہی تھی۔

جب تلخ باتیں غیروں کی

تمہارے زہن میں بیٹھ جائیں،

اور تم بھی ہو جاؤ تلخ سے۔۔۔

الفاظ سے نہیں سوچ سے،

تو اُس وقت جاناں!

تم اپنے ہی ہاتھوں سے،اپنے رشتوں کو

دھیمک کی طرح نگل رہے ہوتے ہو!

※ ※ ※